محبت ربط ہے

عُشنا کوثر سردار

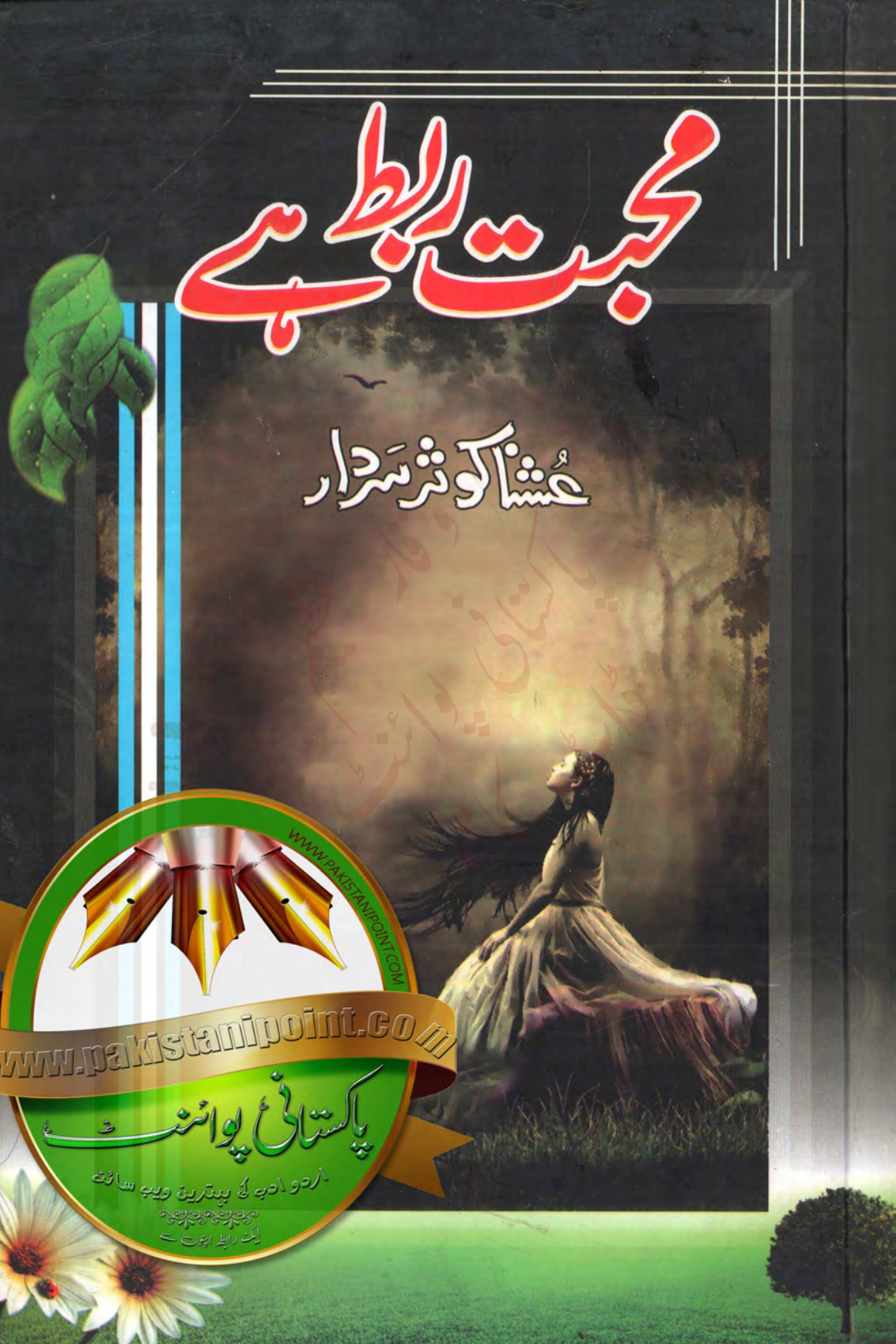

محبت ربط ہے

عشنا کوثر سردار

وقار عظیم
پاکستانی پوائنٹ
ڈاٹ کام

علم و عرفان پبلشرز
الحمد مارکیٹ، 40۔ اُردو بازار، لاہور
فون: 37352332-37232336

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	.....	محبت ربط ہے
مصنفہ	.....	عشنا کوثر سردار
ناشر	.....	گل فراز احمد علم و عرفان پبلشرز، لاہور
مطبع	.....	زاہدہ نوید پرنٹرز، لاہور
پروف ریڈنگ	.....	زاہد ملک
کمپوزنگ	.....	انیس احمد
سن اشاعت	.....	جولائی 2014ء
قیمت	.....	=/600 روپے

ناول کی تلاش میں مدد پر محترمہ سدرہ اشفاق کا خصوصی شکریہ۔

.....ملنے کے پتے.....

ویلکم بک پورٹ اُردو بازار، کراچی	خزینہ علم و ادب الکریم مارکیٹ اُردو بازار، لاہور
اشرف بک ایجنسی اقبال روڈ کمیٹی چوک، راولپنڈی	کتاب گھر اقبال روڈ کمیٹی چوک، راولپنڈی
بیکن بکس، گلگشت کالونی، ملتان	کشمیر بک ڈپو، تلہ گنگ روڈ، چکوال
رائل بک کمپنی فضل داد پلازہ، کمیٹی چوک راولپنڈی	مکتبہ رشیدیہ، جنرل مارکیٹ چکوال فون:0301-5785262

ادارہ کا مقصد ایسی کتب کی اشاعت کرنا ہے جو تحقیق کے لحاظ سے اعلیٰ معیار کی ہوں۔ اس ادارے کے تحت جو کتب شائع ہوں گی اس کا مقصد کسی کی دل آزاری یا کسی کو نقصان پہنچانا نہیں بلکہ اشاعتی دنیا میں ایک جدت پیدا کرنا ہے۔ جب کوئی مصنف کتاب لکھتا ہے تو اس میں اس کی اپنی تحقیق اور اپنے خیالات شامل ہوتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ آپ اور ہمارا ادارہ مصنف کے خیالات اور تحقیق سے متفق ہوں۔ اللہ کے فضل و کرم، انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کمپوزنگ طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری احتیاط کی گئی ہے۔ بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی یا صفحات درست نہ ہوں تو از راہِ کرم مطلع فرمادیں۔ انشاء اللہ اگلے ایڈیشن میں ازالہ کیا جائیگا۔ (ناشر)

آئینہ

1- پتیاں لکھاں شام نوں ..... ••

2- دل لوچے ماہی یار نوں ..... ••

3- میں محبت اور تم ..... ••

4- محبت ربط ہے ..... ••

5- کیکٹس کا پھول ..... ••

6- تارا تارا جلا ث ..... ••

7- کرن کوئی آرزو کی ..... ••

8- میں تیرا خالی کمرہ ہوں ..... ••

وقار عظیم
پاکستانی پوائنٹ
ڈاٹ کام

پتیاں لکھاں شام نوں

کھڑکی سے لگی
وہ بادل تکتی رہتی ہے
اس کے دل پر گرتی ہیں
وہ آنکھیں بند کر کے
اپنے اندر کی موسلادھار بارش میں بھیگتی رہتی ہے!

کتنی ہی دیر کھڑا وہ' بہت خاموشی کے ساتھ علا بخاری کو دیکھتا رہا تھا۔ اس کی مخروطی انگلیاں بہت تیزی کے ساتھ کی بورڈ پر متحرک تھیں۔ اس کی گہری سرمائی آنکھیں مونیٹر کی اسکرین پر تھیں۔ کتنی آس تھی ان آنکھوں میں اور اس سے بھی کہیں بڑھ کر ایک شدید ترین پیاس ایک تھل سا پھیلا ہوا تھا یہاں سے وہاں تک بنجر اور ویراں تھل۔ پیاس سے بھرا ہوا صحرا۔

وہ جدید ترین دور کی لیلیٰ تھی کوئی' جبھی تو بھٹکتی پھر رہی تھی' میلوں تک پھیلے ہوئے ان صحراؤں میں۔

بلو جینز پر ڈھیلی ڈھالی سی بلیک شرٹ' شولڈر کٹ بالوں کو بہت رف سے انداز میں کلپ میں مقید کیے نکھرا ستھرا بے داغ چہرہ میک اپ سے بالکل بے نیاز آنکھوں میں ایک آس ایک امید کی روشنی لیے وہ اس گھڑی اس سے قطعی طور پر بے نیاز تھی۔

اس کی موجودگی سے بے پروا اسے سرے سے جیسے احساس ہی نہ تھا کہ اس کے علاوہ کمرے میں کوئی موجود بھی ہے اس درجہ بے خبر تھی وہ کسی سے یا پھر خود میں اس قدر مگن تھی' کوئی کس قدر خوش نصیب تھا کہ میلوں کے فاصلے پر بیٹھے ہونے کے باوجود کس درجہ مضبوطی سے اسے باندھے ہوئے تھا اپنے ساتھ اس کے خیالوں کو اس کی سوچوں کو اس کے روز و شب کو اس کے احساسات و جذبات کو اور دل کو کس درجہ اختیار تھا اسے کسی کی سوچوں پر' کسی کے دل پر' دماغ پر' جذبات پر' وہ ناپید وجود غیر موجود انسان۔

وہ یہاں نہ ہو کر بھی جیسے یہیں پر تھا۔ اپنے مکمل احساس سمیت' وہ اگر کبھی جو سوچتا تھا تو اسے بے حد رشک آتا تھا اس شخص پر' عامر رضا ایک عام سا معمولی سا شخص ہوتے ہوئے بھی کس درجہ خاص تھا اس لڑکی کے

لیے محور تھا اس کی ذات کا اس کی زندگی کا انتساب دل کے لیے اولین احساس' دھڑکنوں کا پہلا ارتعاش' پتا نہیں اس شخص کو اپنی خوش نصیبی کا احساس تھا بھی کہ نہیں! کتنا مسحور کن تصور ہے نا۔ کوئی آپ کے لیے پاگل ہے اپنی تمام تر خردمندی کے باوجود دیوانہ ہے۔ اپنے شعور کے باوجود۔

ساری دیوانگی غالب ہے اس ہوشمندی پر' وہ فاتح ہے ہر میدان کا سارے جہاں کا مگر ایک فقط ایک اس مقام پر وہ بے بس ہے ہارا ہوا ہے۔

پتہ نہیں عامر رضا کو یہ احساس سرشار کرتا تھا کہ نہیں مگر سبکتگین غزنوی کو یہ احساس کچھ زیادہ مطمئن نہیں کرتا' بات یہ نہ تھی کہ وہ خود ''کیو'' میں تھا۔ یا مقابل ٹھہرنا چاہتا تھا اس مقام پر خود آنا چاہتا تھا۔ ایسی کوئی بات نہ تھی۔ وہ ایسے کسی مقابلے میں سرے سے شامل ہی نہ تھا۔ نہ ہی اس کا کوئی ایسا ارادہ فی الحال تھا۔ مگر اسے علما بخاری سے کسی قدر ہمدردی ضرور تھی اس تمام ''اقدامات'' کے جواب میں اس لڑکی کے ہاتھ آیا تھا۔ ان تمام ''نوازشوں'' کے جواب میں وہ تو خالی ہاتھ کھڑی تھی' بہت سے وعدے اس کے آنچل سے بندھے تھے۔ بہت سے جگنو اس کی مٹھی میں تھے۔

کوئی اسے ''محصور'' کر گیا تھا۔ فقط دو بول کہہ کر اپنا پابند کر گیا تھا اور وہ بہت سی خوش گمانیوں میں گھری اس راہ پر چلتی چلی جا رہی تھی جہاں وہ کسی کے ساتھ گامزن ہوئی تھی۔ حالانکہ کب سے کوئی باضابطہ ہمقدم نہ تھا۔ ساتھ نہ تھا۔

کتنے عرصے سے ان تعلقات پر سرد مہری کی گرد اٹنے لگی تھی۔ مگر علما بخاری کو جیسے پرواہ ہی نہ تھی۔ وہ آج بھی انہی راستوں پر تھی' اسی ایک شخص کی انگلی تھامے اس کے خیالوں سے بولتی۔ باتیں کرتی' وہ بہت سرشار تھی۔ جانے کتنے عرصے سے اس کی یہی روٹین تھی' وہ تو کچھ دنوں سے ہی اسے بے حد حیران ہو کر دیکھ رہا تھا۔ کتنے بہت سے خط لکھنا' بہت سے احوال کہنا' کبھی میل کرنا' کبھی ای میل بھیجنا۔

اور.....!

کبھی کبھی تو وہ بے ساختہ ہی ہنسنے لگتا تھا اسے دیکھ کر۔

''علما یار ایک کام کرو۔''

''کیا.....؟'' وہ بہت حیرت سے چونکتی ہوئی اس پر نگاہ کرتی تھی۔

''ایک عدد کبوتر خرید لو۔'' اور وہ اس پر پل پڑتی تھی۔ مگر وہ ہنستا چلا جاتا تھا۔

''سنو تو اگرچہ ان موصوف کی رنگت سے یہ حضرت مماثلت نہیں رکھتے۔ مگر.....سنو اگر تمہیں کبوتر پر اعتراض ہے تو طوطے صاحب بھی کچھ برے نہیں تمہارے لئے بہت سے پیسے بچ جایا کریں گے۔''

وہ اس کے غصے کی پروا کیے بغیر مسکراتا ہوا کہتا تھا اور وہ پہلے تو سنجیدگی سے کچھ دیر یونہی اسے کھڑی گھورتی رہتی تھی پھر یکدم ہی کھلکھلا کر ہنسنے لگتی تھی۔

''اتنے نادر و نایاب مشوروں کے لیے تمہیں میں ہی کیوں ملتی ہوں اور یہ اتنے عظیم قسم کے خیالات

آتے کہاں سے ہیں تمہارے ذہن میں۔''

اور سبکتگین اس لمحے اسے بغور تکتے ہوئے ہولے سے مسکرا دیتا۔

''تمہارے ساتھ رہتے ہوئے عقل استعمال کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ایک عرصے سے اسے میں نے اٹھا کر ایک کونے میں دھر دیا ہے۔''

''سبکتگین.....!'' وہ اسے گھورنے لگتی۔مگر وہ پرسکون انداز میں مسکراتا رہتا۔

''مان لو' صحیح کہہ رہا ہوں۔''

''تم سدھرو گے نہیں۔'' وہ دھمکی آمیز انداز اختیار کرتی۔وہ مسکراتے ہوئے جھٹ مصالحتی انداز اختیار کرتا۔

''اوکے اب نہیں بولوں گا۔مگر سنو یہ اتنے ڈھیر سے نامے جو تم ان محترم عامر رضا کی جانب بھیجتی رہی ہو۔تو کیا تھکتی نہیں ہو؟ کیا ملتا ہے تمہیں یہ سب کر کے؟'' اس نے جواز دریافت کیا۔وہ کچھ دیر یونہی اسے دیکھتی رہی۔پھر مسکرا دی۔

خط جیسے
فاصلوں کی مٹھی۔
جس میں لفظوں کے ڈاکیے
پیار کی پگڑیاں باندھے
تیرے نام کا خط بانٹتے ہیں

''مگر تم.....تم کبھی بھی نہیں سمجھو گے' کبھی نہیں کچھ بھی نہیں۔'' وہ تاسف سے سر نفی میں ہلاتی ہوئی اسے دیکھتی۔

''محبت دو اور دو چار کے اصولوں پر کار پابند نہیں ہوتی۔ان اصطلاحات پر سفر نہیں کرتی اس کے تمام قاعدے قوانین بہت انوکھے ہیں۔بے حد مختلف اس میں سود و زیاں کا کوئی احساس جاں نہیں جلاتا کوئی الجھن تنگ نہیں کرتی۔''

وہ جیسے سبکتگین غزنوی کی عقل پر ماتم کرتی ہوئی بولتی ہوئی اپنی راہ لیتی تھی اور تب وہ کچھ کہنے کے قابل ہی نہیں رہتا تھا۔بس خاموشی کے ساتھ ان سنسان راستوں کو تکتا رہتا تھا جو وہ اس کے سامنے اپنے بعد چھوڑ جاتی تھی۔

''کتنی عجیب ہے یہ اور شاید ساری لڑکیاں ہی اتنی بے وقوف اور عجیب و غریب ہوتی ہیں۔'' اس نے جیسے تھک کر سوچا تھا اور اس گھڑی بھی وہ کتنی دیر سے کمپیوٹر کے سامنے مگن سا بیٹھا دیکھ رہا تھا اور جانے کب تک یہ سلسلہ رہتا کہ تبھی وہ یکدم پلٹی تھی اور اسے دیکھ کر چونک پڑی تھی۔

''سبکتگین تم' کب آئے تم.....؟'' وہ ہولے سے مسکرا دیا تھا۔

''کافی دیر سے یونہی کھڑا تھا تم مصروف تھیں اور میں نہیں چاہتا تھا کہ تمہیں ڈسٹرب کروں۔'' وہ مسکرایا تھا' وہ بہت تاسف سے سر نفی میں ہلاتے ہوئے جیسے اس کی عقل پر ماتم کرنے لگی تھی۔

''سبکتگین تمہاری کوئی کل واقعی ڈھیلی ہے۔''

اور سبکتگین غزنوی بنا کسی تعرض کے مسکرا دیا تھا۔ اسے بغور دیکھنے کا سلسلہ ٹوٹا نہیں تھا۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہو۔ کیا میں بہت عجیب وغریب لگ رہی ہوں تمہیں۔''

اور وہ مسکرا دیا تھا' یہی تو وہ سوچ رہا تھا تھوڑی دیر قبل۔

''تم ہی نہیں علما بخاری' تم جیسی ساری لڑکیاں ہی عجیب وغریب ہوتی ہیں۔'' وہ شرارتی انداز میں گویا تھا۔

''سر پھری ہواؤں سی.....!''

اور وہ یکدم ہی ہنس دی تھی۔

''سمندر ہونے کے دعویدار ہو تم۔ عجب خوش فہمی ہے۔ باہر نکل آؤ ان فہمیوں سے سبکتگین اتنی خوش فہمیاں صحت کے لیے اچھی نہیں ہوتیں۔''

''نہیں میں ایسی کسی بیماری کا اسیر نہیں۔'' وہ سر نفی میں ہلانے لگا تھا۔ ''نہ ہی سمندر ہونے کا کوئی دعوا ہے۔''

''پھر ایسے کمنٹس کیوں دے رہے ہو۔ ایسے خطاب خوش آئند تو نہیں.....!''

''سچ کہنا غلط تو نہیں۔'' سبکتگین غزنوی کا انداز پُر اعتماد تھا۔ وہ بہت مدھم انداز میں مسکراتی ہوئی آگے بڑھی تھی اور چلتی ہوئی اس کے مقابل آن رکی اور اسے بغور دیکھنے لگی۔ سبکتگین غزنوی کچھ نہ سمجھتے ہوئے اسے دیکھتا رہا تھا تبھی وہ اسے مخاطب کرتے ہوئے بولی تھی۔

''اے سبکتگین بہت سے دیکھے ہیں میں نے تم سے.....تم.....!'' مگر وہ اس کا جملہ مکمل ہونے سے قبل ہی کھلکھلا کر ہنسنے لگا تھا اور ہنستا چلا گیا تھا وہ کھڑی اسے تکتی رہی تھی۔

سبکتگین غزنوی نے اس کے شانے پر بہت ہولے سے ہاتھ دھرا تھا۔ پھر اسی انداز سے مسکراتے ہوئے گویا ہوا تھا۔

''پاگل ہو تم..... بالکل پاگل.....!'' نظریں اس کے معصوم چہرے پر تھیں جہاں اس لمحے بہت خفگی سی تھی اور وہ اسے ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا تبھی بہت ہولے سے ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

''چلو کہیں چلیں۔'' بھرپور دوستانہ انداز میں کہا' وہ کچھ دیر تک اسی انداز سے اسے دیکھتی رہی۔ پھر یکدم سر نفی میں ہلا دیا۔

''نہیں موڈ نہیں ہے۔''

''آئس کریم کے لیے بھی نہیں۔'' مسکراتے ہوئے لالچ دیا۔ وہ بچوں کی طرح پچکارے جانے والے انداز پر یکدم ہی مسکرا دی۔

''سبکتگین تمہیں کیا سمجھوں۔ اپنا دوست یا دشمن؟''

"تمہیں کیا لگتا ہے......؟" وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا دریافت کرنے لگا تھا اور وہ تھک کر جیسے چہرے کا رخ پھیر گئی۔ پھر بہت مدھم لہجے میں بولی۔

"میں نہیں جانتی۔ مگر میں کسی طور بھی اپنے دل کو رد نہیں کر سکتی' کچھ بھی کہو' پاگل' یا پھر جو بھی۔ مگر میں جانتی ہوں محبت کچھ نہیں دیکھتی' میں تو ایمانداری سے عہد نبھا رہی ہوں۔ اس شخص کا ساتھ نبھا رہی ہوں۔ اس میں غلط کہاں ہے کچھ......!"

اس کا انداز بہت کچھ باور کرا رہا تھا۔ اور سبکتگین غزنوی اسے دیکھتا چلا گیا تھا۔ پھر بہت ہولے سے دریافت کیا تھا۔

"کیا محبت کا صلہ محبت نہیں ہونا چاہیے۔"

وہ اسے دیکھتی ہوئی یکدم ہی مسکرائی تھی۔ پھر ایک گہری سانس خارج کی تھی۔ کیا ہونا چاہیے اور کیا نہیں ہونا چاہیے وہ بالکل الگ بحث ہے اور میں کوئی بھی بحث چھیڑنا نہیں چاہتی۔" اس کا انداز ہی نہیں لہجہ بھی سرسری تھا۔

"نظریں چرانا چاہتی ہو؟" وہ جانے کیوں ماننے کو تیار ہی نہ تھا۔ وہ چونکتے ہوئے اسے دیکھنے لگی پھر بہت رسانیت سے مسکرا دی۔

"سبکتگین میں نے کہا نا میں دو اور دو چار والے کسی حساب میں نہیں الجھتی۔ محبت اس سے کہیں ہٹ کر ہے۔"

"اس نے کبھی کہا کہ وہ تم سے بے پناہ محبت کرتا ہے۔ یا پھر اتنی ہی جتنی تم اس سے کرتی ہو۔" وہ ہٹ دھرمی سے پوچھ رہا تھا۔ علما بخاری کے لبوں سے مسکراہٹ معدوم ہو گئی تھی اور اب وہ اسے چپ چاپ دیکھ رہی تھی۔ یہ سامنے کھڑا بھوری آنکھوں والا لڑکا کیوں سب کچھ جان لینے کا خواہاں تھا۔ مسئلہ تو اس کا تھا۔ اس کے ساتھ جو بھی ہوتا رہتا۔ پھر وہ کیوں اس قدر حساس ہو رہا تھا۔ کیا باور کرانا چاہتا تھا یہ۔ اس کی رہی سہی امید بھی توڑنا چاہتا تھا۔

وہ جو ہر گھڑی خود کو احساس دلاتی رہتی تھی' بہلاتی رہتی تھی کہ کہیں کچھ غلط نہیں ہے۔ کہیں کچھ نہیں بدلا۔ کہیں لہجوں میں سلوٹیں نہیں آئی ہیں۔ کہیں سرد مہری نے حصار نہیں بنایا ہے۔ دوری نے کچھ نہیں بدلا۔ کچھ بھی نہیں نہ اسے' نہ کسی اور کو۔

سب ویسا ہی ہے' جیسا سب تین برس قبل تھا۔ وہی عامر رضا ہے اور وہی وہ خود ہے۔

وہی اوّل روز والی محبت ہے۔

دوریوں نے کوئی لکیر درمیان نہیں کھینچی۔

کوئی دیوار درمیان میں نہیں اٹھائی۔ کہیں کوئی فصیل نہیں! کہیں بھی "بے وفائی" نہیں۔

بس کوئی مصروف زیادہ ہو گیا ہے۔ اسے دیار غیر میں مسائل روزگار نے جکڑا ہوا ہے اور یہ سرد مہری

یہ نوازشوں کے تعطل کا سلسلہ' یہ گرمجوشی کا ناپید ہونا بس وقتی مسئلے ہیں۔

سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا! جب وہ اک دن لوٹ آئے گا۔

ہر بدگمانی' ہر وہمہ' خدشہ اور ہر خوف۔'' وہ مطمئن تھی۔ اور یہی احساس خود کو دلاتے رہنا چاہتی تھی۔ مسلسل..... جب تک کہ وہ لوٹ نہ آتا اور اس کا اسے یقین تھا۔ یقین کامل پھر وہ کیسے ہمت نہ پاتی! تبھی تو اس گھڑی بہت پرسکون انداز میں مسکرا دی تھی۔

''سن سبکتگین ونسٹن چرچل جیسا شخص جب جنگ عظیم میں بہت سے محاذوں پر پسپا ہونے کے بعد خود کو بہت پسپا اور ہارا ہوا محسوس کر رہا تھا تو اس کی وائف نے اس سے ایک بات کہی تھی۔

''ہر بادل میں روشنی کی کوئی نہ کوئی کرن موجود ہوتی ہے۔ یعنی اس گہرے میں بادل میں پائی جانے والی کرن غیر معمولی طور پر دبیز پردوں میں پنہاں ہے۔''

میں تو ابھی آس کی ڈور تھامے ہوئے ہوں۔ خدا کا شکر ہے کوئی محاذ ابھی ہارا ہی نہیں' پھر بازی کیسے مات سمجھوں اور میں کھیل بھی تو نہیں رہی۔ رسم محبت نبھا رہی ہوں۔ اس نے کہا تھا میرا انتظار کرنا میں لوٹ آؤں گا۔ اس نے یہ رنگ نشانی کے طور پر میری انگلی میں پہنائی تھی اور بہت سے وعدے ساتھ کر دیئے تھے۔

اس کا کہنا تھا۔ یقین کرنا میرا' ازل سے ابد تک اور میرا یقین قائم ہے۔

میں یہ سلسلہ کبھی متزلزل ہونے بھی نہیں دوں گی' اچھے دن تلاشنے گیا ہے اور میں نے اسے اس لیے جانے دیا کہ ایسی اس کی خواہش تھی۔ میں دیوار نہیں بننا چاہتی تھی اس کی راہ میں تبھی جاتے ہوئے اسے دیکھتی رہی اور ہاتھ ہلاتی رہی۔

اس کا یقین میرے کانوں میں آج بھی گونج رہا ہے۔ میں اس کے یقین کے سحر میں ہوں اور یہ سحر کبھی ٹوٹنے نہیں دوں گی۔''

وہ ہاتھ کی تیسری انگلی میں موجود رنگ سے کھیل رہی تھی۔ عجب کھویا کھویا سا تھا اس کا انداز سبکتگین غزنوی اسے دیکھتا گیا تھا۔ بے حد بے یقینی کے ساتھ اور پھر یکدم ہی نفی میں سر ہلانے لگا تھا۔

''پاگل ہو تم..... بالکل پاگل.....''

اور وہ بہت اطمینان سے مسکرا دی تھی اور تب وہ مزید کچھ کہے بغیر اس کے سامنے سے ہٹ گیا تھا۔

☆.....☆.....☆.....☆

کالے کپڑے

بھورے بال

کانوں میں بولیاں

آنکھوں میں سوال!

''یہ شخص تمہیں آخر مل کہاں سے گیا۔'' اس روز جب وہ فقط ماما کے کئی بار کہنے پر اسے اپنی انگیجمنٹ کی

البمز دکھا رہی تھی۔ جب وہ بہت آرام سے تصویریں دیکھتا ہوا یکدم ہی پوچھنے لگا اور وہ جواب تک اس کے رویے پر قدرے مطمئن تھی۔ ایک بے حد گہری سانس خارج کرتے ہوئے اسے دیکھ کر رہی گئی اور وہ اس کی کیفیت کے بالکل برعکس' بولتا چلا گیا تھا۔

''فقط چھ ماہ دور ہوئے گزرے تھے مجھے تم سے اور اس عرصے میں تم نے اتنا بڑا فیصلہ کرلیا؟'' وہ جیسے اب تک بے یقین تھا۔ وہ حیراں ہی تو رہ گئی تھی۔ مگر وہ اس کی مطلق پروا کیے بغیر بولتا چلا گیا تھا۔

''تم جیسی لڑکی نے اتنی جلدی اتنا بڑا فیصلہ کیسے کرلیا' وہ بھی دو چار ملاقاتوں کے بعد۔ ایسی کیا بات ہے بھلا اس کالے بیگن میں' کوا لگ رہا ہے تمہارے پہلو میں بیٹھا' لگتا ہے ابھی کائیں کائیں کرنے لگے گا۔'' وہ بے دریغ بولا تھا اور فانی' سلمان' جاذب اور زبیر کے قہقہوں نے کمرے کی فضا کو یکدم ہی اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔

اس نے بہت شرمندہ ہوتے ہوئے سر اٹھا کر نگاہ کی تھی۔ کچھ ہی فاصلے پر بیٹھے غزنوی انکل اور آنٹی بھی مسکرا رہے تھے۔ اس پر گھڑوں پانی آن پڑا تھا۔ اب وہ خود کو دل ہی دل میں ملامت کر رہی تھی کہ کیوں اس شخص کے بار بار کے اسرار پر اپنی البمز لے کر اسے دکھانے آ پہنچی۔

اور یہ سامنے بیٹھا شخص بھی کس قدر عجیب' جانے کہاں سے آن پہنچا تھا اپنا حق لے کر' دوست تھا' بچپن ساتھ گزرا تھا' اچھی بنتی رہی تھی' خلوص کے ساتھ دوستی رہی تھی۔ مگر اب ایسی بھی کیا جارحیت۔

بھلا کیا حق بنتا تھا اسے عامر رضا کو اس طرح تذلیل کا نشانہ بنانے کا اور اس پر ڈھٹائی یہ کہ سارے حق محفوظ سمجھنا۔ ٹھیک ہے بہت پرانے مراسم تھے۔ دادا ابا کے حوالے سے غزنوی انکل کو گھر میں ایک خاص درجہ اور مقام حاصل تھا۔ دادا ابا کے بہت عزیز دوست اور دور کے کزن تھے غزنوی انکل کے والد۔ شاید تبھی غزنوی انکل کو دادا ابا بیٹوں کی طرح عزیز رکھتے تھے۔ اس کے پاپا تو اکلوتے تھے' نہ بہن نہ کوئی بھائی' ہاں غزنوی انکل شاید تبھی بہت اہم ہو گئے تھے اس گھر کے لیے' ان سے وابستہ رشتوں کی نسبتیں اس کے لیے بھی اتنی ہی اہم تھیں۔ جتنی کہ ایکچوئیل بلڈ ریلیشن میں ہوا کرتی ہیں۔

غزنوی انکل' ان کی بہنیں ان کے بھائی' وہ سب کو انہی معتبر حوالوں سے پکارتی تھی جن سے کہ دیگر جنریشن ان کے اپنے بچے' غزنوی انکل کی فیملی خاصی بڑی تھی اور شاید تبھی ان دونوں بہنوں کو بھی کبھی احساس نہیں ہوا تھا کسی قسم کی تنہائی کا' فانی' جاذب' سلمان' زبیر افشاں اور وہ سبکتگین غزنوی سب اسے بے حد اپنے لگتے تھے۔ گھروں کی دیواریں جڑی ہوئی نہیں تھیں فقط' دل بھی جڑے ہوئے تھے۔ اس نے جب سے ہوش سنبھالا تھا خود کو انہی سب کے درمیان پایا تھا۔ وہ ان رشتوں کی ان کی محبتوں کی معترف تھی۔ مگر اس گھڑی وہ سر اٹھائے بہت ناگواری سے سبکتگین غزنوی کو دیکھ رہی تھی۔ مگر وہ ہمیشہ کی طرح بنا اس کی پروا کیے بہت اطمینان کے ساتھ مسکرائے جا رہا تھا۔

''فقط چند برس کے لیے گیا تھا میں تم سے پرے اور اس عرصے میں تم نے مجھے یوں فراموش کر دیا

جیسے میں تمہاری زندگی میں ہوں ہی نہیں۔''

وہ شخص جانے واقعی افسوس کر رہا تھا۔ یا پھر محض اسے چھیڑ رہا تھا۔ وہ سمجھ نہ پائی تھی۔

''ارے بھئی تم ہی نہیں ہم بھی ایسے ہی گلے رکھتے ہیں۔'' فانی نے یکدم ہی میدان میں کود کر اپنی موجودگی کا احساس دلایا تھا۔

''گھر میں ایک دو نہیں' پانچ بے حد خوبرو اور لائق فائق لڑکوں کے ہوتے ہوئے ان حضرت کو فوقیت دی گئی ہے۔ ہم خود حیراں ہیں اب تک جانے کیا تھا اس کالے کوے میں جو محترمہ علا بخاری کو متاثر کر گیا۔''

سلمان کہاں کم تھا۔ فوراً ہی اپنے دل کے پھپھولے پھوڑے۔

''اور میں!'' جاذب نے باقاعدہ ہاتھ اٹھا کر اپنی طرف اشارہ کیا۔ ''آس پاس کے سارے لوگ مجھے ٹام کروز سے مشابہ قرار دیتے ہیں۔ مگر ایک فقط ان محترمہ کی آنکھوں پر پٹی بندھی تھی جو یہ خوبی سرے سے نظر ہی نہ آئی۔'' یہ حضرت بھی اپنے نام کے ایک ہی تھے۔

''اوہ یار پٹی اس کی آنکھوں پر نہیں اس کی عقل پر پڑی تھی تبھی تو اسے مجھ جیسا باکمال شخص بھی دکھائی نہ دیا۔'' زبیر غزنوی صاحب کیوں پیچھے رہتے۔ وہ خود ہی اظہار خیال کرنے کے بعد ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہوئے ہنس رہے تھے اور وہ سر جھکائے بیٹھی ایک بار پھر خود کو کوس رہی تھی۔ یا پھر اس گھڑی کو' مگر اس سے بے نیاز سبکتگین صاحب فرما رہے تھے۔

''تم مانو یا مانو علا یہ شخص انتہائی گھاگ ہے۔ عمر میں تم سے بڑا ہے۔ تبھی تو خوب صورت جال بچھا کر' قبضے میں کر لیا' تم چھوٹی تھیں' ناسمجھ' اسے تمہیں قائل کرنا کہاں مشکل لگا ہوگا۔ اس عمر میں تو سارے خواب بڑے دلفریب لگتے ہیں اور وہ یقیناً ایک ماہر کھلاڑی تھا۔ تبھی تم جیسی معصوم لڑکی کو محبت کی آڑ لے کر پھنسایا' جانتا تھا نا' خاصی امیر ہو' کتنی بڑی جائیداد کی وارث' اور ایک شاندار مستقبل کی مالک' ایسے میں تو کوئی بھی اور......'' وہ یکدم بات ادھوری چھوڑ کر ہنسنے لگا تھا۔

''یہ حضرت کوے میاں سے مشابہ ضرور ہیں۔ مگر عقل میں بے حد عظیم ہیں۔''

''عقل میں نہیں قسمت میں کہو ورنہ خردمندی میں تو ہم بھی ثانی نہیں رکھتے۔'' فانی میاں نے ایک عجب سرد آہ خارج کی تھی اور اس کی آنکھوں میں جانے کیوں بہت سا پانی آن رکا تھا۔

''سچ کہو' ملا کہاں سے یہ تمہیں۔'' سبکتگین غزنوی اپنی طور مسکراتے ہوئے دریافت کر رہا تھا۔ بنا اس کی پروا کیے۔

''جنگل سے......'' وہ بہت تپ کر گویا ہوئی تھی۔

''آں' ہاں ایسی ساری چیزیں وہیں پائی جاتی ہیں۔'' ایکدم پرخیال انداز میں سر ہلانے لگا تھا۔

''یار اب یہ مت پوچھ لینا کہ علا بخاری تم جنگل میں لینے کیا گئی تھیں۔'' فانی ہنسنے لگا تھا۔

''ظاہر ہے ان حضرت کو کھوجنے اور دریافت کرنے جی۔'' سلمان نے بھی بولنا ضروری خیال کیا تھا۔

''حالانکہ ایسی چیزوں کو کھوجنے اور دریافت کرنے کی اتنی ضرورت ہوتی نہیں۔! ہا ہا ہا ہا!'' جاذب صاحب اپنی پوری قوت سے حلق پھاڑ کر قہقہہ لگا رہے تھے۔

اس نے تمام آنسوؤں کو' آنکھوں میں ٹھہرے تمام پانی کو کہیں اندر مدغم کرنے کی کوشش کی...... مگر......

''ارے کیوں تنگ کر رہے ہو بہن کو' شرم کرو کچھ دن کی مہمان ہے یہ۔'' ثمینہ آنٹی نے اس تمام صورت حال کو کنٹرول کرنے کی غرض سے انہیں ڈانٹا تھا۔ مگر وہ کہاں باز آنے والے تھے۔

''امی بچی ہے' تبھی تو حقیقت حال سے آگاہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔'' فانی نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

''سچے پکے دوست ہیں تبھی تو اسے گڑھے میں گرتے ہوئے دیکھ نہیں سکتے۔'' جاذب نے بھی اپنا حصہ بٹایا' کتنے اپنے لہجے تھے۔ محبت سے چور مگر وہ سر جھکائے ضبط کرنے میں لگی رہی۔ سبکتگین اسے دیکھتا رہا' پھر زیر لب مسکراتے ہوئے دھیمے سے کہا۔

''محبت کرتے ہیں تبھی تو......!'' انداز مدھم تھا۔ آواز سرگوشی کی مانند تھی۔

علما بخاری نے نگاہ اٹھا کر خطرناک تیوروں سے اسے دیکھا تھا۔ کوئی اگر فقط آنکھوں سے قتل کر سکتا تو آج اس نے سبکتگین غزنوی کو قتل کر دیا ہوتا۔ وہ اس کے غصے سے اور خفگی سے قطع نظر بہت دلفریبی سے مسکراتا ہوا اسے دیکھ رہا تھا۔ بھوری آنکھوں میں اس گھڑی بہت سی شرارت رکی ہوئی تھی اور......

وہ یکدم ہی اس کے ہاتھ سے البم جھپٹ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ تبھی افشاں چائے کے ساتھ دیگر لوازمات لے کر اندر داخل ہوئی تھی۔ اسے جاتا دیکھ کر فوراً ہی بولی۔

''علما کہاں جا رہی ہو۔ میں تمہارے لیے بطور خاص کباب تل کر لائی ہوں۔'' مگر وہ کچھ بھی بولے بغیر سنی ان سنی کرتی ہوئی دہلیز پار کر گئی تھی۔

''کیا ہوا اسے......؟ یقیناً ''آپ سب نے......'' اس نے بھائیوں کی جانب دیکھا جو اس گھڑی مسکرا رہے تھے۔

''بہت برے ہو تم سب اتنے بڑے ہو گئے مگر عقل نہ آئی۔ بچی کو ناراض کر دیا نا۔'' امی نے بھی ڈانٹا تھا۔ مگر ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ جوں کی توں قائم رہی تھی۔

☆......☆......☆......☆

وہ املتاس کے پیڑ کے پاس بہت سے خشک سوکھے پتوں پر کھڑی اس گھڑی بہت مگن سی کینوس پر رنگ بکھیر رہی تھی۔ جب وہ اس کے سامنے جا رکا وہ قطعی بھی متوجہ نہ ہوئی۔ یا پھر جان بوجھ کر نظر انداز کرنا مقصود تھا۔

وہ یونہی کھڑا بغور تکتا رہا تھا۔ پھر بہت مدھم انداز میں اسے پکارا تھا۔

''علما.....!'' اس پرسکون ماحول میں جیسے ایک بازگشت بکھرتی چلی گئی تھی۔ مگر وہ تب بھی متوجہ نہیں ہوئی تھی۔ یونہی دھیان کینوس پر مرکوز رکھا تھا۔ وہ اس کی بے نیازی کو دیکھتے ہوئے جھنجھلایا نہیں تھا۔ بلکہ بہت پرسکون انداز میں مسکرا دیا تھا۔

کسی کا یوں تو ہوا کون عمر بھر، پھر بھی
یہ حسن و عشق تو دھوکا ہے سب، مگر پھر بھی
کہوں یہ کیسے ادھر دیکھ یا نہ دیکھ ادھر
کہ درد درد ہے پھر بھی نظر نظر پھر بھی
خراب ہو کے بھی سوچا کیے ترے مہجور
یہی کہ تیری نظر ہے تری نظر پھر بھی!

کتنا دلفریب لہجہ تھا کس قدر مسحور کن انداز۔

مگر علما بخاری جیسے بت میں کوئی حرکت نہیں ہوئی تھی وہ متواتر مسکراتا رہا تھا۔

''بنا کیا رہی ہو.....؟'' ایسے دوستانہ انداز میں دریافت کیا جیسے کوئی خفگی تھی ہی نہیں..... علما نے ایک سلگتی نگاہ اس شخص پر ڈالی اور دوسرے ہی پل انداز پھر سے اجنبی تھا۔ وہ بھرپور انداز میں مسکرایا تھا

یوں تو بچی بچی سی اٹھی وہ نگاہ ناز
دنیا کے دل میں ہو ہی گئی کوئی واردات!

منانے کے لیے لفظ خاص تھے۔ انداز خاص تھا۔ مگر وہ جارحانہ انداز میں گھورنے لگی تھی۔

''جلتے ہو تم، سبکتگین غزنوی ایک حاسد شخص ہو تم.....'' کتنا بڑا الزام تھا۔ مگر مدمقابل کھڑا شخص یکدم ہی کھلکھلا کر ہنسنے لگا تھا۔ مگر وہ اسی انداز سے دیکھتی گئی تھی۔

''ٹھیک کہہ رہی ہوں میں بے حد جیلسی فیل کر رہے ہو تم اور.....

''اوں ہوں۔'' وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے یکدم ہی سر نفی میں ہلانے لگا تھا۔

''اس شخص میں ایسی کوئی خاصیت نہیں کہ میں ایسا کچھ محسوس بھی کر سکوں۔ یقین کرنا چاہو تو بغور دیکھ سکتی ہو۔'' زیر لب مسکراتے ہوئے خود کو ''مشاہداتی کٹہرے'' میں کھڑا کیا۔ مگر علما بخاری گھورنے کا سلسلہ یکدم ہی موقوف کرتی ہوئی دھیان پھر سے کینوس پر مرکوز کر گئی تھی۔

''شوق تمنا نہیں یا دید نظارہ نہیں یا پھر ان تمام باتوں کے لیے حوصلہ ہی نہیں؟'' وہ کس درجہ کمال سے اس کی جاں مشکل میں ڈال گیا تھا۔ علما نے تپ کر دیکھا۔ وہ بدستور مسکرا رہا تھا

''اچھا بتاؤ تمہیں اس میں کیا شے نظر آئی تھی۔؟'' وہ صلح کا پرچم لہرانے آیا تھا۔ مگر مقابل میں جانے اس لمحے ایسی کیا بات تھی کہ وہ مزید چھیڑنے لگا۔ وہ چپ چاپ تکتی چلی گئی۔ پھر تاسف سے سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

''جلتے ہو تم حاسد ہو پورے۔'' اس کا لہجہ بے حد مدھم تھا اور وہ ایک بار پھر ہنسنے لگا تھا

خلقت شہر میں جس ہار کے چرچے ہیں بہت
میں وہ بازی کبھی کھیلا بھی نہیں تھا شاید

وہ مکمل طور پر جھٹلا رہا تھا اسے وہ گھورتی جا رہی تھی۔

''سنو ویسے بندہ کچھ اتنا برا بھی نہیں کسی نے مجنوں میاں سے کہا تھا حضرت تمہاری لیلیٰ کالی ہے۔ اس نے کہا تیری آنکھ ہی نہیں دیکھنے والی۔'' وہ ایک بار پھر ہنس رہا تھا۔ علما کا دل چاہا تھا اس شخص کو تہس نہس کر دے

''سبکتگین مجھے تم سے یہ امید نہ تھی۔'' وہ بہت تاسف سے کہتے ہوئے نگاہ پھیر گئی تھی۔

''امید تو مجھے تم سے بھی یہ نہ تھی۔ بے وقوفوں کی طرح تین سال سے یہ طوق گلے میں ڈالے پھر رہی ہو چلو تین سال قبل تم ان میچور تھیں مگر اب تو عقل کا استعمال کر سکتی ہو۔'' وہ بدستور مسکرا رہا تھا

''سبکتگین تم باز نہیں آئے تو......'' وہ ضبط کو مکمل طور پر سمیٹتے ہوئے بولی تھی۔

''خیر خواہ ہوں تمہارا......'' وہ اب کے سنجیدگی کی جانب مائل ہوا تھا۔

''سچ اگر میں یہاں ہوتا تو ایسا کوئی اقدام سرزد ہونے ہی نہ دیتا۔ حیرت مجھے انکل اور آنٹی پر بھی ہے اور دادا ابا پر بھی تم بچی تھیں مگر وہ تو نہیں، تم نے اگر اس وقت مجھے اس شخص کی تصویر بھیج دی ہوتی تو بائے گاڈ میں تمہیں اس کھائی میں قطعی نہ گرنے دیتا بے شک مجھے اس کے لیے خود کی قربانی دینا پڑتی۔''

اس نے دیکھا تھا۔ ان بھوری آنکھوں میں بے حد شرارت تھی۔ جب سے وہ کینیڈا سے لوٹا تھا وقفے وقفے سے اسے یونہی زچ کرنے میں مشغول تھا۔ کبھی اسے شکلاً برا بھلا کہہ کر کبھی بے وفا' ثابت کر کے اور کبھی کچھ کہہ کر۔ وہ شروع میں یہی سمجھی تھی کہ وہ باز آ جائے گا۔ مگر وہ تو گلے کو آ گیا تھا۔

''تم کچھ بھی کہہ لو' کچھ بھی' میں شادی اسی شخص سے کروں گی۔ طے ہے یہ بات۔'' وہ مکمل وثوق سے بولی تھی۔

''اچھا...... مگر پہلے ان محترم سے رابطہ کر کے یہ بات کنفرم تو کرو۔'' وہ بہت اعتماد سے مسکراتے ہوئے بولا تھا اور علما بخاری ایک بار پھر جل کر رہ گئی۔

''مجھے پسند ہے وہ' زندگی مجھے گزارتی ہے۔ تکلیف کیا ہے تمہیں۔؟''

''اگر یہ اعتراف ہے تو بہت سنگین ہے۔'' وہ جیسے تاسف سے سر نفی میں ہلانے لگا تھا۔

''کیوں آ گئے تم یہاں مجھے تنگ کرنے کے لیے؟'' وہ تھک کر اسی قدر کہہ سکی تھی۔

''منگنی تو کروالی تھی اور اب کیا رخصتی بھی ہونے دیتا۔ مجھے تو آنا ہی تھا' شکر کرو بروقت پہنچا ہوں۔'' وہ غیر سنجیدہ انداز میں مسکرا رہا تھا۔

''سبکتگین کہیں سے نہیں لگ رہا تم میرے دوست ہو' نفرت ہے مجھے تم سے آئی ہیٹ یو۔''

''اچھا......!'' وہ بہت دلچسپ انداز میں ہنسا تھا۔ پھر کچھ دیر تک اسی انداز سے اسے دیکھتا رہا تھا۔

جب گویا ہوا تو لہجہ بہت مدھم تھا۔

''محبت تو ساری تم نے اس کوے کے نام لکھ دی ہے۔'' وہ پھٹ پڑی۔

''یہ تمہارا دردِ سر نہیں ہے لہٰذا اس سے لاتعلق رہو۔''

بہت ریلیکس انداز تھا اس کا مگر وہ بہت اطمینان سے کھڑا اسے دیکھتا رہا تھا۔ علما کچھ دیر تک یونہی سر جھکائے کھڑی رہی تھی پھر اپنی غلطی کا احساس ہوا تو سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ ساتھ ہی مدھم لہجے میں بولی تھی۔

''آئی ایم سوری.....!''

وہ بنا کچھ کہے بہت دھیمے انداز میں مسکرا رہا تھا۔

''کاش تم اس فیصلے پر بھی نظر ثانی کر سکو۔'' کوئی حسرت تھی یا خواہش.....!'' وہ قطعی سمجھ نہ پائی تھی۔ مگر مزید کچھ نہیں بولی تھی۔ اس پر سے نگاہ ہٹا کر ادھوری پینٹنگ مکمل کرنے لگی تھی۔

☆.....☆.....☆.....☆

وہ اس وقت آنرز کے پہلے سال میں تھی جب عامر رضا اسے ملا تھا۔ وہ ماسٹرز کے فائنل ایئر میں تھا۔ دونوں کے ڈیپارٹمنٹس بھی بالکل مختلف تھے اور عمروں میں کسی قدر تضاد بھی۔ مگر اس کے باوجود ان دونوں میں رابطہ بن گیا تھا۔

بات یہ نہیں تھی کہ وہ اس وقت ناپختہ سوچ یا ذہن کی مالک تھی۔ یا پھر وہ کوئی وقتی جذباتی انداز تھا۔ اس نے بہت سوچ سمجھ کر عامر رضا کے پروپوزل کو قبول کیا تھا۔ ان دونوں میں ذہنی ہم آہنگی تھی اور وہ کم عمر ہونے کے باوجود زندگی گزارنے کے لیے اسے بے حد ضروری خیال کرتی تھی۔

حسن ہی سب کچھ نہیں ہوتا' وجاہت ہی سب کچھ نہیں ہوتی' چہرے خوب صورت ہوں اور درمیان میں کوئی انڈر اسٹینڈنگ ہی نہ ہو اور دونوں فریق بجائے ایک سمت چلنے کے مخالف سمت سفر کریں تو اس تعلق کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ یہ نہ تھا کہ اسے کم عمری میں کوئی دھواں دھار قسم کا عشق ہو گیا بلکہ اس وقت تو اس نے ایسا کچھ سوچا بھی نہیں تھا۔ ابتداء میں وہ فقط اچھے دوستوں کی طرح ملے تھے۔ وہ پہروں کئی اہم موضوعات پر بیٹھ کر دھواں دھار بحث کیا کرتے تھے۔ کبھی نطشے پر کبھی کیٹس کی شاعری پر کبھی موجودہ سیاسات اور بھیڑ چال پر کبھی دوسرے کسی سوشل ایشو پر کبھی ہیومن سائیکالوجی پر اور کبھی تیسری دنیا کو درپیش بنیادی مسائل پر بحث چھڑ جاتی۔ کبھی سنٹرل ایشیا کے فار ایسٹ ڈومیسٹک پرابلمز'.....کو لے کر وہ گھنٹوں بولتے رہتے۔ اور تب کہیں پر بھی ''دل'' زیر بحث نہ آتا۔

کہیں پر بھی محبت کی فلاسفی پر بات چیت نہ ہوتی' نہ کبھی کوئی حسن کی قصیدہ خوانی ہوتی اور نہ کسی کی پلکیں بوجھل ہو کر جھکنے پر مجبور ہوتیں۔

نہ کوئی جادو سا لہجہ فضا میں ابھرتا نہ کسی پر کوئی فسوں طاری ہوتا۔

''نہ کوئی طالب ہوتا' نہ کوئی مطلوب کو اپنی بے قراریوں کے قصے سناتا۔

نہ کسی طرف اضطرابی چھلکتی نہ ہی دوسری جانب سے بے نیازی کے مظاہرے ہوتے ان میں تو کوئی بات بھی محبت والی نہیں تھی

اور علما بخاری جیسی خبطی لڑکی کو دیکھ کر کہہ بھی کون سکتا تھا کہ وہ کسی ایسے خواب کی اسیر بھی ہوسکتی ہے۔ پھر جانے کب محبت کا اسم چلا تھا اور وہ دونوں مقید ہو گئے تھے۔

بس ایک روز یونہی وہ معمول کے انداز میں بیٹھے انتہائی خشک ٹاپک پر بحث کر رہے تھے جب یکدم ہی عامر رضا نے کہا تھا۔

''علما بخاری کیا تم مجھ سے شادی کرو گی۔؟'' اور اس ایک سوال کی بازگشت کتنی ہی دیر فضاؤں میں گونجتی رہی تھی' اور وہ اس لمحے کس قدر حیرانگی سے اس کی سمت تکتی چلی گئی۔ پھر بہت آہستگی سے بولی تھی۔

''میں اختیار رکھتی ہوں' مگر اس قدر بھی نہیں تمہیں بہرحال میرے پیرنٹس سے ملنا ہوگا اور پھر وہ جو بھی فیصلہ کریں گے مجھے وہ قبول ہوگا۔'' اور پھر اس نے ماما سے اس پروپوزل کے متعلق بات کی تھی جو گھڑی بھر کو وہ بھی حیران رہ گئی تھیں۔

''علما بچے ابھی تو تم بہت چھوٹی ہو۔ ایسی بھی کیا جلدی ہے۔'' اور تب وہ کچھ نہیں بولی تبھی وہ سہولت سے گویا ہوئیں۔

''یہ فیصلے یوں نہیں ہوتے تمہیں تو ابھی اپنی شاپنگ تک کرنے کا سنس نہیں پھر لائف پارٹنر' آئی تھنک یو مسٹ بی کڈنگ.....!''

بالکل بچوں کی مانند ٹریٹ کرتے ہوئے انہوں نے اس کے گال کو تھپتھپایا تھا۔ اور وہ یکدم ہی نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔ مگر ماما نے اس کے بولنے سے قبل ہی کہا تھا۔

''تم ابھی بہت چھوٹی ہو ان چکروں کے لیے' ایسی عمر کی جذباتی وابستگی محبت نہیں ہوسکتی تمہیں فیصلے کا اختیار ہے' اپنے متعلق کچھ بھی اسٹینڈ لینے کا حق ہے۔ ہم نے کوئی پابندی تاحال تم پر عائد نہیں کی۔ مگر ایک خاص وقت تک کے لیے سب اٹھا رکھو فی الحال نہیں۔''

''وہ شخص اسٹیٹس میں ہم سے کم ہے آپ اس لیے ایسا کہہ رہی ہیں۔'' وہ بہت ہمت سے بولی تھی اور ماما اس گھڑی اسے دیکھتے ہوئے بہت اطمینان سے مسکرا دیں۔

''میرے بچے میوچل انڈراسٹینڈنگ میں اسٹیٹس کاؤنٹ نہیں ہوتا۔''

''میوچل انڈراسٹینڈنگ کے لیے تو عمر بھی کاؤنٹ نہیں ہوتی۔'' وہ بہت برجستگی سے بولی تھی اور تب ماما اسے دیکھتی چلی گئیں۔

''ماما پلیز' یہ کوئی ایموشنل ڈیل نہیں ہے۔ آپ عامر رضا سے مل تو لیں۔''

''اوکے.....!'' قدرے توقف سے ماما نے بلا آخر ایک گہری سانس خارج کی تھی۔'' بات کروں گی میں تمہارے دادا ابا اور پاپا سے دیکھتے ہیں وہ کیا کہتے ہیں۔ مگر تم کسی طرح کی ایکسپکٹیشن لگا کر مت بیٹھ جانا' یہ

جذباتی وابستگی نہیں ہے تو یقیناً تمہیں کسی بھی قیمت فیصلے پر افسوس نہیں ہونا چاہیے' رائٹ۔''

ماما نے اسے باور کرایا تھا۔ اور تب اس نے ہولے سے مسکراتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ ماما کے جانے کے بعد وہ کتنی ہی دیر بیٹھی سوچتی رہی تھی۔ اس طرح ماما اسے بچوں کی طرح ٹریٹ کر رہی تھیں۔ اس فیصلے کو جذباتی وابستگی ایک وقتی احساس قرار دے رہی تھیں۔

اسکولنگ سے لے کر اب تک کتنے لوگوں سے واسطہ رہا تھا اس کا اور اس سے بھی کہیں بڑھ کر اس کے اردگرد کے لوگ کتنے پروجاہت مردوں کا حلقہ اس کے گرد تنا ہوا تھا۔

فاران غزنوی۔ سبکتگین غزنوی' زبیر غزنوی' سلمان غزنوی اور وہ خود کو ٹام کروز سے مشابہہ قرار دیتا ہے۔ اب غزنوی چلو فاران سے ایج ڈیفرنس زیادہ تھا مگر باقی تو اس کے لیے ہر لحاظ سے مناسب تھے۔

سبکتگین غزنوی کو تو ان دنوں کیلگری گئے کچھ ہی دن گزرے تھے۔ وہ پاگل شخص تب بھی ایسے ہی حیران ہوا تھا۔ فون پر بات ہوتی تو پہلی فرصت میں کان کھینچے۔ ''بہت جلدی ہے تمہیں شادی کی۔؟''

''ہاں ہے پھر.....؟'' وہ ہٹ دھرمی سے بولی تھی۔

''ایسا دھواں دھار عشق ہی کرنا تھا تو تمہیں میں نظر ہی نہ آیا۔ قریب کی نظر کمزور تھی تمہاری۔''.....

انتہائی درجے کا باتونی تھا وہ شخص..... وہ کتنی ہی دیر تک۔ منہ کھولے' ریسیور کان سے لگائے کھڑی رہی تھی۔

''ڈونٹ بی اسٹوپڈ سبکتگین.....!'' وہ اسی قدر کہہ سکی تھی۔

''ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہوں۔ ابھی تین ماہ مجھے تم سے دور ہوئے گزرے نہیں اور تم نے اتنی افراتفری میں اتنا بڑا فیصلہ کر ڈالا۔ کم از کم میرے آنے تک کا تو انتظار کر لو۔ شاید تمہاری آنکھوں سے کوئی پٹی کھل جائے اور تم درست انتخاب کر سکو۔'' وہ دوسری جانب ہنس رہا تھا۔

''ویسے اتنی جلدی تمہیں محبت ہو کیسے گئی۔''

'محبت کے لیے صدیوں کا آشنا ہونا ضروری نہیں ہوتا محبت تو کسی بھی لمحے کسی سے بھی ہو سکتی ہے۔''

وہ مفکرانہ انداز میں بولی تھی۔ مگر وہ ہنسنے لگا تھا۔

''ہاں اندازہ ہو رہا ہے مجھے تھوڑا تھوڑا کوئی بھی چغد ہیرو نظر آ سکتا ہے۔ عشق نہ پچھے ذات.....!''

اس کا انداز کل بھی ویسا ہی تھا۔

''کاش میں دیکھ سکتا اس لمحے تم کتنی اسٹوپڈ لگ سکتی ہو۔'' وہ جملے بازی میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ اور اس نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے سوچ لیا تھا کہ وہ سب کچھ بہت سکون سے برداشت کرے گی بلکہ اپنے کان بھی اس کی طرف سے مکمل بند کر لے گی' مگر فاران جاذب' سلمان اور زبیر بھی تو ایسی ہی ہانک رہے تھے۔

کیا واقعی اس نے اتنا غلط فیصلہ کیا تھا۔ یا سب محض چھیڑ رہے تھے۔ اگر کہیں اس کی بچکانہ روش کو دخل تھا تو پھر دادا ابا اور پاپا نے کیسے اس فیصلے پر اپنی رضا مندی کی مہر ثبت کی.....؟'' یقیناً وہ تو بچے نہ تھے' عقل فہم

اور جہاندیدہ نگاہ رکھتے تھے۔ پھر انہوں نے کیسے عامر رضا کو اس کے لیے منتخب کر لیا۔ کچھ تو تھا اس شخص میں کہ انہوں نے اپنی جاں سے عزیز بیٹی کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے کتنی دیر اس نہج پر سوچا تھا اور پھر خود کو مطمئن کر لیا تھا۔ اور سوچ لیا تھا کہ کوئی کچھ بھی کہے وہ قطعی سنجیدہ نہیں لے گی۔ بلکہ ان کے چٹکلوں کو ہنسی مذاق میں اڑا دے گی۔ مگر اب اسے لگتا تھا کہ یہ بہت مشکل ہے عامر رضا ایمبیشیس تھا سو اس نے اسٹرگل کر کے کسی طرح آسٹریلیا جانے کی راہ نکال لی۔ وہ اس کے لیے خوشیاں خریدنے گیا تھا۔ حالانکہ اس نے منع کیا تھا کہ وہ اس کے ساتھ اس حال میں بھی خوش رہ سکتی ہے۔ مگر اس نے طے کر لیا تھا کہ اس کے اسٹیٹس کے مطابق ہر خوشی اس کے قدموں میں ڈھیر کر دے گا اور تب تک کوئی قدغن نہیں لگانا چاہتا تھا۔ جب تک اس کی تعلیم مکمل ہوتی تب تک وہ اسٹینڈر یولپ کر کے یقیناً لوٹ آتا، ان دنوں وہ فرسٹ ایئر آنرز میں تھی اور اب آنرز مکمل کرنے کے بعد ماسٹرز کر رہی تھی۔

سبکتگین غزنوی کیلگری سے لوٹ آیا تھا اور آ کر اس کی جاں عذاب میں ڈال دی تھی۔ مذاق بھی کتنے سنگین انداز میں کرتا تھا یہ شخص۔

''اگر تمہیں اتنی کم عمری میں محبت جیسی بے وقوفی کرنا مقصود تھی تو مجھ سا معقول بندہ اس ساری روئے زمین پر تمہیں نہ ملتا۔'' وہ کل کا کہا گیا جملہ آج بھی اتنے ہی اعتماد سے مسکراتے ہوئے دہرا گیا تھا اور وہ اس کے انداز پر جی جاں سے سلگ گئی۔

کبھی کبھار تو وہ واقعی پھٹ پڑتی تھی۔ حالانکہ ہزار ہا خود کو ''انڈر کنٹرول۔'' رکھنے کا قصد کرتی تھی اور بعض کتنی سنگین باتوں پر بھی بہت رسانیت کے ساتھ ہونٹ باچھوں تک پھیلائے مسکرانے کی کوشش کرتی رہتی تھی کہ وہ ان تمام مذاق اور جملے بازی کو انجوائے کرتی رہتی تھی کہ وہ ان تمام مذاق اور جملے بازی کو انجوائے کر رہی ہے اور اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مگر بعض اوقات یہ ہمت ٹوٹ بھی جاتی تھی اور وہ وقتی طور پر غصہ بھی ہو جاتی تھی۔ مگر پھر اندازہ ہوتے ہی فوراً اپنی غلطی مانتے ہوئے پھر سے حوصلوں کو مجتمع کرنے لگتی تھی۔ عامر رضا کے جانے کے بعد سے اب تک وہ بہت دل جمعی سے اسے میل ''ای میل کرنے میں مصروف رہی تھی۔ اس کا خیال تھا اسے دیارِ غیر میں کسی اپنے پن کے احساس کے لیے یہ بہت سود مند ثابت ہوگا۔ سو مصروفیت ہوتی بھی تو کسی نا کسی طرح وقت نکال لیتی مختلف موقعوں پر وہ اس کے لیے ڈھیروں ڈھیر کارڈز خریدتی اپنے ہاتھوں سے لکھ کر اسے سنڈ کرتی۔

''اس میں تمہیں میرے احساس کی خوشبو محسوس ہوگی۔'' وہ مسکراتی ہوئی ہر بار یہ ایک جملہ لکھنا نہیں بھولتی تھی۔

''اپنا احساس بھیج رہی ہوں تمہیں۔ تاکہ تمہیں احساس رہے کہ اس دیارِ غیر میں تم تنہا نہیں ہو، کوئی ادھر بھی ہے۔''

کتنے شگفتہ جملے ہوتے تھے جو وہ اس کے لیے فقط اس کے لیے لکھتی تھی۔ شروع میں وہ بھی جواباً

''ایسی ہی گرمجوشی کا مظاہرہ کرتا روز فون پر گفتگو ہوتی دیر تک چیٹنگ ہوتی رہتی خطوط کا تبادلہ ہوتا رہتا۔ ساری ای میلز کے جواب تک مستعدی سے دیے جاتے۔ مگر پھر تین برسوں کی تھکن ان تمام باتوں پر غالب آنے لگی۔ کچھ تعطل آنے لگا۔ پہلے دنوں کا پھر ہفتوں کا اور پھر مہینوں کا۔

اس نے کسی بدگمانی کو دل میں جگہ نہیں دی تھی۔ وہ کبھی بھی زندگی کے لیے کوئی بچگانہ اپروچ نہیں رکھتی تھی سو اس گھڑی بھی وہ اس شخص کی تمام تر غفلت کو دیارِ غیر میں مصروفیت اور فکر معاش جیسے لبادے میں ڈال کر بہت پرسکون اور مطمئن تھی۔ ہاں اس نے اپنے طور پر ہر سلسلہ جاری رکھا تھا۔

ویسے ہی مختلف موقعوں پر ڈھیر کارڈز ویسے ہی میل اور اسی کثرت سے ای میلز۔

اب بھی کبھی کبھار ان میں فون پر بات ہو جاتی تھی۔

کمپیوٹر چیٹنگ بھی موقع ملتے ہی وہ شخص ضرور کرتا۔ وائس چیٹ کرتے ہوئے وہ کئی گھنٹے تو اب بھی گنوا ہی دیتے تھے۔ ہاں اتنے تسلسل سے نہ سہی مگر جاری تو تھا سب کچھ۔

وبط باہم تو تھا دونوں میں وہ میوچل انڈرسٹینڈنگ تو اب بھی تھی اور یہ سب کافی تھا۔ وہ کوئی بچکانہ اقدام نہیں اٹھاتی تھی۔ کبھی بلاوجہ اس سے لڑتی نہ تھی کبھی خفگی کے مظاہرہ نہیں ہوتے تھے۔ کبھی یہ نہیں کہتی تھی کہ ''نہیں تو نہ سہی۔'' کبھی اس نے اپنے طور پر یہ نہیں سوچا تھا کہ ''تم اگر مصروف ہو تو میں بھی بہت مصروف ہوں۔''

اس نے ہر لمحہ اس شخص کو انڈر اسٹینڈ کیا تھا۔ اسے سمجھا تھا۔ تبھی تو وہ کبھی اسے غلط نہیں لگا تھا۔ ہمیشہ حق پہ نظر آیا تھا۔ شاید ہماری سوچیں ہماری تحریکوں کو ہوا دیتی ہیں اور کوئی منفی سوچ کبھی اس کے ذہن میں رہی ہی نہ تھی۔

کتنے مدبرانہ انداز میں سوچتی تھی وہ اور کتنے جینئس انداز میں برد باری سے ایکٹ کرتی تھی اس کی یہی بات شاید سب کو حیران کرتی تھی۔ اپنے اردگرد کے لوگوں کے علاوہ یا بالخصوص ان پانچ بھائیوں کے خود عامر رضا نے اسے کتنی بار سراہا تھا۔

''تمہیں کبھی بدگمانی نہیں گھیرتی۔ کبھی غصہ نہیں آتا؟'' وہ بہت حیران ہو کر اکثر دریافت کرتا تھا اور وہ ہنس دیتی تھی۔

''عامر رضا میں کوئی بچی نہیں ہوں۔ میرا شعور مجھے ایسا کرنے سے باز رکھتا ہے۔'' اس کے لہجے میں کہیں بھی تو جذباتیت نہیں ہوتی تھی۔

''تم بہت انوکھی لڑکی ہو۔'' وہ جیسے برملا اقرار کرتا تھا اور اس گھڑی اس کے کانوں میں سبکتگین کی آواز گونج جاتی تھی۔

''تم بے حد عجیب و غریب لڑکی ہو علما بخاری۔''

''میری خوشیاں اکٹھی کر لیں تم نے.....؟'' وہ یکسر بات ہی بدل دیتی تھی۔

''نہیں ابھی کچھ دیر ہے۔'' وہ ایک گہری سانس خارج کرتا تھا۔

''اور کتنی بریاں بھرو گے؟''

''اتنی کہ زندگی سہل ہو جائے۔ بہت سی خوشیاں تمہارے قدموں کو چھو لیں۔''

''تم کیوں سمجھتے ہو کہ مجھے یہ مادی خوشیاں درحقیقت خوش کر سکتی ہیں۔''

''کیونکہ یہ زندگی کے لیے بے حد ضروری ہیں۔''

''مگر میں تو ان کے بغیر بھی جی سکتی ہوں۔''

''گزر تو جاتی ہے علما ڈیئر مگر ذرا مشکل سے گزرتی ہے اور میں تمہیں تنگدستی کے حوالے نہیں کر سکتا، بہت سی آسائشوں کے عادی ہو تم اور میں تمہیں وہ سب کچھ دینا چاہتا ہوں غربت سارا حسن چھین لیتی ہے اور مجھے تمہارا حسن بہت عزیز ہے۔ تمہارے چہرے کی ملامت، ملائمت زندگی کے حسن سے معمور ہے اور میں نہیں چاہتا یہ زندگی ختم ہو' وہ بضد نظر آتا۔

''عامر رضا میں عادتوں کی غلام نہیں بہت کچھ مرضی کے مطابق ڈھال سکتی ہو۔''

''اور میں اپنے حالات تو تمہارے مطابق ڈھال سکتا ہوں۔'' وہ مسکراتا ہوا جیسے اس سارے قصے کو سمیٹ دیتا۔

اور تب وہ بھی مزید کچھ نہیں کہتی۔ اردگرد کے ماحول سے گھبرا کر وہ فقط اتنی ہی بحث کر سکتی تھی اور اس کے ساتھ وہ سلسلہ بھی موقوف ہو گیا تھا۔ ان سب کی خاطر وہ خود کو نہیں بدل سکتی تھی۔

☆.....☆.....☆.....☆

وہ گیا تو ہے مگر
اک دن لوٹ آئے گا
کہ ابھی بادام کے پیڑوں پہ
پھول آنے کی رت نہیں آئی
ابھی کچھ دن لگیں گے!
ابھی کچھ دن لگیں گے!

وہ دادا ابا کے ساتھ بیٹھی چیس کھیل رہی تھی۔ اکثر جب وہ بور ہوتی تھی تو اٹھ کر پہلی فرصت میں ان کے پاس آ بیٹھتی تھی اور ان سے چیس کھیلنے لگی تھی۔ پہلے پہل وہ اتنی ماہر نہیں تھی مگر پھر آہستہ آہستہ وہ گیم کو سمجھنے لگی تو غالب آ گئی۔ اب تو دادا ابا بھی اکثر بلکہ زیادہ تر ہار ہی جایا کرتے تھے۔

''میری بچی بہت ذہین ہے۔'' وہ ہر بار ہارنے کے بعد بہت محبت سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے فخریہ انداز میں کہتے تھے اور وہ مسکرا دیتی تھی۔

''دادا ابا آپ واحد انسان ہیں جو ہار کر بھی بہت خوشدلی کے ساتھ مسکراتے نظر آتے ہیں۔'' وہ پہلی

فرصت میں شکوہ کرتا۔

''اپنے بچے سے جو ہارتا ہوں.....'' دادا ابا مسکراتے ہوئے وضاحت دیتے۔

''جان بوجھ کر ہارتے ہیں۔'' سبکتگین صاحب الزام عائد کرنے میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے اور وہ اس گھڑی سر اٹھا کر حیرت سے تکنے لگتی تھی۔

''چیس ذہین لوگوں کا گیم ہے اور یہ لڑکی اتنی ذہین نہیں.....'' اسے اس کی ہر قابلیت اور خصوصیت پر شک تھا۔

''دادا ابا آپ صرف اسے خوش کرنے کے لیے الٹی چالیں چلتے ہیں۔'' وہ اس کے گھورنے کی پروا نہ کرتے ہوئے دادا ابا سے مکمل اعتماد سے گویا ہوتا۔

''اگر تمہیں اتنا اعتراض ہے تو تم آ جاؤ کھیل کر دیکھ لیتے ہیں۔ فیصلہ اپنے آپ ہو جائے گا۔ آپ بھی جان جائیے گا کہ کون کتنا ذہین ہے۔'' وہ بالآخر بول ہی پڑتی۔ وہ گھڑی بھر کو محفوظ ہوتے ہوئے مکمل اطمینان سے تکتا پھر سر نفی میں ہلانے لگتا۔

''اوں ہوں..... میں بچوں کے ساتھ نہیں کھیلتا۔'' انداز صاف چڑانے والا ہوتا۔ اور وہ سلگ کر رہ جاتی۔

''ایکسکیوزمی!''

''ایکسکیوز ڈیو.....!'' وہ مکمل شرارت سے دیکھتے ہوئے محفوظ ہوتا۔

''آئی ایم ناٹ اے کڈ.....!'' وہ باور کراتی۔

''علما بخاری آئی ایم ناٹ ٹاکنگ اباؤٹ یور فزیکل ایج بہت سے لوگ بڑے ہو کر بھی بڑے نہیں ہوتے۔ کیونکہ ان کا دماغی بچپنا جوں کا توں قائم رکھتا ہے۔ جو سدا انہیں بچہ بنائے رکھتا ہے۔''

''ہار جاؤ گے تم اسی بات کا خوف ہے تمہیں.....!'' وہ بہت اعتماد سے اس کی جانب دیکھتی ہوئی بہت تاسف سے سر نفی میں ہلاتی۔

''ہار سے ڈرتے ہونا..... تبھی صرف الزام تراشیاں کرتے ہو۔'' اور وہ بہت رسانیت سے مسکرا دیتا۔

''جانتی ہو جب بچے ہارتے ہیں تو وہ کیسے ری ایکٹ کرتے ہیں؟'' کتنا بھرپور انداز ہوتا تھا اس کا' دھیما' مدھم مگر بھرپور انداز میں طیش دلانے والا اور لبوں کی دھیمی مسکراہٹ مزید سلگاتی تھی۔

''خوف مجھے اپنے ہارنے کا نہیں ہے علما بخاری جو کھیلتے ہیں وہ ہارنے سے نہیں ڈرتے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ وہ کھیل رہا ہے یہ بات منکشف ہوتی ہے اس پر کہ وہ کھیل رہا ہے اور اس میں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ ہار بھی اور جیت بھی' اور یہ بھی کہ وہ اگر ایک بار ہارتا ہے تو دوسری بار جیتنے کی بھرپور کوشش کرتا ہے..... اور۔'' وہ بہت طنز سے مسکرا دیتی۔

''تم بالکل پاگل ہو علما بخاری!'' وہ اسے چڑانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتا تھا۔

''تمہیں اسٹینڈ لینا ہوگا سبکتگین غزنوی میدان چھوڑ کر تم بھاگنا چاہتے ہو اگر ایسے ہی تیس مار خان ہو تو

یو شڈ مسٹ اسٹینڈ اپ اگینسٹ.....! ٹال تم رہے ہو.....اس سے صاف پتہ لگ سکتا ہے کہ ''ہواز چکن ہارٹ۔''
کس قدر جذباتی انداز میں وہ زہر میں بجھے ہوئے تیر چلاتی چلی جاتی تھی۔

مگر وہ بہت اطمینان کے ساتھ ہنستا چلا جاتا تھا۔ ایسے جیسے کہہ رہا ہو۔ ''دیکھا کہا تھا نا کہ بچی ہو۔'' وہ بہت ضبط کے ساتھ بیٹھی اس گھڑی اس کی سمت تکتی چلی جاتی تھی۔ اور تب سبکتگین غزنوی بہت رسانیت کے ساتھ مسکراتا ہوا براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانکتا تھا۔

''میں تمہیں تکلیف نہیں دینا چاہتا۔ بس جان لو میں تمہیں ہارنے کے کرب سے دوچار نہیں کرنا چاہتا' شکست کا احساس بہت جان لیوا ہوتا ہے۔ مجھے تم ہنستی اچھی لگتی ہو۔ ان چمکتی آنکھوں میں ٹھہری ہار کو دیکھنا مجھے قطعی اچھا نہیں لگے گا۔'' وہ بہت اطمینان سے کہہ کر اپنی راہ لیتا تھا اور وہ کتنی ہی دیر تک بیٹھی اس شخص کو کوستی رہتی۔

''چیس کی ابجد سے بھی واقف نہیں اور مجھے ہرانے کی باتیں کرتا ہے۔ خود کو افلاطوان سمجھتا ہے۔ ذہنی طور پر بچی ہوا بھی۔'' باقاعدہ اسی کے انداز میں نقل اتارتی جاتی۔ وہ کتنی ہی دیر اپنے غصے کو اتارنے کو اسے برا بھلا کہتی رہتی تھی اور پھر گاڑی کی چابی اٹھا کر لانگ ڈرائیو پر نکل جاتی تھی۔

یہ نہ تھا کہ وہ ہمیشہ مائل بہ ستم رہتا' ہاں پہلے شاذ و نادر ہوتا۔ مگر عامر رضا کے بعد تو متواتر یہ سلسلہ چل نکلا تھا۔

اور اب بھی جب وہ دادا ابا کے ساتھ بیٹھی چیس کھیل رہی تھی تو متواتر خیال اسی شخص کی جانب تھا۔ جانے کیا پرخاش تھی اسے عامر رضا سے شاید عادتاً شرارتاً اسے زچ کرنے کو چھیڑتا تھا۔ یا پھر واقعی وہ اسے ناپسند کرتا تھا۔ مگر اس کے ناپسند کرنے کا جواز بھلا کہاں نکلتا تھا۔ وہ ایسا کوئی حق کہاں محفوظ رکھتا تھا۔ تکلیف کیا تھی بھلا اسے' اسے اس نے خود اپنے لیے اپنی مرضی سے منتخب کیا تھا' پسند تھا وہ اسے زندگی اسے گزارتی تھی۔ پھر وہ شخص کیوں مفت میں اس کا بخار لے رہا تھا۔

اس کے ترش جملے اسے یاد آئے تو وہ یکدم ہی سر نفی میں ہلانے لگی۔

دادا ابا پہلے تو اسے بغور دیکھتے رہے۔ پھر رسانیت سے مسکرا دیئے۔ سامنے چیس بورڈ پڑا تھا۔ وہ کھیل رہی تھی مگر اس کی کونسنٹریشن گیم میں نہ تھی۔ جس غائب دماغی سے وہ کھیل رہی تھی اس سے صاف یہ بات محسوس کی جاسکتی تھی اور وہ تو پھر ایک جہاندیدہ شخص کے سامنے تھی۔

''علما بچے کوئی مسئلہ ہے؟'' وہ چونکی تھی۔ پھر نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔

''نو.....ناٹ ایٹ آل۔''

''تم جس غائب دماغی سے کھیل رہی ہو۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس کھڑی آپ کا جینئس مائنڈ کہیں اور الجھا ہوا ہے۔ کوئی پریشانی ضرور تمہیں ستا رہی ہے۔ کیا اپنے اس دوست سے یہ بات شیئر نہیں کرو گی؟''

اور وہ چونکی نہیں دادا ابا اکثر اس کی پرابلمز کو اسی طرح پکڑ لیا کرتے تھے۔ اور تب وہ اپنا آپ کھول

کران کے سامنے رکھ دیتی تھی۔

''دادا ابا ایک وقت میں جب آپ کوئی فیصلہ اپنی دانست میں درست کر چکے ہوں مگر دوسری گھڑی سب آپ کو اس کی بابت جھٹلانے لگیں تو درست کیا ہے' کیا ہم' یا اردگرد کے رد کرتے اور جھٹلاتے ہوئے لوگ؟ جبکہ اس فیصلے کا تعلق صرف اور صرف ہماری اپنی ذات سے ہو اور کسی دوسرے کو اس سے واسطہ ہی نہ ہو۔'' اس نے بہت ہولے سے قصہ ان کے گوش گزار کیا تھا۔ وہ کتنی ہی دیر تک اسے ملائمت سے دیکھتے رہے تھے پھر ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے مسکرا دیئے۔

''کسی خاص وقت میں جو بات تمہیں حق اور سچ نظر آئے اس کے لیے کام کرو اور مستقبل کو اللہ کے حوالے کر دو یہ اپروچ زندگی کے لیے بہت سود مند ثابت ہوتی ہے۔ لیکن اگر معاملہ کسی خاص نوعیت کا ہو تو پھر دوسروں سے صلاح و مشورہ کر لینے میں کوئی مضائقہ بھی نہیں اور اس فیصلے نظر ثانی کر لینے سے کوئی فرق بھی نہیں پڑتا۔ بشرطیکہ نقطہ اٹھانے والے آپ کے صحیح خیر خواہ ہوں۔''

''اور اگر کوئی یونہی مخالفت برائے مخالفت کا کھیل کھیل رہا ہو تو۔؟''

اس نے فوراً ایک نیا نقطہ اٹھایا۔ دادا ابا مسکرا دیئے۔

''ہاں یہ نقطہ سوچنے کے لائق ہے۔ اگر بات فقط ہنسی مذاق اور چھیڑ چھاڑ تک ہے تو یہ دوستانہ اقدام خطرناک نہیں۔ نا ہی اس کو لے کر کسی کو اس قدر ٹینس ہونا چاہیے۔'' وہ یقیناً مسئلے کی اصل نوعیت تک پہنچ گئے تھے۔ علما نے دادا ابا کی طرف دیکھا تھا۔ پھر ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

''بچے یو آر دی ماسٹر آف چیس اتنی آسانی سے تو اسپورٹس مین اسپرٹ نہیں گنواتے۔ یہ گیم فقط چیس بورڈ پر بکھرے ہوئے مہروں تک محدود نہیں' یہ پوری زندگی کا احاطہ کرتا ہے۔ اسے کھیلنے والے بہت اسٹرونگ اسٹیمنا کے نا صرف مالک ہوتے ہیں بلکہ وہ اپنے حوصلوں میں بھی عمدہ ترین ہوتے ہیں۔ وہ اچھائی اور برائی میں اور خوبی اور خامی میں بہت عمدگی سے ڈسکریمینیٹ کرتے ہیں۔ اسی طور دوست اور دشمن کی پہچان بھی انہیں خوب ہوتی ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ آپ کوئی ناپختہ ذہن کے بچے ہو جو فیصلہ آپ نے کیا ہے اگر وہ آپ کی نگاہ میں درست ہے تو پھر چاہے کوئی کچھ بھی کہتا ہے۔ کچھ بھی کرتا رہے آپ کو فرق قطعی نہیں پڑنا چاہیے۔ بشرطیکہ آپ کو خود اس فیصلے کے غلط ہونے کا احتمال نہ ہو کوئی وسوسہ آپ کو خود اندر سے تنگ نہ کر رہا ہو۔'' دادا ابا بہت دھیمے انداز میں مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہے تھے۔

''بچے ہار اور جیت کے چکر میں پڑ کر اپنی اسپرٹ کو وہ لوگ لوز کرتے ہیں جنہیں خود پر اعتماد نہیں ہوتا۔ جو ہار اور جیت کے فن سے باخوبی واقف ہوں انہیں معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح جیتنا ہے اور کس طرح اور کونسی غلطی کر کے آپ ہار سکتے ہیں' اگر اس سے آپ واقف ہیں تو یقیناً آپ ایک مہرے کو بازی کے لیے اٹھانے سے یا استعمال کرنے سے قبل حتمی طور پر سوچنے کے بعد یقیناً اس کو وہیں پر دوبارہ چھوڑ دیں گے اور کوئی دوسری راہ اختیار کریں گے جس میں کہ آپ کی بقا ہو آپ یقیناً وہ اسٹیپ لیں گے جس سے آپ کا سروائیول

یقینی ہو سکتے۔''

وہ سر جھکائے بیٹھی انگلی میں موجود انگوٹھی سے یونہی کھیلتی رہی تھی اور تب دادا ابا ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے گویا ہوئے تھے۔

''بہرحال عامر رضا کیسا ہے کوئی پیغام موصول ہوا کہ نہیں۔'' انہوں نے یکدم ہی بات بدل دی تھی۔

''جی' جی ہاں خیریت سے ہے۔ صبح ہی مجھے اس کی ای میل موصول ہوئی تھی۔'' اس نے چونکتے ہوئے جھٹ بہانا گھڑا تھا۔ اور تب وہ سر ہلاتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

''اپنا خیال رکھا کرو۔'' انہوں نے کس درجہ شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔ وہ سر اٹھا کر پہلے تو یونہی دیکھتی رہی تھی پھر یکدم ہی دھیمے سے مسکرا دی تھی۔ تبھی ماما ٹرے میں دودھ کے گلاس لئے آ گئیں۔

''آپ دونوں دادا پوتی کا شوق پورا ہوا کہ نہیں اور آج کو فاتح رہا.....؟'' وہ مسکراتی ہوئی پوچھ رہی تھیں۔ وہ ماما کی جانب ایک نگاہ دیکھتے ہوئے سر جھکا گئی۔ تبھی دادا ابا مسکراتے ہوئے گویا ہوئے تھے۔

''ایز یوژل ہمارا بچہ ہم بوڑھوں میں اب اتنی سکت کہاں رہی۔ ہمیں تو اب بساط پر بچھے مہرے بھی ٹھیک سے دکھائی نہیں دیتے۔'' وہ یقیناً غیر سنجیدہ تھے۔ وہ سر اٹھا کر ان کے جھوٹ پر انہیں دیکھنے لگی تھی۔ مگر ماما اس کی جانب دیکھتی ہوئی اس گھڑی مسکرا رہی تھیں۔ ''اسے ماسٹر مائینڈ بنایا کس نے ہے۔ آپ نے ہی۔''

''ہاں اور ہار بھی میں ہی جانتا ہوں۔'' وہ شگفتگی سے مسکرائے تھے اور تب ماما کے ساتھ وہ بھی مسکرا دی تھی۔

''سنیعہ سو گئی.....؟'' اپنے سے چھوٹی بہن کے متعلق دریافت کیا۔

''ہاں اور اب تمہیں بھی یقیناً سو جانا چاہیے۔ صبح یونیورسٹی کو ورنہ دیر ہو جائے گی۔ چلو اٹھو اب۔'' ماما نے محبت بھرے لہجے میں حکم دیا تھا اور وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''اپنا دودھ کا گلاس پیتی جاؤ میں ابا کا گلاس ان کے کمرے میں چھوڑ کر آتی ہوں۔'' ماما نے اس کا گلاس اس کی سمت بڑھایا تھا۔ اور تب اس نے فوراً ہی گلاس تھام لیا تھا۔

''گڈ نائٹ ماما.....!''

''گڈ نائٹ مائے کڈ۔'' وہ محبت سے گویا ہوئی تھیں۔ اور وہ تمام تر سوچوں کو ایک طرف ڈالتے ہوئے اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆.....☆

چھٹی کا دن تھا وہ سنیعہ کی فرمائش پر کچن میں پوری دلجمعی سے کھڑی ایپل پائے۔ بنا رہی تھی۔ اپنے لیے اس کا ارادہ آج اپنی فیورٹ ڈش کرسپی چکن ود باربی کیو ساس بنانے کا تھا۔ ایپل پائے کے سارے انگریڈی اینٹس تیار تھے اور وہ اسٹفنگ کر رہی تھی جب جناب سبکتگین غزنوی آن وارد ہوئے۔

''کیا ہو رہا ہے؟'' بے حد ڈھٹائی کے ساتھ اس کی ناراضگی کی پروا کیے بغیر مسکراتے ہوئے دریافت کیا۔

وہ کچھ نہیں بولی۔ سر جھکائے اپنے کام میں مصروف رہی۔

''بشیر احمد اوون کو دو سو ڈگری پر ہیٹ اپ کر دو۔'' اس نے الائچی پاؤڈر کی مقدار حسب ذائقہ ڈالی انداز بے حد اجنبی تھا جیسے وہ سامنے کھڑے اس شخص کی موجودگی سے بھی ناواقف ہو۔

''ابھی تک خفا ہو۔'' اسے بغور دیکھتے ہوئے وہ زیر لب مسکرا رہا تھا

''بشیر احمد کرسپی چکن کے لیے کارن فیلکس اور بریڈ کرمز تیار کرو۔'' اس نے ایک بار پھر اسے مکمل طور پر رد کر دیا اور ایپل پائے کے اسٹف میں بٹر ملانے لگی وہ تھوڑی دیر تک اسے دیکھتا رہا پھر دھیمے سے مسکرا دیا۔

''بہت اہتمام ہو رہا ہے کوئی آ رہا ہے.....؟''

اس نے اسٹفنگ کے لیے تیار کیے ایپلز میں سے تھوڑا سا اٹھا کر منہ میں ڈالا وہ سر اٹھا کر دیکھنے لگی۔

''بتایا نہیں تم نے اتنا اہتمام کس کے لیے ہو رہا ہے۔'' وہ مکمل طور پر دوستانہ انداز میں مسکرا رہا تھا

''تمہارے لیے قطعی نہیں ہو رہا ہے۔'' وہ جل کر گویا ہوئی۔ وہ اس کے چہرے کو بغور تکتا ہوا جانے کیوں مسکرا دیا تھا۔

''تمہیں پتہ تھا نا مجھے ایپل پائے بے حد مرغوب ہے۔'' اس نے اپنی مرضی کا جواز اس پر تھوپا وہ سر اٹھا کر ہاتھ روک کر اسے بغور دیکھنے لگی۔

''حالانکہ تمہیں تو چوپایوں کے پائے مرغوب ہونے چاہئیں.....!'' کس قدر دلفریب طنز تھا۔ مگر وہ کھلکھلا کر ہنس دیا تھا۔

''تم کیوں سمجھتی ہو کہ سب مرد عامر رضا جیسی ترجیحات رکھتے ہیں۔''

''جانتی ہوں۔ تبھی تو کہہ رہی ہوں چوپایوں کے پائے صحت کے لیے بے حد مفید ہوتے ہیں۔''

وہ مسکرائی تھی۔ وہ اسے بہت دھیمے سے مسکراتے ہوئے دیکھتا رہا تھا۔ پھر جیسے ایک بار پھر سرنڈر کرنے کی ٹھانی تھی۔

''پلیز فار گیٹ اٹ ایوری تھنگ۔''

اور وہ ایک نظر اس پر ڈال کر سر جھکا گئی تھی۔

''سکتگین تم سمجھتے ہو سب کچھ اس قدر آسان ہے کیا لفظوں کے گھاؤ سے ناواقف ہو۔''

''جانتا ہوں مگر تم سیریس کیوں لیتی ہو۔ کیا ہم اچھے دوستوں کی طرح ہنسی مذاق بھی نہیں کر سکتے۔؟''

وہ اسے بغور دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا اور تب وہ لمحہ بھر کو ہاتھ روک کر سر اٹھائے ہوئے اسے دیکھنے لگی تھی۔ وہ کچھ دیر تک خاموشی سے اسے دیکھتا رہا تھا پھر مسکرا دیا تھا۔

''کچھ غلط کہاں ہوتا ہے۔ کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے کہ مصداق میں نے آج تک حتی الامکان سچ بولنے کی کوشش کی ہے۔'' وہ ایک بار پھر اسی انداز میں بول رہا تھا۔ کس قدر شرارت تھی اس کی آنکھوں میں وہ اسے دیکھتے ہوئے نگاہ جھکا کر دوبارہ مصروف ہو گئی۔

تبھی اس نے پلٹ کر بشیر احمد کو دیکھا تھا۔

''بشیر احمد وہ باہر کوریڈور میں جو گفٹ رکھتا ہے ذرا اٹھا کر تو لے آؤ۔'' لبوں پر بہت شرارتی مسکراہٹ تھی مگر وہ اجنبی سی بنی کھڑی رہی بشیر احمد فوراً ہی مستعدی کے ساتھ کوریڈور کی جانب دوڑا تھا۔

''کب تک ناراض رہو گی۔'' بہت مدھم بہت پرفسوں لہجے میں وہ ہولے سے بولا۔ وہ سر جھکائے یوں مصروف رہی جیسے سرے سے سنا ہی نہیں۔ تمام اسٹفنگ کرنے کے بعد وہ کانٹے کی مدد سے ایپل پائے پر ڈیزائننگ کر رہی تھی۔

''پلیز سبکتگین ڈونٹ بی اسٹوپڈ یہ ڈائیلاگ بازی یہاں نہیں چلے گی کوئی شکسپیئر کا تھیٹر نہیں ہے یہ۔''

اس کا انداز بے حد اکتایا ہوا تھا۔ مگر وہ یکدم ہی کھلکھلا کر ہنسنے لگا تھا۔

''اچھا مگر پھر تم مجھے جیولٹ جیسی کیوں لگ رہی ہو۔'' محترم سبکتگین کہاں باز آنے والے تھے۔

''اپنی آنکھوں کا علاج کراؤ۔''

اور اس کا قہقہہ بے حد بے ساختہ تھا۔

وہ اس سے بے نیاز پلٹ کر ایپل پائے کو اوون میں رکھنے لگی تھی۔ پھر پلٹی تو پین لے کر اس میں دو بڑے چمچ جیلی لے کر ایپل پائے کے لیے ٹوپنگ تیار کرنے لگی تھی۔ چولہا جلا کر پین میں پانی گرم کیا اور پھر اس میں جیلی ڈال کر چمچ چلانے لگی۔ وہ دلچسپی سے اسے کھڑا تکتا رہا۔

''تم نے قسم کھا رکھی ہے میرے سر پر سوار رہو گے۔'' وہ بلا آخر اکتا کر گویا ہوئی مگر وہ بہت رسانیت سے مسکرا دیا تھا۔

''کتنے بدل گئے ہیں ہم..... جب سے یہ شخص درمیان میں آیا ہے۔'' اور اس گھڑی وہ یکدم ہی مسکرا دی جانے کیوں اور سبکتگین غزنوی اس کے چہرے کو بغور دیکھنے لگا۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟'' وہ ہولے سے مسکراتی ہوئی اسے دیکھنے لگی۔

''ایک عام سے شخص کے فقط نام میں کتنی کرشمہ سازیاں پنہاں ہیں۔'' باقاعدہ رشک کیا تھا۔ وہ مسکرا دی۔

''بن گئے نا پھر سے حاسد۔'' چولہا بند کرتے ہوئے اسے دیکھا۔ مگر وہ بنا کچھ کہے بہت مطمئن انداز میں مسکراتا رہا۔ تبھی بشیر احمد وارد ہوا۔

''سبکتگین صاحب گفٹ تو کوئی ڈھونڈنے سے بھی نہ ملا۔ ہاں یہ ایک کبوتروں کا پنجرہ تھا۔ سو اسے ہی اٹھا لایا۔'' بشیر احمد کی باچھیں کانوں سے جا لگیں علما بخاری نے چونکتے ہوئے بشیر احمد کے ہاتھوں میں موجود اس پنجرے کو دیکھا تھا۔

''نہیں بشیر احمد بندے تم واقعی کام کے ہو شاباش تم تو خاصے عقل مند ہو۔''

مسکراتے ہوئے سبکتگین نے پنجرہ بشیر احمد کے ہاتھ سے لے لیا تھا اور بہت پرشوق انداز میں سفید

کبوتروں کو دیکھتے ہوئے انہیں وش کرنے لگا تھا۔ وہ چپ چاپ ان تمام اقدامات کو دیکھتی رہی۔

''کل آفس سے لوٹ رہا تھا۔ تو واپسی میں یہ پنجرہ دیکھ کر بے ساختہ تمہارا دھیان آ گیا سو فوراً سے پیشتر اسے لے ڈالا۔''

وہ کچھ نہ سمجھ پائی۔ کیا وہ دوستی کے نام پر امن کے پیامبر سنگ لایا تھا۔ اس کی خفگی دور کرنے کو' امن کی جانب پیش قدمی تھی یہ۔

''ہم اچھے دوست ہیں تو کم از کم ہمیں ایک دوسرے کا خیال تو رکھنا چاہئے۔ علما بخاری چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔ کتنی شرارت تھی اس کی آنکھوں میں۔

''میں نے سوچا کتنا بہت سا خرچ کرتی ہو تم میلز اور ای میلز پر کچھ تو بچت ہو گی تمہاری' یہ کبوتر بہت مستعد ہیں پالتو اور سکھائے ہوئے ہیں۔ تمہیں مشکل نہیں ہو گی' تھے تو اس کے پاس کالے کبوتر بھی۔ مگر میں نے سوچا اتنی یکسانیت اچھی نہیں لگے گی اور شاید تم بھی مائنڈ کر جاتیں' سو فیصد خاصے بہتر لگے۔ میں نے ٹھیک کیا نا۔'' وہ لبوں پر دلفریب مسکراہٹ لیے اسے دیکھتے ہوئے کس قدر معصومیت کے ساتھ دریافت کر رہا تھا۔

''ایک کوے ٹائپ بندے کے پاس سفید کبوتر خط لے کر جاتے کتنے بھلے لگیں گے۔'' بشیر احمد جو کام کرنے کے ساتھ ان دونوں کے مابین ہونے والی گفتگو بھی سن رہا تھا یکدم ہی کھی کھی کرنے لگا تھا۔ ''بند کرو یہ کھی کھی اور یہ ایپل پائے دیکھ کر نکال لینا۔''

اس نے پلٹ کر بشیر احمد کی خبر لی تھی اور پھر اس کی جانب دیکھنے لگی تھی۔ کتنی شرارت کے ساتھ وہ اس نے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ وہ غصے سے کھولتی ہوئی ضبط کے بہت سے بند باندھتی وہاں سے ہٹ گئی تھی۔ بانگین غزنوی کے لبوں کی مسکراہٹ یکدم ہی گہری ہو گئی تھی۔

☆.....☆.....☆.....☆

میرے چار سو پھیلی
روشنی کہتی ہے
تم میرے نام کے دیئے
جلا رہے ہو ابھی.....!

اپنے برتھ ڈے سے ایک دن قبل اسے عامر رضا کی جانب سے کتنے بہت سے گفٹس اور کارڈز موصول ہوئے تھے' اور لمحہ لمحہ ڈولتا دل کیسے لمحہ بھر میں ہی سنبھلنے لگا تھا۔ ایک سرشاری سی رگ و پے میں سرایت کر رہی تھی۔ وہ سب چیزیں پھیلائے بطور خاص افشاں کو دکھا رہی تھی۔ اپنے آپ کو مطمئن کرنے کا یہ بھی کوئی انداز تھا۔ وہ خود کو حتی الامکان حد تک مطمئن کرنا چاہتی تھی۔

''کس قدر لکی ہوں میں' تم یہ missing you کا کارڈ دیکھو اور اس پر تحریر اس کی طویل نظم' اومائے گاڈ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی وہ شخص اتنا رومانٹک بھی ہو سکتا ہے۔ شاعری اور وہ.....'' وہ یکدم ہی ہنسنے لگی تھی۔

''تمہارے حسن بلا خیز نے اسے شاعر بنا ڈالا ہے اور وہ کیا کوئی بھی بندہ دیوانہ ہو سکتا ہے۔ تم ہو بھی تو اتنی دلفریب۔'' افشاں نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا اور اس کی ہنسی اور بھی طویل ہو گئی تھی۔

''اس قدر خشک بندہ ہے۔ جب میرے قریب تھا تو اس نے ڈھنگ سے کبھی میری تعریف بھی نہیں کی تھی۔ بلکہ جب ایک بار میں اسٹوڈنٹ ویک میں سفید ڈریس پہن کر گئی تھی تو اس نے مجھے بغور دیکھا تھا۔ مجھے لگا تھا آج یہ ضرور کچھ انوکھی بات کہے گا مگر وہ بولا تو صرف اس قدر۔

''آج معمولی سے خاصی ہٹ کر نظر آ رہی ہو۔ شاید ڈریسنگ کے باعث۔'' اور میں جو کسی دلفریب سے جملے کی طالب تھی یکدم ہی سر پیٹ کر رہ گئی تھی۔'' اس کا قہقہہ بے حد بلند تھا۔ جیسے وہ دوسروں کے ساتھ خود کو بھی ''تجدید عہد وفا'' کا یقین دلانا چاہتی تھی۔

افشاں نے اسے بغور دیکھا تھا پھر مسکرا دی تھی۔

''تم نے یہ سب چیزیں کسی اور کو تو نہیں دکھائیں؟''

''کسی اور کو۔'' وہ چونکنے کی ناکام کوشش کرتی ہوئی بولی۔

''بھائیوں کو۔''

''نہیں فی الحال تو نہیں۔'' اس نے شانے اچکائے۔

''دکھانا بھی مت ورنہ وہ پھر تمہیں نئے سر سے ٹیز کرنے کی کوشش کریں گے اور تم.....'' افشاں نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

اور وہ جو چاہتی تھی کہ ان سب کو بطور خاص اس بات کا پتہ چلے یکدم ہی ہونٹ بھینچ کر رہ گئی تھی اور اس لمحے افشاں جانے کیا سمجھی تھی کہ بہت دوستانہ انداز میں اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

''پلیز تم مائنڈ مت کیا کرو وہ سب یونہی ہنسی مذاق کرتے ہیں۔ تم تو جانتی ہو ان سب کو اتنے عرصے کا ساتھ ہے۔ کیا اب بھی ان کے مزاج کو نہیں سمجھتیں۔ پتا ہے وہ فائزہ آپی کو بھی اسی طرح تنگ کیا کرتے تھے ان کی تو عادت ہے حالانکہ فیضان بھائی بھی کتنے معقول اور ہینڈسم ہیں نا' مگر ان کے لیے کیسے کیسے القابات نہ تراش لیے تھے انہوں نے حالانکہ فائزہ آپی کے رشتے سے وہ نا صرف بڑے تھے بلکہ قابل احترام بھی۔ اور اب دیکھو کتنی تمیز سے ملتے ہیں۔ ریسپکٹ کرتے ہیں شاید یہ بہت فطری رنگ کے مذاق ہیں۔ اپنے فطری رشتوں کے لیے جو مخصوص ہوتے ہیں۔ محبت کے رنگ محبت کے ڈھنگ۔''

وہ چپ چاپ دیکھتی چلی گئی۔ افشاں مسکرا دی۔ اور تبھی وہ سامنے سے آتا نظر آ گیا تھا۔

''پتہ نہیں کیا ہوا تھا کہ وہ فوراً ہی سامنے بکھری تمام چیزیں سمیٹنے لگی تھی حالانکہ جس طرح تھوڑی دیر قبل وہ اپنے آپ کو مطمئن کرنے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی اس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ یہ سب مخفی نہیں رکھنا چاہتی۔ وہ قریب پہنچا تھا جب اس نے یکدم ہی سب چیزوں کو سمیٹ کر پشت میں رکھ دیا تھا۔ وہ شاید دیکھ چکا تھا۔ اسے اس طرح بطور خاص کچھ چھپاتے ہوئے تبھی اس کے لبوں پر بہت دلفریب مسکراہٹ تھی۔ اس نے

نظروں ہی نظروں میں افشاں کی جانب دیکھتے ہوئے جیسے درخواست کی تھی۔ مگر وہ محترم سبکتگین غزنوی تھے۔ ان کی آنکھوں سے کچھ چھپ سکتا تھا بھلا۔

''کیا چھپایا جا رہا ہے بھئی لوگ خاصے گھنے ہو گئے ہیں۔'' اس کی نگاہوں سے ہویدا شرارت کس قدر نمایاں تھی۔

''بھائی آپ کب آئے۔'' افشاں نے اس کا دھیان بٹانا چاہا۔

''جب لوگ چھپنے اور چھپانے میں مصروف تھے۔'' وہ بات افشاں سے کر رہا تھا مگر دیکھ متواتر علما کو رہا تھا۔

''مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے چھپنے کی' چھپتے چور ہیں یا پھر ملزم اور میرے ہاتھ صاف ہیں۔'' اس نے اپنی دانست میں صفائی دینا چاہی تھی۔ مگر وہ شخص یکدم ہی کھلکھلا کر ہنسنے لگا تھا۔ وہ ایک گہری سانس خارج کرتی ہوئی افشاں کی جانب دیکھنے لگی تھی۔

''اف یہ ایمان کو متزلزل کرتا ہوا یقین.....! سبکتگین صاحب جب بولتے تھے تو اردگرد کا سرے سے ہوش ہی نہیں ہوتا تھا۔ کس قدر معنی خیز جملہ تھا اور انداز۔

وہ فقط گھورنے پر اکتفا کرتے ہوئے اسے دیکھنے لگی تھی۔ شاید بول کر بات کو مزید طول نہیں دینا چاہتی تھی۔ مگر سبکتگین غزنوی کو بولنے کے لیے کسی خاص وضع قطع کی ضرورت کب تھی۔ تبھی تو وہ کہہ رہے تھے۔

''صاف چھپتے بھی نہیں' سامنے آتے بھی نہیں۔'' لبوں پر کس قدر شرارتی مسکراہٹ تھی۔

''سبکتگین پلیز بند کرو یہ خوامخواہ کی جنگ' میں تم سے مزید الجھنا نہیں چاہتی۔''

''کیوں تھک گئی ہو۔'' وہ کس قدر دلچسپی سے اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ اسے تو افشاں کی بھی پروا نہ تھی اور افشاں اس گھڑی سر جھکائے جس طرح اپنی مسکراہٹ پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔ فقط اس کے خیال سے' یہ سب اسے زچ کرنے کو کافی تھا۔ بہت ضبط کے ساتھ اسے دیکھتی رہی تھی۔ اپنی تمام توانائیوں کو مثبت رخ میں رکھنے کو مسلسل کوشش کر رہی تھی۔ مگر وہ اس شخص کا کیا کر سکتی تھی جو اس گھڑی اسے طیش دلانے کو لہہ رہا تھا۔

''یہ وقتی طور پر ہتھیار ڈال دینے والی ادا بے حد دلفریب ہے۔ دل تک میں سرشاری دوڑا دینے والی۔ یہاں سے وہاں تک گھنٹیاں بجانے والی۔ اگر کوئی ناواقف ہو تو ایمان لانے میں دیر قطعی نہیں ہوگی۔ مگر یہ میں ہوں' سبکتگین غزنوی' جانتا ہوں نا تمہیں' کیا کروں۔'' وہ جیسے اس کے ضبط کو آزما رہا تھا۔

''سبکتگین پلیز.....!'' وہ اسی قدر کہہ سکی تھی اور تبھی افشاں مسکراتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''میں چلتی ہوں' شاید امی مجھے بلا رہی ہیں۔'' کتنا صاف جھوٹ تھا۔ مگر اسے فرار کی راہ درکار تھی سو کہتے ہی ایک جست میں وہ باہر تھی اور اب علما بخاری تنہا اس کے سامنے تھی۔

''شرم نہیں آتی تمہیں۔'' وہ سلگتے ہوئے انداز میں اسے دیکھ رہی تھی۔ تمام لحاظ بالائے طاق رکھتے

ہوئے حالانکہ یہ لمبا چوڑا شخص اس کا ہم عمر قطعی نہ تھا۔

''کم از کم کسی دوسرے کا تو لحاظ کر لیا کرو۔ کچھ بھی بکواس کرتے رہتے ہو جو منہ میں آتا ہے۔'' کس قدر سنگین تھا اس کا لہجہ' مگر وہ ہنستا چلا گیا تھا ے

''ڈرنا کس بات پر کوئی غیر تو نہیں یہاں!'' وہ اسے مزید زچ کرنے پر مائل تھا۔

''انتہائی بدتمیز شخص ہو تم۔'' اس کے لمبے چوڑے وجود کو دیکھا۔

''عقل بھی کسی چڑیا کا نام ہوتا ہے۔ مگر تم.....!'' وہ بہت کچھ کہنے کے چکر میں کچھ بھی نہیں کہہ پائی اور چپ ہو کر اس کی جانب سے نظریں پھیر کر دوسری جانب دیکھنے لگی تھی۔

سبکتگین غزنوی کچھ دیر یونہی کھڑا اسے دیکھتا رہا تھا۔ پھر ہولے سے اس کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔ اسے دیکھنے کا سلسلہ موقوف نہیں کیا تھا۔

''تمہیں اجنبی ہوتے ہوئے دیکھ نہیں سکتا نا..... کیا کروں۔'' کتنا مدھم اور دھیما تھا اس کا لہجہ وہ یکدم ہی چونک کر دیکھنے لگی تھی۔ وہ فوراً ہی مسکرایا تھا۔

''یار مانو یا نا مانو یہ شخص کیا نام ہے اس کا ہاں عامر رضا انتہائی منحوس ہے۔ کمبخت جب سے درمیان میں آیا ہے۔ ہم دونوں کے درمیان سیز فائر ہونے میں ہی نہیں آ رہا۔'' وہ بہت سرسری سے انداز میں بولا تھا۔ اور وہ بے تحاشا سلگتے ہوئے انداز میں اسے گھورنے لگی تھی۔ وہ شخص رنگ بدلنے میں کیسا ملکہ رکھتا تھا۔

''تم اگر اب مزید کچھ بولے تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔'' ہاتھ اٹھا کر اس نے وارننگ دی تھی مگر وہ بہت رسانیت سے تکتا چلا گیا تھا ے

''اس شخص کا چار دن کا ساتھ اس قدر اہم ہو گیا اور ہمارے برسوں کے مراسم کی کوئی وقعت نہیں۔'' پتہ نہیں تاسف تھا یا شکوہ' مگر دوسری طرف جاننے کی کسے پروا تھی۔

''سبکتگین تم.....!'' اس نے کچھ کہنے کو لب کھولے تھے مگر تبھی وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا اور اس کی جانب دیکھے بغیر چلتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

علما بخاری گہری سانس خارج کرتے ہوئے دوسری جانب دیکھنے لگی تھی۔

☆.....☆.....☆.....☆

یہاں سے وہاں تک پھیلی

افراتفری اور.....!

مجھ کو اپنے سنگ سنگ باندھے

تیرے دھیان کے موسم.....!

آرزوؤں کے تسلسل پر کوئی بند نہیں باندھا جا سکتا۔ خواہشوں کے سلسلے نہ تھمنے والے ہوتے ہیں۔ خواب بیش بہا ہوتے ہیں۔

مگر کوئی ایک خواہش ایسی ہوتی ہے جو تمام باتوں پر' تمام چیزوں پر سبقت لے جاتی ہے۔ ساری باقی کی خواہشیں' آرزوئیں اور خواب دھرے رہ جاتے ہیں اور طاق دل پر فقط ایک خواب دیا بن کر جلنے لگتا ہے۔

پلکوں کے کناروں کو بس ایک روشنی چھوتی ہے اور ہر طرف رنگ سے پھیلنے لگتے ہیں۔ ہوتی ہے کوئی ایک خواہش۔ کوئی ایک خواب کوئی ایک تمنا۔ جو متاع حیات بن جاتا ہے۔ چاہتے نا چاہتے ہوئے بھی' اچانک بہت اچانک دل میں جگہ بنتی ہے اس ایک خواب کے لیے اس ایک تمنا کے لیے' اس ایک خواہش کے لیے اور باقی پھر سب کچھ غیر ثانوی ہو جاتا ہے۔ بے معنی......!

دل کو فقط وہ بات اچھی لگتی ہے جو اس سے وابستہ ہو۔ وہ حوالہ اچھا لگتا ہے۔ جو اس سے وابستہ ہو' وہ خواب اچھا لگتا ہے جو اس کی نسبت سے آنکھیں دیکھیں' وہ آرزو' وہ تمنا اچھی لگتی ہے جو اس کے توسط سے' اس ایک فرد واحد کے واسطے دل میں جگہ کرے۔ یہ دانستگی کے فیصلے نہیں۔ ہوشمندی کے اقدام نہیں۔ خردمندی کے جواز نہیں۔

سب بے اختیاری ہے۔

سب فیصلے دل کے ہوتے ہیں' دل جسے چاہے دھنی کر دے نواز دے اور سرخرو کر دے اور جسے چاہے نگاہ سے گرا دے مٹی میں رول دے' سب بے اختیاری ہے۔ ہر کیفیت ہر احساس اور ہر اقدام۔

شاید' واقعی جب محبت بولتی ہے تو پھر ہر شے کو اپنے زاویوں میں ڈھالنے لگتی ہے۔ ہر رنگ کو اپنے رنگوں میں رنگنے لگتی ہے۔

محبت ایک حیران کن جذبہ ہے۔ جو عقل سے بالاتر ہے اور دل پر اثر پذیر۔

کتنی ہی دیر وہ اضطراب سے ادھر سے ادھر ٹہل کر وقت ضائع کرتی رہی تھی اور پھر تھک کر ایزی چیئر پر آ بیٹھی تھی۔ آنکھیں ہولے سے موندتی تھیں۔ سوچوں کا رخ ہر جانب سے موڑنا چاہا تھا۔ دھیان بٹانا چاہا تھا۔ اور کچھ نہیں تو وہ عامر رضا کے بھیجے گئے بہت سے احساس سے پر محبت کی حدت لیے لفظوں کو ہی سوچنا چاہتی تھی۔ ان سب کارڈز کو نگاہ کے زاویے میں رکھ کر سوچوں کو گامزن کرنا چاہتی تھی۔ وہ سب گفٹ جو اس نے بطور خاص اس کے لیے اپنے بہت مصروف لمحوں میں سے فقط اس کے لیے وقت نکال کر۔ وہ لمحے جب تمام چیزوں کو اس نے فقط اس کے لیے منتخب کیا۔ کارڈز کو لکھا۔ لفظ تراش کر جملے پروئے۔

''محبت یاد رکھتی ہے' اور یہ محبت ہی تو تھی عامر رضا کے دل میں اس کے فقط اس کے لیے' اور تبھی تو اس نے یاد رکھا تھا اسے' اس کے اہم ترین دن کو اور ایک مزید یادگار دن زندگی کی تاریخ کے کیلنڈر میں اضافی طور پر درج کر دیا تھا۔

محبت یونہی تو کرتی ہے اپنے احساس کے ساتھ جیتی ہے اور سنگ سنگ سفر کرتی ہے اور بہت سے حسین اور یادگار لمحے زندگی کے کیلنڈر میں گرتے چلے جاتے ہیں۔

آج اس شخص نے ایک اہم یادگار کو منایا تھا۔ اور آج کا یہ دن علما بخاری کے لیے یادگار کی حیثیت

اختیار کر گیا تھا اگلے برسوں میں اسے اس یادگار کو سوچنا تھا اور یاد رکھنا تھا۔

''عامر رضا تھینک یو ویری مچ۔'' وہ اس لمحے اعتراف کے بہت سے لمحوں کو سمیٹتی ہوئی اقرار کر رہی تھی۔

محبت کے اس احساس کو حدت کو اور اس کی تمام تر شدت کو محسوس کرنے کے لیے اس نے اپنی آنکھیں بہت آہستگی سے میچی تھیں۔ اس محبت کو' اس محبت کے خیال کو تصور میں دیکھنا چاہتی تھی وہ۔ وہ محبت کی انگلی تھام کر ابھی چلی ہی تھی کہ.....

''علما.....!'' کتنے دھیمے پن' مدھم انداز میں اسے پکارا تھا۔ آواز کس قدر مانوس تھی۔ لہجہ کس قدر شناسا سا تھا' انداز کسی قدر جانا پہچانا تھا' اس آواز سے تو وہ واقف تھی۔

''سبکتگین پلیز مجھے ڈسٹرب مت کرو میں تمہارے متعلق سوچنا بھی نہیں چاہتی' بہت برے ہو تم بے حد برے۔'' اس نے سب کچھ خیال جان کر جھٹلانا چاہا تھا۔

''علما' پلیز آنکھیں کھولو اپنی۔'' کوئی آواز پھر سرگوشی بنی تھی۔

''سبکتگین کہانا نفرت ہے مجھے تم سے کیوں ستانے آ گئے ہو مجھے تم۔'' اس نے پھر اس شخص کے خیال کو جھٹکا تھا۔

''علما بخاری باہر آ جاؤ خوابوں سے اب' بہت تفریح کر چکیں تم اپنے ان محترم عامر رضا عرف جنگلی کوے کے ہمراہ۔'' کسی نے اب کے اسے جھنجھوڑ ڈالا تھا اور وہ فوراً ہی آنکھیں کھولنے پر مجبور ہو گئی تھی۔

''سبکتگین تم.....!'' اسے سامنے دیکھ کر وہ بیزار سے انداز میں بولی تھی۔

''کیوں تمہیں اپنے اس جنگلی کوے کا انتظار تھا۔'' وہ شرارت سے مسکرا رہا تھا۔

''پلیز.....!'' اس نے جیسے اسے باز رکھنا چاہا۔ تبھی وہ خاموش ہو کر بہت نرمی سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔

''بہت سیر کر چکیں تم۔ اب جاگ جاؤ شاباش جانے کیوں تمہیں اس شخص کو سوچ کر لطف ملتا ہے' حالانکہ اس میں ایسا کچھ سوچنے لائق ہے ہی کہاں۔''

''تم رات کے اس وقت مجھے فقط یہی بتانے آئے ہو۔'' کس قدر روڈ تھا خود اس کا لہجہ' وہ خاموشی سے اسے تکتا رہا۔ پھر مسکرا دیا۔

''نہیں۔'' بہت مدھم انداز میں سبکتگین غزنوی نے جواب دیا تھا۔ پھر اسی آہستگی سے واپس پلیٹ گیا۔ وہ بہت حیرت سے اسے جاتا ہوا دیکھتی رہی تھی۔ وہ کچھ بھی سمجھنے سے قاصر تھی اور یہ شخص ایک سمجھ میں نہ آنے والا سوال ہو چلا تھا

اس نے جیسے تھک کر اس جانب سے نگاہ ہٹا کر سامنے مرکوز کی تھی اور تبھی سامنے ٹیبل پر دھرے اس خوب صورت بکے اور گفٹ پر نگاہ پڑی تھی۔ وہ جیسے لمحہ کو ٹھٹھک کر رہ گئی تھی۔ پھر بہت ہولے سے بکے کو اٹھایا

تھا۔ ایک مہلتا ہوا کارڈ زاس کے ہاتھ میں تھا ے

ہیپی برتھ ڈے ٹو یو......!

''اوہ......!''اس نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

''سبکتگین کتنے بھلے بندے ہو تم مگر......!''ایک دھیمی سی مسکراہٹ اس کے لبوں کا حصار کر گئی تھی اور اس کی نگاہیں گفٹ پر جا ٹکیں تھیں۔ اور وہ تمام کدورت اور خفگی ایک طرف رکھتے ہوئے گفٹ کھولنے لگی تھی۔

گھڑی کا بجتا ہوا الارم بتا رہا تھا کہ بارہ بج چکے تھے اور اس کا جنم دن شروع ہو چکا تھا۔

☆......☆......☆......☆

الجھے نین رستوں پر
رستوں پہ بکھری دھوپ!
دھوپ میں جلتے جلتے دیکھو
عمر جائے نہ بیت......!

اس کا مزاج قطعی ایسا نہ تھا کہ دل میں کسی کے خلاف بغض رکھتی۔ یا کینہ پالتی رہتی دل میں رکھنے کی قائل نہ تھی۔ ہاں جب کوئی بات اسے بری لگتی تھی تو وہ خفگی کا اظہار کرتی ضروری تھی۔ مگر یہ سب وقتی ہوتا تھا اور اس کے بعد اس بات کو وہیں اس مقام پر چھوڑ دیتی تھی۔

دوسرے معنوں میں وہ معاف کرنے میں دیر نہ لگاتی تھی اور اب تو پھر اسے اپنی غلطی کا اور کوتاہی کا احساس تھا۔ تبھی پہلی فرصت میں اس کے سامنے تھی۔

وہ ناشتے کی ٹیبل پر تھا۔ وہ آنٹی اور انکل کو سلام کرتی ہوئی اس کے سامنے آن بیٹھی وہ نظر انداز کیے چائے کے سپ لیتا ہوا نیوز پیپر دیکھتا رہا۔

''ہیلو گڈ مارننگ!'' کس قدر خوشی دلی سے مسکرائی تھی وہ، سبکتگین غزنوی ایک سرسری سی نگاہ اس پر ڈال کر پھر سے بغور اخبار کو پڑھنے لگا تھا۔ اس نے ہمت نہیں ہاری تھی اور مسکراتی ہوئی اسے دیکھتی رہی تھی۔

''میں نے سوچا صبح کا بریک فاسٹ آج آنٹی کے ہاتھ سے کیا جائے اور......!''اس نے اس کی توجہ نہ پاکر اخبار اس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا۔ وہ بہت بے تاثر انداز میں اسے ایک نظر دیکھ کر پھر سے اجنبی ہو گیا اور چائے کے سپ لینے لگا۔

''تھینک یو ویری مچ' گفٹ اچھا تھا۔''اس کی تمام تر اجنبیت کے باوجود وہ مسکراتی ہوئی خوشدلی سے گویا تھی۔ مگر وہ کچھ نہیں بولا تھا۔

''اے سبکتگین ٹھونستے ہوئے بات کرنا منع ہے کیا۔'' وہ مکمل دوستانہ انداز میں گویا تھی۔ آنٹی اس کا ناشتا لے آئی تھیں اور وہ چپ ہو کر ٹیبل کی سطح کو گھورنے لگی تھی۔

''تم دونوں میں کوئی جھگڑا ہے کیا؟'' آنٹی نے مسکراتے ہوئے ان دونوں کو دیکھا تھا۔ وہ فوراً ہی اس

کی جانب دیکھتی سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔ تبھی وہ بولا تھا۔

''یہ پوچھئے جھگڑا کب نہیں ہوتا۔''

''اور وجہ کیا ہوتی ہے۔ کس کے باعث ہوتا ہے یہ سب کچھ.....؟'' وہ فوراً ہی اسباب ڈھونڈنے نکلی تھی۔

''عامر رضا!'' وہ بہت رسانیت سے مسکراتا ہوا بولا تھا' اور اس کے ضبط کی آزمائش پھر سے شروع ہو چکی تھی۔ ثمینہ آنٹی چونکہ ان سے واقف تھیں سو مسکراتی ہوئی سر نفی میں ہلانے لگی تھیں۔

''بس بس اب پھر سے شروع مت ہو جانا۔'' ثمینہ آنٹی نے دودھ کا گلاس علما کے سامنے رکھا تھا۔

''آنٹی میں کہاں یہ تو بس۔'' وہ تھک کر سر جھکا گئی۔ وہ خوشدلی سے مسکرا دیا

''تم مان کیوں نہیں لیتیں کہ سارے فساد کی جڑ وہی ایک شخص ہے۔''

''فساد کی جڑ وہی ایک شخص ہے۔'' علما نے باقاعدہ اس شخص کی نقل اتاری۔

''وہ تمہیں جیسے آکر دعوت دیتا ہے نا۔''

ثمینہ آنٹی یکدم ہی ہنسنے لگیں۔ پھر علما کے خیال سے فوراً سبکتگین کی جانب دیکھنے لگیں۔

''شرم کرو چھوٹی بہن ہے۔ تم سب بھائیوں کو کوئی کام بھی ہے سوائے بہنوں کو تنگ کرنے کے۔'' علما نگاہ اٹھا کر سبکتگین غزنوی کو گھورنے لگی۔ وہ جو اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ یکدم ہی مسکرا دیا۔

''اب مزید نہیں ہاں' میں ذرا تمہارے بابا کو چائے دے لوں۔'' کہنے کے ساتھ ہی وہ پلٹ کر آگے بڑھ گئی تھیں۔

دونوں ایک دوسرے کو دیکھنے لگے تھے۔ سبکتگین کے لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ رکی ہوئی تھی۔

''بریک فاسٹ کرو بھئی۔ آج یونیورسٹی جانے کا پروگرام نہیں ہے کیا؟''

وہ سر اٹھا کر خاموشی سے دیکھنے لگی تھی۔

''شاباش ناراضگی مجھ سے ہے ان سامنے رکھے لوازمات سے تو نہیں۔'' وہ ایک بار پھر سے وہی سبکتگین غزنوی تھا اور تب وہ بہت آہستگی سے سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

''کتنے برے ہو گئے ہیں ہم۔ کتنی چھوٹی چھوٹی غیر اہم باتوں پر لڑنے جھگڑنے لگے ہیں۔'' اس کے لہجے میں تاسف ہی تاسف تھا۔

''اس شخص کو درمیان سے نکال دو سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' سبکتگین صاحب کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

''سبکتگین .....!'' وہ فقط اسی قدر کہہ سکی تھی۔ سبکتگین نے اس کے چہرے کو بغور دیکھا تھا۔ اس کی گہری آنکھوں کو بغور جانچا تھا۔ پھر ہولے سے مسکرا دیا تھا۔

''مذاق کر رہا ہوں یار! اب دوست ہونے کے ناطے اتنا حق تو محفوظ رکھتا ہوں۔ سمجھتی کیوں نہیں ہو تم ایسے تو اتنی ذہین بنتی ہو مگر.....'' اس نے جملہ ادھورا ہی چھوڑ دیا تھا۔ اور اسے دیکھنے لگا تھا۔ پھر اگلے ہی لمحے اپنا چوڑا مضبوط ہاتھ پھیلاتے ہوئے اس کے سامنے کر دیا تھا اور مسکراتے ہوئے بولا تھا۔

''چلو پر اس آئندہ اتنا تنگ نہیں کروں گا۔''

علما بخاری چند ثانیوں تک اسے دیکھتی رہی تھی۔ پھر جیسے مجبوراً اپنا نازک سا ہاتھ آگے بڑھا دیا تھا۔ اور اس گھڑی اس شخص کی آنکھوں میں کیسی چمک ہوئی تھی اور وہ متواتر خوشدلی سے مسکرا رہا تھا۔ علما نے ایک گہری سانس خارج کی تھی اور ناشتا کرنے لگی تھی۔

☆.....☆.....☆.....☆

خوش ہونا اور خوش نظر آنا دو الگ اور قدرے متضاد کیفیات ہیں انسان خوش ہو تو اسے کسی بات کے لیے تردد نہیں کرنا پڑتا۔ ہر شے اس کے اندر کے رنگ میں رنگنے لگتی ہے۔ ہر کیفیت اندر کے اس احساس سے بدل جاتی ہے۔ دل خوش ہو تو لب اپنے آپ مسکرانے پر مجبور ہو جاتے ہیں وجہ بے وجہ لبوں پر پھول کھلنے لگتے ہیں۔ مگر اندر دور تک ایک پر وحشت موسم رکا تھما ہو تو ہر شے بہت مشکل ہو جاتی ہے جاں مشکل میں ہو تو زبردستی لبوں کو پھیلانا خاصا دشوار لگتا ہے۔ اندر تک ایک گہری اداسی کا پہرہ ہو تو ہنسنا بے طرح مشکل لگتا ہے۔ مگر وہ سارے کام با آسانی کر رہی تھی۔

سارے وسوسوں کو ایک جانب رکھ کر' سارے خدشوں کو پس پشت ڈال کر' ساری منفی سوچوں کو جھٹکتے ہوئے وہ ہر کام معمول کے مطابق کیے جا رہی تھی۔ مطمئن نہیں تھی مگر مطمئن ظاہر کر رہی تھی خود کو۔ متواتر خوفزدہ تھی۔ مگر خود کو پر اعتماد ظاہر کر رہی تھی۔

اندر خدشے سر ابھار رہے تھے۔ مگر وہ مسکرا مسکرا کر تمام باتوں کو جھٹلائے جا رہی تھی۔ کتنے دن سے دوسری جانب سے پھر وہی چپ تھی۔ وہ صبح شام روز اپنا میل باکس چیک کرتی تھی شاید کوئی نامہ بر شاید کوئی پیام۔ مگر کہیں کچھ نہیں تھا۔ اس نے خود کو دلاسہ دیا تھا کہ ہاں یاد تو تھی میں اسے' تبھی تو برتھ ڈے پر اتنا کچھ بھیج دیا اور وہ ہر ہر صورت نکالتی تھی خود کو مطمئن کرنے کی' مگر.....

اس روز وہ یونیورسٹی سے واپس آ کر سو رہی تھی جب اس کی دوست نویرا کا فون آ گیا۔ اس کے انداز اس کا لہجہ بے حد بکھرا بکھرا سا تھا۔ وہ یکدم ہی بڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھی۔

''نویرا کیا ہوا' تم ٹھیک تو ہو۔ تم آج یونیورسٹی بھی نہیں آئیں اور اب پلیز میرا امتحان مت لو' بتاؤ تو ہوا کیا ہے'' وہ اس کے بے آواز رونے پر یکدم ہی پریشان ہوا تھی۔

''علما تم آ سکتی ہو میری طرف' بس تم آ جاؤ۔''

''او کے میں آ رہی ہوں'' وہ فوراً ہی فون رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''ماما میں نویرا کی طرف جا رہی ہوں۔'' اس نے اطلاع دی تھی۔

''خیریت اس وقت؟'' ماما نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ وہ سر زور زور سے اثبات میں ہلانے لگی تھی۔

''ہاں بس تھوڑی دیر میں آ جاؤں گی۔''

''مگر جاؤ گی کیسے تمہاری گاڑی تو ورکشاپ میں ہے۔'' ماما نے اسے بروقت یاد دلایا تھا

''اوہ.....!'' اس نے یکدم ایک گہری سانس خارج کی تھی۔ تبھی سامنے سے فانی آتا ہوا نظر آ گیا تھا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھی تھی۔

''فانی ایک ضروری کام ہے میرے ساتھ چلو۔'' اس کا ہاتھ تھام کر وہ بہت عجلت میں بولی تھی۔

''خیریت.....!''

''ہاں تم چلو تو..... راستے میں بتاتی ہوں۔'' اور وہاں پہنچ کر اس کی ساری ہمتیں جیسے جواب دے گئی تھیں۔

وہ انجائنا پین کے باعث تڑپ رہی تھی۔ ان دونوں نے اسے بروقت ہاسپٹل پہنچایا تھا۔ ٹریٹمنٹ کے باعث اس کی حالت سنبھل رہی تھی۔ تبھی فانی اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے باہر لے آیا تھا۔

''اس کا یہاں کوئی نہیں کیا۔''

''نہیں.....'' علما نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

''ایکچوئلی شی از بی لونگ ٹو بروکن فیملی' اس کی مدر تو اسٹیٹس میں ہیں اور فادر لاہور میں۔ یہ یہاں بطور پے انگ گیسٹ کے رہ رہی تھی۔ تبھی اس نے مجھے کال کیا۔ فانی اس کو میری مدد کی ضرورت ہے' شی از ان نیڈ آف ہیلپ میں اسے تنہا نہیں چھوڑ سکتی۔''

''تم رکنا چاہتی ہو؟'' فانی نے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''اگر ضرورت ہوئی تو ضرور۔'' اس کا لہجہ دھیما تھا۔ آنکھوں میں بہت سی اداسیاں اور الجھنیں غالب آنے لگی تھیں۔ وہ ہونٹ بھینچ کر فانی پر سے نگاہ ہٹا گئی تھی۔

''فانی وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ مجھے نہیں معلوم اس کے ساتھ ایسا کیوں ہوا۔ پرسوں جب ہماری ملاقات ہوئی تھی تو وہ بہت بکھری بکھری سی تھی۔'' بہت مدھم انداز میں کہہ کر وہ بہت سا ضبط اکٹھا کرنے لگی تھی۔ بہت سی ہمتوں کو اکٹھا کرنے لگی تھی۔

''فانی ایک مرد سے ایک لڑکی فقط محبت چاہتی ہے۔ یا پھر پروٹیکشن مجھے کبھی سمجھ نہیں آیا کہ اس کے باوجود وہ اپنا دامن کیوں چھڑانا چاہتا ہے اور نئی منزلوں اور راستوں کی سمت سفر کرنا چاہتا ہے۔ اسے بہت سے نئے جہاں ڈس کور کرنے کا اس قدر شوق کیوں ہوتا ہے۔ سبھی نہیں' مگر فانی یقین کرو بہت سے مرد ایسے ہیں جو ایسا کرتے ہیں۔'' اس کی آنکھوں میں رکا بہت سا دھواں اور اضطراب صاف ظاہر کر رہا تھا کہ وہ کس قدر مضمحل ہے۔ فانی بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

''فانی میں اس لڑکی سے ایک عرصے سے واقف ہوں' اگر کوئی اجنبی لڑکی ہوتی تو شاید میں بھی بہت سے لوگوں کی طرح اس واقعے کو سرسری لیتی یا پھر اس کی بابت فقط ہونٹ سکیڑ کر افسوس کرنے کے کچھ زیادہ نہیں کرتی' لیکن یہ میری دوست ہے' میں خود کو اس کے دکھ سے علیحدہ رکھ کر نہیں دیکھ سکتی۔ تم جانتے ہو اس کا قصور

کیا ہے۔ اس نے ایک شخص پر فقط اعتبار کیا تھا اندھا اعتبار۔

یہ چاہتی تھی اس کی زندگی میں آنے والا شخص نا صرف اسے پروٹکٹ کر کے بلکہ اسے اپنا سارا پیار بھی دے' دیکھا جائے تو یہ شرط کچھ اتنی کڑی بھی نہیں۔ مگر وہ شخص اعتبار دلانے کے باوجود ایسا نہیں کر سکا۔ تم جانتے ہو فانی دکھ کب ہوتا ہے۔ تب نہیں جب کچھ نہ ہو' بلکہ تب جب سب کچھ ہو کر ختم ہو جائے' مٹ جائے فنا ہو جائے۔ اس نہ ہونے کا احساس اور کچھ باقی نہ بچنے کا دکھ بہت ستاتا ہے۔ بہت' بہت زیادہ رلاتا ہے۔''

بہت مدھم تھا اس کا لہجہ' آواز دور جیسے کسی کنویں سے آ رہی تھی۔ فانی اس کے سامنے کھڑا چپ چاپ اسے دیکھ رہا تھا۔

''فانی تم جانتے ہو محبت اعتبار کا دوسرا نام ہے۔ جب اعتبار ٹوٹ جائے تو محبت بھی اپنے آپ ٹوٹ جاتی ہے۔ اس کا کوئی احساس بھی باقی نہیں رہتا۔ مگر یہ ٹوٹنے کا لمحہ جان لیوا ہوتا ہے' اس لڑکی کا قصور صرف یہ ہے کہ اس نے اعتبار کیا۔ اس شخص پر جس نے اسے اپنی چاہت کا یقین دلایا اور بالآخر ایک دن خود اس یقین کو کسی اور کا ہاتھ تھام کر توڑ دیا' بنا اس عہد گزشتہ کی پروا کیے۔ اس گزشتہ تعلق کو اہم جانے۔

فانی کیا واقعی یہ سب کچھ اس قدر آسان ہے ہاتھ چھڑا لینا اور راہ بدل لینا اور اس سے بھی بڑھ کر کسی نئے جہاں کی جانب گامزن ہو جانا۔''

یہ مرد ہمیشہ بہتر سے بہتر کی تلاش میں کیوں رہتے ہیں۔ اکتفا کرنے کی عادت ان میں ناپید کیوں ہوتی ہے۔

کیوں نہیں سمجھتے یہ کہ کسی کا مان اعتبار توڑ دینا ان کے لیے جس قدر آسان ہے کسی دوسرے فریق کے لیے اس کا احساس کس قدر جاں لیوا ہے اور.....'' اس کا لہجہ بہت بکھرنے لگا تھا۔ جب فانی نے اس کے ہاتھ کو بہت ہولے سے تھام کر اس کے شانے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا اور ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے ہونٹ بھینچ کر اسے دیکھتے ہوئے آنکھوں ہی آنکھوں میں اس کا حوصلہ بڑھانا چاہا تھا۔

تبھی نرس نے آ کر اسے نوریا کے پاس جانے کو کہا تھا اور تب وہ تیزی سے اس جانب بڑھ گئی تھی۔

وہ رات اس نے اس کے ساتھ ہاسپٹل میں گزاری تھی فانی واپس لوٹ گیا تھا۔ اگرچہ فانی نے اسے کہا تھا کہ وہ گھر چلی جائے وہ وہاں رکتا ہے۔ مگر اس نے منع کر دیا تھا۔ اس کی کیفیت صبح تک خاصی نارمل پر آ چکی تھی۔ اور وہ خاصا بہتر محسوس کر رہی تھی۔ فانی بھی بطور خاص وہاں پہنچا تھا۔ جب وہ ڈاکٹر سے اس کی کیفیت کے متعلق بات چیت کر رہی تھی۔ ڈاکٹر نے اب اس کی حالت کو بہتر قرار دیتے ہوئے اسے گھر لے جانے کی اجازت دے دی تھی۔ وہ ایک اطمینان بھری سانس خارج کرتی ہوئی واپس پلٹی تھی۔ جب فانی پر نگاہ ٹھہر گئی۔

''کیا ہوا کیسی ہے تمہاری دوست.....؟''

''ڈاکٹر نے اسے بہتر قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ ہم اسے اب گھر لے جا سکتے ہیں.....! تم نے ماما پاپا

کو مطمئن کر دیا تھا نا۔''

''ہاں مگر وہ لوگ آ رہے ہیں۔''

''اب اس کی ضرورت نہیں تم گھر فون کر کے منع کر دو۔ ہم گھر ہی جائیں گے اب۔''

''او کے!'' فانی نے بلا تردد سر ہلا دیا تھا۔

وہ دونوں اسے گھر لے آئے تھے۔ فانی تو اس کے بعد آفس چلا گیا تھا۔ مگر وہ اس دن یونیورسٹی نہیں گئی تھیں۔ نویرا کے پاس بیٹھی۔ اس سے باتیں کرتی رہی تھی۔ اسے جوک سنا سنا کر ہنساتی رہی تھی۔ خود بھی ہنستی رہی تھی۔ مگر اندر کوئی شے اسے تڑپا رہی تھی۔

بہت زور سے قہقہہ لگاتے ہوئے بھی گزشتہ شب کی درد میں ڈوبی ہوئی نویرا کی آواز وہ نظر انداز نہیں کر پا رہی تھی۔

کیا اس کا اور نویرا کا درد واقعی قابل مشترک تھا کیا اس کے ساتھ بھی.....'' اور اس سے آگے اس سے سوچا نہیں گیا تھا۔ وہ یکدم ہی سر نفی میں ہلاتی ہوئی ہنستی چلی گئی تھی۔ نویرا نے اس کا ہاتھ مسکراتے ہوئے بہت دھیرے سے تھام لیا تھا۔

''علما تھینک یو ویری مچ تم بہت اچھی ہو' میں تمہاری احسان مند ہوں۔'' اس کی آواز اور لہجہ مدھم تھا۔ مشکور سا اور وہ نفی میں سر ہلاتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

''کم آن ڈونٹ تھنک اوور' کوئی احسان نہیں ہے یہ دوست ہو تم میری اور فرینڈ شپ میں تھینکس اور سوری کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔'' تبھی ماما آ گئی تھیں۔

''تم نے بہت اچھا کیا نویرا کو یہاں لا کر اب یہیں رہنا۔''

''نہیں آنٹی..... وہ.....'' نویرا نے ہولے سے کچھ کہنے کو لب کھولے۔

''دوسروں کے گھر پے انگ گیسٹ بن کر رہ سکتی ہو۔ ہمارے گھر نہیں اگر ہم علما کے کچھ لگتے ہیں تو تمہارے نہیں' بس اب زیادہ تردد نہیں کچھ نہیں سنوں گی میں اس کے متعلق صبح علما کے پاپا بھی یہی کہہ رہے تھے اور ابا جی بھی۔ اب تم..... یہیں رہو گی ہم جہاں دو بیٹیوں کو کھلا سکتے ہیں وہاں تین بھی ہم پر بوجھ نہیں ہوں گی۔''

کس قدر محبت میں ڈوبا ہوا تھا ماما کا لہجہ علما مسکراتی ہوئی پہلے انہیں اور پھر نویرا کو دیکھنے لگی تھی۔ اس کی آنکھوں میں کتنے بہت سے موتی چمک رہے تھے۔ یقیناً وہ تشکر کے موتی تھے۔

''ماما بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ میں فانی سے کہوں گی وہ شام میں ہی جا کر تمہارا سامان وہاں سے لے آئے گا۔''

نویرا سر جھکائے ہونٹ کچلنے لگی تھی۔ تبھی ماما نے اسے دیکھتے ہوئے اس کا سر اپنے شانے سے لگا لیا تھا۔

''میرے بچے' تم ہمیں علما اور سنیعہ کی طرح عزیز ہو۔'' اور نویرا کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ کتنے ہی موتی ٹوٹ کر ماما کے شانے میں جذب ہوتے چلے گئے تھے۔ علما مطمئن سی ایک گہری سانس خارج کرتی ہوئی

اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

☆.....☆.....☆.....☆

آدھی ویرانی

مکمل ویران سے زیادہ ویرانی ہوتی ہے۔

اگر چہ اپنے اندر ان دنوں ایک ویرانی سی چھا رہی تھی۔ مگر وہ کچھ بھی محسوس کرنا نہیں چاہتی۔ کوئی بھی برا منظر دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ دوسرے معنوں میں وہ خوش گمانی کے وسیع جنگلوں میں ''لکن مٹی'' کا کھیل کھیلنا چاہتی تھی۔ خود سے چھپنا چاہتی تھی اور خود کو دوسروں سے چھپانا چاہتی تھی۔ شاید وہ بہت بزدل ہو چکی تھی۔ کبھی کبھی خود کو دھوکے دینے کا عمل بھی بہت ضروری ہوتا ہے کسی ممکنہ خطرے کو ٹالنے کے لیے خوش گمانی کی بکل مارنا ضروری ہو ہی جایا کرتا ہے۔

اور وہ بھی دانستہ ایسا چاہتی تھی۔ روز اسے ای میل بھیجنا اور روز اسی تواتر سے اپنا میل باکس چیک کرنا۔ مگر کہیں کوئی ری ٹیلی ایشن نہیں تھا۔ مگر اس کے باوجود وہ لبوں پر مسکراہٹ سجائے سب کے درمیان مسکراتی رہتی تھی، سنتی رہتی تھی اور ہنساتی رہتی تھی۔ سنیعہ اور اس میں ایج ڈفرنس تھا جس کے باعث اکثر وہ تنہائی محسوس کرتی تھی۔ مگر نویرا ملک کے آ جانے سے اسے ایک اچھی کمپنی مل گئی تھی۔ وہ دونوں بیٹھیں گھنٹوں باتیں کرتی رہتیں اور ہستی رہتیں۔ دادا ابا اور ماما پاپا سمیت صورت حال خاصی اطمینان بخش تھی جبکہ سکتگین صاحب جانے کیوں بہت جانچتی نظروں سے اسے دیکھتے نظر آتے اور ایسے میں وہ اور بھی زور سے ہنسنے لگتی تھی۔

اس دن بھی جب وہ افشاں، جاذب، سلمان اور فانی کے ساتھ بیٹھی اس طرح ہنس رہی تھی۔ جب وہ میرے سامنے آ بیٹھا۔

''لوگ کچھ زیادہ ہی نہیں ہنسنے لگے ان دونوں۔'' بنا کسی کو مخاطب کیے وہ اسے بغور تکتا ہوا بولا تھا۔ اور وہ اس کی جانب دیکھنے کے بجائے نویرا ملک کی جانب دیکھنے لگی تھی۔ پھر بہت بھرپور انداز میں مسکراتی ہوئی ان سب کی جانب دیکھنے لگی تھی۔

''ایک جوک سنو۔ ایک جنگل میں..... ایک شیر کی شادی ہو رہی تھی۔ شیر چونکہ جنگل کا بادشاہ تھا سو جشن بھی شایان شان منایا جا رہا تھا۔ سبھی جانور ہلے گلے میں پیش پیش تھے۔ مگر ایک چوہا بہت زیادہ جوش و خروش سے بھنگڑا ڈال رہا تھا۔ اسے دیکھ کر باقی سب جانور بہت حیران ہو رہے تھے۔ آخر کار کسی ایک جانور نے ہمت کر کے دریافت کیا۔

''سنو شادی تو شیر کی ہو رہی ہے تم اتنی خوشی سے کیوں ناچ رہے ہو؟''

''ارے یار میرے بھائی کی شادی ہے۔ تبھی تو کہہ رہا ہوں اوئے مینوں نچ لین دیو۔'' یہ نعرہ لگا کر وہ پھر جوش و خروش سے بھنگڑا ڈالنے لگا، تب جانور نے حیران ہو کر دریافت کیا۔

''تمہارا بھائی..... لیکن وہ تو شیر ہے اور تم چوہے۔''

یہ سن کر چوہا بولا۔ ''یار پہلے میں بھی شیر ہی تھا۔ مگر شادی کے بعد چوہا ہو گیا۔ ہاہاہا.....'' علما کا فلک شگاف قہقہہ فضا میں بلند ہوا تھا اور باقی سب بھی ہنستے چلے گئے تھے۔

''ایک بہت اچھا سا جوک مجھے بھی آتا ہے۔'' سبکتگین غزنوی نے اسے دیکھتے ہوئے میدان میں قدم رکھا تھا۔ اس کے لبوں پر رکا تبسم کہہ رہا تھا کہ ضرور کوئی وار ہوگا۔ مگر وہ ایک مسکراتی نگاہ ڈال کر چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

سبکتگین نے لطیفہ سنا دیا تھا۔ ہال کمرہ قہقہوں سے گونج گیا تھا۔ مگر اب کی بار علما بخاری نہیں مسکرائی تھی۔ چپ چاپ سی اسے دیکھتی رہی تھی اور اس لمحے اس شخص کے لبوں پر وہی ازلی مسکراہٹ تھی۔ جیسے وہ اس کے اندر تلاطم برپا کر کے بے حد مطمئن تھا۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو میں نے تو جوک سنایا ہے فقط۔ تمہیں اخلاقاً ہی ہنس لینا چاہیے تھا حالانکہ تمہارا سنس آف ہیومر اتنا برا بھی نہیں۔'' وہ یقیناً چھڑ رہا تھا۔

''جب مجھے ہنسی نہیں آئی تو میں کیوں ہنسوں۔''

''تم نے چوہے کا جوک سنایا تو مجھے بے ساختہ ہی ایک جنگلی کو یاد آ گیا۔'' اس کا قہقہہ بے حد بھرپور تھا۔

''سبکتگین اسٹاپ اٹ یار' میری بہن کو تنگ مت کرو۔'' فانی نے بیچ میں آ کر اس کی حمایت کی تھی۔

''میں کہاں تنگ کر رہا ہوں۔ میں نے تو فقط جوک سنایا ہے۔'' اس کے لبوں پر بدستور مسکراہٹ تھی۔ نویرا ملک پہلے سے اس کے متعلق جانتی تھی اور اب اتنے دنوں میں کافی حد تک اس کے مزاج کو سمجھ بھی گئی تھی تبھی وہ دلچسپی کے ساتھ صورت حال دیکھ رہی تھی۔

سلمان کو شاید صورت حال کی سنگینی کا احساس تھا تبھی وہ فوراً ہی بیچ میں کود تھا۔

''ایک نظم سناتا ہوں۔ بہت اچھی ہے فانی بھائی آپ بھی سنیے۔'' اس نے مسکرا کر فانی کو بطور خاص متوجہ کیا تھا جس کی نگاہیں اس لمحے بے وجہ کسی کے چہرے میں الجھی ہوئی تھیں۔ فانی صاحب چوری پکڑے جانے پر مسکرا دیئے تھے۔ تبھی سلمان لہجے کو بہت پرفسوں بناتے ہوئے نظم سنانے لگا۔

محبت کے موسم
زمانے کے سب موسموں سے نرالے
بہار و خزاں ان کی سب سے جدا
الگ ان کا سوکھا' الگ ہے گھٹا
محبت کے خطے کی آب و ہوا
ماوراء ان کے عناصر سے جو
موسموں کے تغیر کی بنیاد ہیں
یہ زمان و مکان کے کم و بیش سے

ایسے آزاد ہیں
جیسے صبح ازل، جیسے شام فنا
شب و روز عالم کے احکام کو
یہ محبت کے موسم نہیں مانتے
زندگی کی مسافت کے انجام کو
یہ محبت کے موسم نہیں مانتے!
رفاقت کی خوشبو سے خالی ہے جو
یہ کوئی ایسا منظر نہیں دیکھتے
وفا کے علاوہ کسی کام کو
یہ محبت کے موسم نہیں مانتے!

تبھی عین موقع پر سبکتگین صاحب نے لقمہ دینا ضروری خیال کیا تھا۔

کوئی دو آنکھوں سے اندھا ہو
یا اک آنکھ سے کانا ہو
یہ محبت کے موسم نہیں مانتے
کوئی سفید کبوتر ہو یا پھر
جنگلی کوا ہو
یہ محبت کے موسم نہیں مانتے!

سبھی بے ساختہ ہنستے چلے گئے تھے۔

''سبکتگین ڈونٹ بی اسٹوپڈ سلمان نے اچھی خاصی نظم سنائی ہے۔'' نویرا نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ ساتھ ہی اس کے پھولے ہوئے منہ پر نظر کی تھی۔ وہ قدرے اجنبی ہو کر دوسری جانب دیکھنے لگی تھی۔ انداز بتا رہا تھا خفگی سر اٹھا چکی ہے، مگر سبکتگین صاحب کے لبوں کا تبسم بتا رہا تھا کہ اسے کسی کو خفگی کی مطلق کوئی پروا نہیں۔

''حالانکہ میں نے خاصی حقیقت پر مبنی شاعری سنائی تھی۔ مجھے تو امید تھی مجھے داد ملے گی۔ مگر لوگ تو.....'' وہ زیر لب مسکراتے ہوئے علما بخاری کی جانب دیکھ رہا تھا۔ فانی نے اس کے گرد اپنا بازو حمائل کیا تھا

''میری بہن بہت اچھی ہے۔ کچھ ہی عرصے کی تو مہمان ہے۔ سبکتگین اب تم اسے مت ستایا کرو۔''

''یار فانی میں کہاں ستاتا ہوں۔ پوچھ لو ہم کتنے اچھے دوست ہیں۔'' سبکتگین نے مسکراتے ہوئے اس پر نگاہ کی تھی۔

''تمہیں کس نے کہا تھا اتنی حقیقت پر مبنی شاعری پڑھنے کو۔'' نویرا نے اسے مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔ جب وہ یکدم ہی مسکرا دیا تھا۔

''نوریا ملک تم نا صرف دنیا کی حسین ترین لڑکی ہو بلکہ ذہین وفطین بھی ہو۔'' علما بخاری پر بغور نگاہ جماتے ہوئے وہ گویا ہوا تھا۔ ''پہلے میں فقط یہی سوچتا تھا کہ حسین چہرے عقل سے خالی ہوتے ہیں اور ان کے دماغ میں ماسوائے بھوسے کے اور کچھ نہیں ہوتا مگر تم وہ واحد لڑکی ہو جس نے مجھے اپنی رائے بدلنے پر مجبور کر دیا یو آر ریئلی انٹیلکچوئیل گرل!'' وہ جلتی پر تیل چھڑک رہا تھا۔ لبوں کا تبسم اور بھی گہرا ہو چلا تھا۔

''تم لوگوں کی نگاہ حسین خدوخال سے آگے بڑھے تو کچھ دیکھو بھی فقط حسین چہرہ دیکھ کر ہی سدھ بدھ گنوا بیٹھتے ہو ہوش قائم رکھ سکو تو عقل وخرد بھی ناپونا!'' علما بخاری نے ایک گہرا طنز کیا تھا مگر وہ ہنستا چلا گیا تھا۔

''یار میرا خیال ہے یہاں کا ٹمپریچر خطرناک حد تک بڑھ چکا ہے سو ایک چکر اسنوپی کا لگا لیا جائے۔'' جاذب نے عین موقع پر نادر مشورہ دیا۔

''ڈیٹس گڈ' چلو اٹھو فوراً سب۔'' سلمان نے مہر ثبت کی تھی۔ سب اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ مگر وہ یونہی سر جھکائے سوچوں میں الجھی بیٹھی رہی تھی۔ سبکتگین نے اسے دیکھا تھا پھر جھک کر گھٹنے ٹیک کر اس کے سامنے بیٹھ گیا تھا ے

''سنو علما بخاری کیا تم اس بات کی منتظر ہو کہ تمہیں کوئی اٹھا کر لے جائے!''

''آں..... ہاں.....'' وہ بے طرح چونکی تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے اسے دیکھنے لگا تھا۔

''کیا واقعی اٹھا لوں.....'' لبوں کا تبسم بہت گہرا تھا۔ مگر وہ اسے یکدم ہی دونوں ہاتھوں سے دھکا دے کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ دیکھ رہا تھا گہری نظروں سے۔

شدت عشق خیر ہو تیری .....!
کیسے عالم میں لاکر چھوڑ دیا

کتنا مدھر لہجہ تھا اس کا علما بخاری کے لبوں پر مسکراہٹ آ چکی تھی اور یہی اطمینان اس کے لیے کافی تھا۔

☆.....☆.....☆.....☆

اس طرح گزریں گے زندگی کے روز وشب
تم سے ملنا کچھ نہ کہنا اور شب بھر سوچنا

زندگی میں کبھی کبھی کچھ ہونے اور نہ ہونے کی اصطلاح کس قدر تضاد رکھتی ہے۔ کبھی کبھی سب کچھ ہوتا ہے پاس شاید بہت کچھ' سب کچھ۔ مگر ایسے میں فقط ایک شے کی نہ ہونے کی علامت کس قدر ٹھوس اور حتمی لگتی ہے۔

سب کچھ ہونے کے باوجود کوئی ایک خواہش دل کی چوکھٹ پر سر پٹختی رہتی ہے۔ بے بسی سے کراتی رہتی ہے۔

''سب کچھ ہونا اور کچھ نہ ہونا۔'' شاید اسی ایک لمحے کی عکاسی کرتا ہے۔ یہ درد مسلسل ہر تسکین پر حاوی ہونے لگتا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ساری خوشیوں پر یہ ''ایک نہ ہونا'' اس طرح حاوی ہوتا ہے کہ پھر سب

کچھ ہونا بھی بے معنی ہو جاتا ہے۔

سبکتگین غزنوی کتنی ہی دیر تک گاڑی سڑکوں پر دوڑاتا رہا تھا۔

وہ گاڑی پورچ میں کھڑی کر رہا تھا جب وہ نظر آ گئی' اسے دیکھ کر وہ رک گیا وہ بھی اس کی جانب چلی آئی۔

''کہاں تھے تم.....؟'' پہلی فرصت میں سوال کیا گیا تھا۔ وہ خاموشی سے دیکھتے ہوئے چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔

''تم اب تک جاگ رہی ہو۔؟'' بہت مدھم لہجے میں سوال کیا گیا تھا۔ مگر وہ خاموشی سے سر جھکا گئی تھی۔ صبیح چہرے پر یہاں سے وہاں تک بہت سے سوال تھے۔ سبکتگین غزنوی دیکھتا گیا تھا۔ پھر ہولے سے مسکرا دیا۔

''میرا انتظار کر رہی تھی کیا.....؟'' وہ شاید اس کا دھیان بٹانا چاہتا تھا۔ علما نے نازک سے ہاتھ کا مکا بنا کر اس کے چوڑے شانے پر دے مارا تھا۔ لمحہ بھر میں اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل چکی تھی۔

''ہاں اب ایک ہی تو کام رہ گیا ہے میرے پاس۔'' باقاعدہ گھورتے ہوئے طنز بھی فرمایا گیا تھا۔ وہ بغور تکتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

''کر لو تو کوئی حرج بھی نہیں.....''

''ڈھونڈو گے گر ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم.....''

علما دھیمے سے مسکرا دی تھی۔

''منہ دھو رکھو۔''

سبکتگین غزنوی مسکرا دیا تھا۔ نظریں متواتر اس کے چہرے پر ٹکی رہی تھیں۔ وہ سر جھکائے کھڑی ہیں گھڑی بہت' مضطرب نظر آ رہی تھی۔ کوئی اور موقع ہوتا تو وہ اسے چھیڑنے سے باز نہیں رہتا مگر اس گھڑی وہ فقط خاموشی سے اسے تکتا رہا تھا۔ یقیناً وہ صورت حال سمجھ سکتا تھا اور اس گھڑی جو وہ اخذ کر رہا تھا وہ ہی درست بھی تھا۔

''پریشان ہو؟'' بہت ہولے سے اس نے دریافت کیا تھا۔

''نن.....نہیں.....'' وہ چونکتے ہوئے سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

''پھر.....؟'' سبکتگین بغور اس کے چہرے کو تکنے لگا تھا۔

وہ سر جھکائے مضطرب انداز میں ہونٹ کچلتی رہی تھی پھر جھنجھلا کر سر اٹھایا تھا۔ اور اسے دیکھنے لگی تھی۔

''سبکتگین مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔''

''کیوں.....؟'' وہ حیران نہیں ہوا تھا۔ اور تب وہ سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

''پتہ نہیں.....مگر ان دنوں مجھے واقعی بہت ڈر لگ رہا ہے۔ پتہ نہیں کس بات کے کھونے کا احساس مجھے ڈرائے جا رہا ہے اور.....'' وہ بولے جا رہی تھی جب سبکتگین نے یکدم اسے روک دیا۔

''عامر رضا.....؟'' وہ وجہ سے ناواقف نہیں تھا۔ شاید چاہتا تھا کہ وہ خود بیان کرے خود اس احساس کو

سمجھے مگر جب وہ الجھتی ہوئی مسلسل خود کو سمجھا نہیں پائی تبھی اس نے بہت ہولے سے اصل سبب علما بخاری کے سامنے رکھ دیا تھا اور وہ کتنی ہی دیر تک بنا کچھ کہے چپ چاپ اسے دیکھتی رہی تھی۔ پھر یکدم ہی گہری سانس خارج کرتے ہوئے جانے کو پلٹی تھی۔

جب سبکتگین غزنوی نے کوئی حق محفوظ نہ رکھتے ہوئے بھی اس کے نازک سے ہاتھ کو اپنی مضبوط گرفت میں لے لیا تھا۔ وہ پلٹی تھی اور اسے حیرت سے دیکھنے لگی تھی۔

سبکتگین غزنوی کچھ دیر تک یونہی چپ چاپ اسے تکتا رہا تھا۔ پھر ہولے سے بولا تھا۔

''کیا تم مجھ پر اب اتنا اعتبار بھی نہیں کرتی ہو کہ مجھ سے اپنے دکھ سکھ بانٹ سکو۔'' کتنا مدھم لہجہ تھا۔ مگر کیا کیا شکوے پنہاں نہ تھے اس لہجے میں! علما بخاری چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ پھر سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

''نہیں ایسی بات نہیں۔''

''پھر.....؟'' وہ سوالیہ نظروں سے تکتا گیا تھا۔

''میں تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتی۔'' وہ بہت مدھم لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

''اور خود.....؟'' سبکتگین غزنوی نے اس کے چہرے پر اپنی نگاہیں ہٹائی نہیں تھیں۔ وہ اس کی جانب دیکھنے لگی تھی۔ پھر سر جھکا گئی تھی۔

''سبکتگین میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔'' وہ بے بسی سے کہتی ہوئی اس گھڑی بہت مضمحل سی دکھائی دی تھی اور اس لمحے میں سبکتگین غزنوی کا سارا اندر اس بھیگتے لہجے کی نمی سے بھیگتا گیا تھا۔ وہ بہت مدھم لہجے میں بول رہی تھی۔

''کبھی کبھی بہت سی چیزیں ہم بانٹ نہیں بھی پاتے سبکتگین.....ایسا اس لیے نہیں ہوتا کہ ہمیں کسی پر اعتبار نہیں ہوتا بلکہ اس لیے بھی ہوتا ہے کہ ہم کسی اپنے کو اس تمام جھنجھٹ سے پریشانی سے دور رکھنا چاہتے ہیں' تم سو جاؤ' پھر بات کریں گے گڈ نائٹ!''

وہ کہہ کر پلٹی تھی' اور پھر چلتی ہوئی اس سے دور ہوتی چلی گئی تھی اور اس کے گرد لفظ پھیلنے لگے تھے۔

سبکتگین غزنوی کتنی ہی دیر وہاں کھڑا اس جانب دیکھتا رہا تھا۔ جہاں اب وہ کہیں بھی نہیں تھی۔ مگر جانے کیوں اس شخص کی آنکھیں اب بھی انہی راستوں پر الجھی ہوئی تھیں۔

☆.....☆.....☆.....☆

زندگی
دھوبن چڑیا
اجلے پروں کا لباس
پاؤں جوتوں سے بے نیاز
آنکھوں میں بھوری نیلی آس

زبان پر سمندر کی پیاس!

سب کچھ معمول پر تھا۔ سبھی کچھ حتیٰ کہ اس نے بھی خود کو ایک بار پھر مطمئن کر کے اسی راہ پر ڈال دیا تھا۔ اور ایک بار پھر اسی ذوق وشوق کے ساتھ اپنے شام کے نام ڈھیروں پتیاں لکھنے لگی تھی۔

سبکتگین نے اسے فقط خاموشی سے دیکھا تھا۔ کہا کچھ نہیں تھا۔ پتہ نہیں کیوں آج کل اس نے اسے تنگ کرنا بہت کم کر دیا تھا۔ سامنا بھی بہت کم ہوتا اکثر سامنا ہوتا بھی تو بات چند رسمی جملوں سے آگے نہ بڑھتی۔ پتہ نہیں کہاں بزی رہتا تھا وہ ان دنوں..... علما بخاری نے سوچا تھا کہ وہ اس سے ملے گی تو ضرور اس کی بابت دریافت کرے گی۔ مگر وہ خود اس قدر مگن رہتی تھی کہ اکثر اس بابت بھول جاتی تھی' وہ کمپیوٹر کے سامنے بیٹھی تھی جب ماما کی آواز اس کے کان میں پڑی تھی وہ اس سے اسی بابت دریافت کر رہی تھیں۔

''سبکتگین کہاں ہوتے ہو آج کل نظر ہی نہیں آتے.....؟''

''آنٹی مصروفیات بڑھ گئی ہیں کوشش کرتا ہوں وقت نکال پاؤں مگر وقت ہی نہیں ملتا۔'' وہ یقیناً جواز پیش کرتے ہوئے قصداً مسکرا رہا تھا۔

''تم ان دنوں واقعی بہت تیز رفتاری سے بھاگ رہے ہو۔'' نویرا ملک بھی وہیں موجود تھی۔

''کہو کس سے بھاگ رہے ہو زندگی سے یا.....''

جانے کیوں نویرا ملک نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا اور سبکتگین غزنوی کا بے ساختہ قہقہہ پورے ماحول پر چھا گیا تھا۔ جانے کیوں۔

علما بخاری کی پوری توجہ اس گھڑی اس جانب مبذول ہو کر رہ گئی تھی۔

''لڑکی میں نے کہا تھا نا تم بہت زیادہ ذہین ہو مگر سنو میں اس سچ سے دفعتاً نگاہ چرانا چاہتا ہوں۔ کیونکہ تم خطرناک حد تک ذہین ثابت ہو رہی ہو۔'' وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ انداز بتا رہا تھا وہ غیر سنجیدہ ہے۔

''آپ بات بدل کر مجھے دھوکہ دینے کی کوشش مت کریں۔'' نویرا ملک جانے بضد تھی۔ کیا جاننے کی مشتاق تھی وہ۔ مسکراتے لہجے میں کیسا تجسس بول رہا تھا۔ علما بخاری کے کی بورڈ پر متحرک نازک ہاتھ یکدم ہی تھم گئے تھے۔

''خوبصورت لڑکیوں کو کون دھوکا دے سکتا ہے۔'' سبکتگین صاحب کا جاندار قہقہہ ایک بار پھر ماحول کو اپنی گرفت میں لے چکا تھا۔ اور یقیناً نویرا ملک سرنفی میں ہلانے لگی تھی۔

''بہت مضحکہ خیز صورت حال جانتے ہو کب ہوتی ہے' جب انسان خود کو دھوکا دینا شروع کرتا ہے۔''

وہ جانے کیا باور کرانا چاہتی تھی اور جواباً کتنی ہی دیر خاموش رہی تھی شاید سبکتگین غزنوی کے پاس کوئی جواب نہ تھا یا پھر واقعی وہ لاجواب ہو چکا تھا۔

''چپ کیوں ہو گئے۔'' نویرا ملک کی مسکراتی ہوئی مخلوط ہوتی آواز ابھری تھی۔

''جب حسن بولتا ہے تو مقابل کے پاس بولنے کو کچھ نہیں بچتا۔'' وہ ہنس رہا تھا۔

''حسن کے تخاطب کے آگے بڑے بڑے بے بس نظر آتے ہیں ہم تو پھر۔'' سبکتگین کھلکھلا رہا تھا وہ بُت سی بیٹھی ہاتھ روکے مونیٹر اسکرین کو دیکھے جا رہی تھی۔ جب اس کا ذکر ہوا۔

''وہ پگلی کہاں ہے؟'' سبکتگین کا لہجہ بہت مدھم تھا۔ ''کون.....؟'' نویرا ملک چونکی تھی۔ پھر یکدم ہنس پڑی۔ ''اچھا علما' وہ بزی ہے۔ کمپیوٹر کے سامنے بیٹھی ہے۔''

اور تب دوسری جانب چند لمحے کو خاموشی چھائی رہی تھی۔ پھر وہ گہری سانس خارج کرتے ہوئے گویا ہوا تھا۔

''وہی پاگل پن۔''

''یہ پاگل پن نہیں ہے۔'' نویرا ملک نے اس کی حمایتی بن کر فوراً اسے روکا۔

''تو.....'' وہ یقیناً دھیمے سے مسکرا رہا تھا اس گھڑی۔

''محبت ایسی ہی ہوتی ہے.....'' نویرا ملک کا جواب مختصر مگر ٹھوس تھا۔ سبکتگین غزنوی کتنی ہی دیر چپ رہا تھا۔ تبھی نویرا ملک گویا ہوئی تھی۔

زحال مسکین مکن تغافل' ورائے نیناں بنائے بتیاں!
کہ تاب ہجراں ندہ وارم اے جاں' نہ لیہو کاہے لگائے
چھتیاں
چو شمع سوزاں چوذرہ حیراں زمہرآں بگشتم آخر
نہ نیند نیناں نہ انگ چیناں نہ آپ' آویں نہ بھیجیں پتیاں

''وہ پاگل نہیں ہے سبکتگین' محبت پاگل ہے عشق پاگل ہے خردمندی کا سکہ یہاں نہیں چلتا۔ ہوش مندی کا سبق اس میں کام نہیں آتا' جو فہم وفراست کی باتیں کرتے ہیں۔ وہ دانا محبت نہیں کرتے۔ محبت ایسے ہی جنوں کا نام ہے۔ کوئی کچھ بھی کہتا رہے۔ کچھ بھی کرتا رہے۔ چاروں طرف سے کان بند کر لینا۔ دیکھتے ہوئے آنکھیں زور سے میچ لینا۔ فقط دل کی انگلی تھامنا اور چلتے جانا' اسی کا نام چاہت ہے۔ اسی کو پیار کہتے ہیں۔ ہر ہر زاویے کو مثبت رخ پر موڑ دینا۔ کسی کی کوتاہی کو دیکھ کر ڈھانپ دینا اور مسلسل خوش گماں رہنا محبت ہے۔ تم اسے مت ستایا کرو' مت سمجھایا کرو' وہ غلط نہیں ہے وہ غلط ہو بھی نہیں سکتی۔''

کیونکہ وہ محبت کے سنگ چل رہی ہے وہ محبت اس کی ہمسفر ہے۔''

علما ہولے سے اٹھی تھی اور دروازے میں آن رکی تھی۔ تبھی عین اس لمحے سبکتگین کی نگاہ اس پر پڑی تھی۔ وہ خوشدلی سے مسکرا رہا تھا۔

''کہاں کس دیس میں خیمے لگا رکھے ہیں ان دنوں۔'' وہ اس کے سامنے جا رکی تھی۔ وہ مسکراتا ہوا اس کی سمت دیکھتا رہا تھا۔

''تم سے پوچھ رہی ہوں سبکتگین' کہاں غائب ہو تم' اتنے دنوں سے.....؟'' وہ اس کے جواب نہ

دینے پر ایک بار پھر بولی تھی اور وہ ہنس دیا تھا۔

''یار میں نے تو سوچا تھا تم خاصے سکون میں ہو گی۔''

''سبکتگین تم تو بس.....'' وہ مزید کچھ نہ کہہ سکی تھی۔ وہ اس کی سمت بغور تکتا رہا تھا۔ پھر اس کا لہجہ سرگوشی کی مانند ابھرا تھا۔

شدت عشق خیر ہو تیری .....!
کیسے عالم میں لا کر چھوڑ دیا!

وہ دھیمے سے مسکرایا تھا۔ وہ گھوڑنے لگی تھی۔ نویرا ملک ان دونوں کو دیکھتی ہوئی اس گھڑی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''میں چائے لے کر آتی ہوں تم دونوں کے لیے۔''

''نہیں میں چلوں گا اب' ایک ضروری کام سے جانا ہے۔'' سبکتگین غزنوی نے یکدم ہی نفی میں سر ہلاتے ہوئے اسے منع کر دیا تھا اور فوراً ہی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ علما اسے خاموشی سے بس تکتی رہی تھی۔ وہ متواتر مسکرا رہا تھا۔

''پھر ملیں گے اوکے۔'' وہ کہتا ہوا پاس سے نکل گیا تھا اور وہ نویرا ملک کی جانب دیکھتی ہوئی یکدم ہی واپس اندر پلٹ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆.....☆

اسے گرد سے سخت نفرت ہے
وہ ہر وقت اپنے کمرے کی کھڑکیوں
اور بک شیلف پر پڑی کتابوں کی گرد
جھاڑتی رہتی ہے
اب اسے کون بتائے کہ
اس کے اندر تو
گرد کی تہ جم چکی ہے!

وہ نویرا ملک کے ساتھ کتنی ہی دیر تک متواتر چلتی رہی تھی۔ نویرا ملک کو میلوں چلنے کا نہ تو کوئی شوق تھا نہ ہی خبط مگر وہ فقط علما بخاری کے کہنے پر اس کے ساتھ آ گئی تھی۔ مگر اب اس کی مسلسل خاموشی پر جانے کیوں اسے کوفت سی ہونے لگی تھی۔ ''علما میں تھک گئی ہوں۔'' وہ بادل نخواستہ بولی تھی اور وہ چونکتے ہوئے مسکرا دی تھی۔

''تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا واپس چلیں.....؟''

''نہیں تم چاہو تو میں مزید سزا بھگتنے کو تیار ہوں۔'' نویرا ملک مسکرائی تھی اور وہ یکدم ہی ہنسنے لگی تھی۔

''کیا میں تمہارے لیے سزا ہوں!'' نوریا ملک نے اسے مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔ پھر بولی تھی۔

''یہی سوال اگر تم نے سبکتگین سے کیا ہوتا تو اس کا جواب یقیناً بہت شگفتہ ہوتا۔ جانتی ہو وہ کیا کہتا۔

''اگر تم سزا ہو تو بہت دلفریب و دلربا ہو۔'' کہہ کر نوریا ملک ہنستی چلی گئی تھی۔ اس کے لبوں پر خفیف سا تبسم پھیلا تھا پھر وہ ہونٹ بھینچ کر سامنے پھیلے طویل راستے کی سمت تکنے لگی تھی۔

''یہ راستے کتنے عجیب ہوتے ہیں۔ جانے کب' کہاں' موڑ پر جا تھمیں' ختم ہو جائیں' خبر بھی نہیں ہوتی۔'' علما بخاری کی آواز بہت مدھم تھی' کھوئی کھوئی سی نوریا ملک اسے دیکھتی رہی تھی۔

''جانے کیوں ہم ہمیشہ راستوں کے تابع رہتے ہیں۔ بہت سے پھیلے ہوئے راستے انجان اجنبی۔ اور شوق تمنا' اس قدر کہ قدم ان پر اٹھتے چلے جاتے ہیں۔ حالانکہ کہیں نشان منزل نہیں ہوتا۔ مگر ایک خوش گمانی ہمیں سدا گھیرے رکھتی ہے۔ قدموں سے لپٹی رہتی ہے اور قدم رکتے ہی نہیں۔''

اور حد تو یہ ہے کہ ہم اس معاملے میں کوئی قیاس آرائی بھی نہیں کرتے۔ کوئی پلاننگ نہیں تیار کرتے۔ جیسے ہر شے مفلوج ہو جاتی ہے۔

فہم' عقل' ذہن' فراست' سب دھرا رہ جاتا ہے اور قدم ان راستوں پر پھیلتے چلے جاتے ہیں۔ ہمیں یہ شوق سفر اس طرح اکساتا ہے کہ پھر کچھ سوجھتا ہی نہیں۔

''ایسا کیوں ہوتا ہے نوریا۔؟''

اس کی نظریں جوں کی توں راستوں پر تھیں اور نوریا ملک اسے دیکھتے ہوئے سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

''علما ڈیئر سفر زندگی کی علامت ہے۔ جمود تو موت ہے۔ یہ راستوں پہ بھاگتے دوڑتے قدم زندگی کا احساس دلاتے ہیں۔ سفر تغیر کی جانب گامزن ہو کر اس جمود کو توڑتا ہے۔ اور.....''

''لیکن بے سمت سفر تو رائیگاں ہوتا ہے نا.....؟'' علما نے بہت آہستگی سے اس کی بات کاٹی تھی۔ وہ چپ کر کے چند ثانیوں تک اسے تکتی رہی تھی۔ پھر ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

''اس سفر میں رائیگانی کو نہیں ناپا جاتا سود و زیاں کے چکر میں پڑنے والے اس جانب گامزن ہی نہیں ہوتے۔ اپنے محور پر جمے کھڑے رہتے ہیں اور.....''

''مگر نوریا ملک یہ سلسلہ تو بے حد جاں گسل ہے لاکھ کوئی خول چڑھائے خود کو بہادر پوز کرے۔ مگر وہ اس سود و زیاں کے احساس کو جھیلتا تو ضرور ہے۔ اس سفر رائیگاں کے عذاب سے اس کا واسطہ تو ضرور پڑتا ہے۔ لاکھ انکاری ہوتے رہیں مگر ایک قیامت تو گزرتی ہی ہے جاں و دل پر۔

اک درد مسلسل پہلو میں اٹھتا تو رہتا ہے۔ روح سے دل تک دل سے جاں تک رکتا تو نہیں کچھ بھی تو نہیں تھمتا۔'' علما بخاری کی نظریں اس گھڑی نوریا ملک کی جانب نہیں تھیں۔ مگر وہ پھر بھی بغور اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔

''علما بخاری تمہیں کس بات کا خوف ستا رہا ہے۔ کہیں تم.....'' مگر علما نے اس لمحے فوراً ہی اس کی بات

کاٹ دی تھی۔

''خوف نہیں ہے' یہ حقیقت ہے اور میں نظریں چرا چرا کر اس سے منہ چھپانا چاہتی ہوں' دیکھتے ہوئے بھی نہیں دیکھنا چاہتی اور سوچتے ہوئے بھی نظر انداز کرنا چاہتی ہوں مجھے اپنی شکست صاف نظر آ رہی ہے۔ اور مجھے اسے قبول کرنا ہے یہ احساس بہت جاں لیوا ہے۔ مجھے ڈر ہار سے نہیں لگ رہا' اس ندامت سے لگ رہا ہے جو مجھے جھیلنا ہوگی' ان سب لوگوں کے سامنے جن کے سامنے میں نے بہت پراعتماد انداز میں اس شخص کے حق میں فیصلہ دیا تھا اور.....''

''پاگل ہو تم ضروری تو نہیں ایسا کچھ ہو' خدا نہ کرے کہ ایسا کچھ ہو۔ عامر رضا تمہیں چاہتا ہے۔ اس نے یونہی تو تمہیں ایک بندھن میں نہیں باندھا' ہم جن چیزوں کو عزیز رکھتے ہیں انہیں فوراً سے پیشتر خود سے منسوب کرنا چاہتے ہیں۔ اپنے نام کی مہر ثبت کرنا چاہتے ہیں اور وہ ایسا ایک اقدام کر گیا ہے تم بدگماں مت ہو ڈونٹ وری سب ٹھیک ہو جائے گا وہ شخص ضرور لوٹے گا' کیونکہ وہ تم سے محبت کرتا ہے۔'' نویرا ملک نے اسے یقین دلانا چاہا۔

''محبت تو تم سے فیضان الحق بھی کرتا تھا نویرا ملک پھر کیا ہوا۔''

اور نویرا ملک لب بھینچ کر دوسری جانب دیکھنے لگی تھی۔

''ضروری نہیں ہے۔ تمہارے ساتھ بھی ایسا ہو۔ یہ اپنے اپنے نصیب کی بات ہے۔ میرے ساتھ جو ہوا وہ میرے بخت میں درج تھا۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے تم ناامید ہو جاؤ اور فرسٹریشن کا شکار ہو جاؤ۔''

''میں فرسٹریٹڈ نہیں ہوں نویرا ملک۔'' وہ باور کرانے کو بولی تھی۔

''پھر یہ ڈر تمہارے اندر بکل مار کر کیوں بیٹھ گیا ہے۔'' نویرا ملک نے اسے دیکھا تھا اور علما بخاری یکدم ہی سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔ پھر ایک گہری سانس خارج کرتی ہوئی بولی تھی۔

''چلو واپس چلیں.....'' اور اس کے ساتھ ہی نویرا ملک کو مجبوراً اس کے ساتھ قدم واپسی کے لیے اٹھانا پڑے تھے۔

☆.....☆.....☆.....☆

انتظار!

طویل لمبے' حد نگاہ تک پھیلے

وسیع راستے.....!

اور ان پر پھیلی جامد چپ.....!

نویرا ملک سنیعہ کے ساتھ بیٹھی کیرم کھیل رہی تھی جبکہ آج بہت دنوں کے بعد وہ دادا ابا کے ساتھ بیٹھی چیس کھیل رہی تھی۔

''نویرا تم بھی آؤ نا.....'' اس نے مسکراتے ہوئے نویرا کو آفر دی تھی۔

''نہیں ابھئی میں اتنا خشک گیم ہرگز نہیں کھیل سکتی۔ گھنٹوں بیٹھے ایک ہی نقطے کو گھورتے رہو اور پھر بھی کہیں نا کہیں پر ہار ہی جاؤ اس سے زیادہ اسٹوپڈ گیم کوئی اور نہیں۔'' اس نے وہیں سے بیٹھے بیٹھے سر نفی میں ہلایا تھا۔

''میں خود حیران ہوں۔ آپی کو جانے کیوں یہ سب بہت انٹرسٹڈ لگتا ہے۔ حالانکہ اس قدر بور ہے۔''

سنیعہ نے بھی مسکراتے ہوئے نوریا ملک کا ساتھ دیا تھا اور نوریا ملک یکدم ہی ایک ووٹ ملنے پر ہنسنے لگی تھی۔

''اور کیا مجھے تو تمہاری آپی میں بھی ایک بڈھی روح نظر آتی ہے۔ کم از کم اس عمر میں تو ایسے مشاغل قطعی نہیں ہوتے۔ دیکھنا ابھی ہم کیا کرتے ہیں۔ پہلے ایک گیم ہو جائے اس کے بعد آئسکریم کے لیے چلیں گے۔ ہونے دو بور اپنی بڈھی آپا کو۔''

علما مسکرا دی تھی۔

''تمہیں کھیلنا نہیں آتا نا۔ اس لیے.....'' اس کا انداز تاسف سے پر تھا۔ مگر نوریا مسکرا دی تھی اور ساتھ ہی دونوں ہاتھ کہنیوں تک جوڑ کر اس کے سامنے کر دیئے تھے۔

''جناب ہم باز آئے ایسی تفریح سے ہم تو چھوٹی چھوٹی باتوں پر ہی خوش ہو لینے والے لوگ ہیں۔ کیوں سنیعہ!''

''آئی ایم ایگری ٹو یو آپی!'' سنیعہ مسکرائی تھی اور وہ سنیعہ کی طوطا چشمی پر اسے مصنوعی خفگی سے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''لائف از ناٹ لائک اے چیس بورڈ۔ پھر کیوں خواہ مخواہ ان مہروں سے الجھتے ہوئے ہم وقت ضائع کریں۔ زندگی کا مزہ تو آئس کریم کی بائٹ میں ہے یا پھر چٹپٹے مسالے دار چاٹ میں۔ خدا قسم اگر تمہاری جگہ میں ہوں تو اس چیس بورڈ پر بجائے مہروں کو گھنٹوں دیکھتے رہنے کے ایک فٹ پاتھ کے کنارے پر رکے پانی پوری کے ٹھیلے پر رک کر پانی پوری کھانے کو ترجیح دوں اور کہوں ہاؤ سویٹ از لائف۔'' نوریا ملک کا لہجہ اس قدر مزے دار تھا کہ وہ یکدم ہی ہنسنے پر مجبور ہو گئی تھی۔

''دادا ابا سن رہے ہیں آپ انہیں۔''

''بچے یہ آپ جیسے ذہین نہیں ہیں نا..... اس گیم کے لیے عقل کی ضرورت ہوتی ہے۔ کوئی بچوں کا کھیل تھوڑا ہی ہے یہ۔'' دادا ابا نے مسکراتے ہوئے بھرپور انداز میں اس کا ساتھ دیا تھا اور وہ مسکرا دی تھی۔

''واہ دادا ابا کیا خوب صورت بات کہی ہے اور اسی خوب صورت بات پر ایک اچھی خبر اور سنیے۔ آپ کی ملکہ ہمارے زیر آ چکی ہے۔''

''ارے یہ کیسے ہوا.....؟'' دادا ابا مسکراتے ہوئے حیران ہوئے۔

''جیسے ہمیشہ ہوتا ہے۔'' اس کی جگہ جواب سبکتگین غزنوی نے دیا تھا اور وہ سر اٹھا کر حیرت سے اس کی جانب تکنے لگی تھی۔ وہ مسکراتا ہوا قدم اٹھاتا آگے بڑھ آیا تھا۔

''دادا جی عجب معصوم ہیں آپ ہمیشہ ہار جاتے ہیں۔''

''دادا ابا معصوم نہیں ہیں' میں ذہین ہوں۔'' وہ اترائی تھی۔ وہ مسکرا دیا جبکہ دادا ابا ہنس دیئے تھے۔ پھر اس کا شانہ ٹھونکتے ہوئے بولے تھے۔

''میرا بچہ واقعی بہت ذہین ہے۔'' اور وہ بہت تفاخر کے ساتھ اس گھڑی لبوں پر تبسم سجائے سبکتگین غزنوی کو دیکھنے لگی تھی۔ وہ بھی بغور اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔

''واہ دادا جی آپ کا بھی جواب نہیں فقط کسی کو ذہین ثابت کرنے کو آپ ہر بار ہار اپنے نام کر لیتے ہیں۔'' اس لمحے وہ ہمیشہ والی بحث ایک بار پھر نئے ولولے اور جوش وخروش سے کر رہا تھا۔

علما بخاری اس لمحے کچھ نہیں بولی تھی بس چپ چاپ مسکراتی ہوئی اسے دیکھتی رہی تھی۔

''دادا جی آپ دوبارہ گیم اسٹارٹ کیجئے میں دیکھتا ہوں یہ کتنی ذہین ہے۔'' وہ ایک چیلنج کے ساتھ بولا تھا۔ مگر دادا ابا مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

''تم لوگ کھیلو اب' مجھے صبح جلد اٹھنا ہے۔'' کہنے کے ساتھ ہی وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئے تھے اور سبکتگین اس کی سمت مسکراتا ہوا تکتا رہا تھا۔ وہ لب بھینچ کر سر جھکا گئی تھی۔

''مل گئی فرصت تمہیں؟'' عجیب گلہ تھا' سبکتگین غزنوی کے لبوں کی مسکراہٹ لحہ بھر میں گہری ہو چکی تھی۔

''ہاں.....'' جواب مختصر مگر دلچسپ تھا۔ علما اسے دیکھنے لگی تھی۔

''مجھے خبر ہوتی کوئی میری کمی محسوس کر رہا ہے تو سارے ضروری کاموں کو جوں کا توں چھوڑ کر پہلی فرصت میں یہاں پہنچ جاتا۔'' وہ چھیڑ رہا تھا۔

''بکو نہیں آئی ایم سیریس۔''

''ہاں تو میں کب مذاق کر رہا ہوں۔'' وہ لمبا چوڑا شخص اس کے سامنے بیٹھ چکا تھا تبھی نوریا اور سنیعہ نے جانے کی ٹھانی تھی۔

''خیریت بھئی تم کہاں چل دیں؟'' سبکتگین نے مڑ کر دیکھا تھا۔

''زندگی کو انجوائے کرنے تم دونوں بیٹھو باتیں کرو جب تک ہم واپسی پر تم دونوں کے لیے کچھ نہ کچھ لے آئیں گے بس شرط یہ ہے کہ تم یہاں موجود رہنا ورنہ ہم کھانے میں دیر نہیں کرتے۔'' وہ سنیعہ کی جانب دیکھتی ہوئی بولی تھی اور پھر دونوں مسکراتی ہوئیں باہر نکل گئی تھیں۔

کمرے میں اس وقت فقط وہ دونوں رہ گئے تھے اور دونوں خاموشی سے چیس بورڈ کو دیکھے جا رہے تھے۔

''زندگی بہت عجیب وغریب لگ رہی ہے ان دنوں کسی بھی شے کا لطف ہی نہیں رہا۔'' وہ بہت ہولے سے بولی تھی۔ وہ چند ثانیے سے دیکھتا رہا تھا پھر مسکرا دیا تھا۔

''یہ بھی تو ہو سکتا ہے نا علما بخاری کہ تم زندگی کو دیکھ ہی عجیب وغریب زاویے سے رہی ہو اور درحقیقت کچھ بھی عجیب وغریب نہ ہو۔'' علما نے اسے دیکھا تھا پھر دھیمے سے مسکراتے ہوئے شانے اچکا دیئے تھے اور اس گھڑی سبکتگین غزنوی اسے بغور تکنے لگا تھا۔ پھر یکدم ہی مسکرا دیا تھا۔

''سچ کہوں علما بخاری مجھے ان دنوں تم پہلے سے زیادہ عجیب وغریب لگنے لگی ہو۔تم عجائب گھر والوں سے رابطہ قائم کرو۔'' وہ یقیناً اسے ہنسانا چاہتا تھا مگر وہ مسکرانے سے زیادہ نہیں کر سکی تھی۔

''کیا ہو گیا ہے بھئی۔کیا آج کل محترم عامر رضا صاحب کوئی خط شط بھیج رہے ہیں کہ نہیں۔'' وہ مسکرا رہا تھا۔علما اسے خاموشی سے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''مجھے ڈر ہے علما تم کہیں پاگل نہ ہو جاؤ اس شخص کے بغیر حالانکہ کوئی ہوش مند لڑکی اس کی کمپنی میں پاگل ہونے میں دیر نہیں کرے گی اور تم.....!'' وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر ہنستا چلا گیا تھا۔

''سبکتگین پلیز!'' اور تب وہ چپ ہو کر اس کی سمت دیکھنے لگا تھا۔

''تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے۔اس دل پر پتھر رکھ کر جی کڑا کر کے جھوٹ کا مرتکب ہوتے ہوئے اس شخص کی تعریف کروں تم تب بھی خوش نہیں ہوتیں اور انتہائی صاف گوئی کا مظاہر کرتے ہوئے اس شخص کو برا بھلا کہا جائے تب بھی تم برا مان جاتی ہو آخر تم چاہتی کیا ہو؟''

علما نے اسے دیکھ کر چہرے کا رخ پھیرا تھا پھر ایک گہری انس خارج کی تھی۔

''مجھے نہیں پتہ تم چائے پیو گے؟''

''یا اللہ خیر اتنے کرم اتنی نوازش۔'' وہ مسکرا دیا تھا۔وہ بھی مسکرا دی اور جب وہ اٹھ رہی تھی تبھی ماما چائے لے کر آ گئیں۔

''مجھے ابا جی نے بتا دیا تھا کہ سبکتگین آیا ہوا ہے۔

کیسے ہو تم کتنے دنوں سے غائب ہو' ماما نے بھی شکوہ کیا تھا اور وہ مسکرا دیا تھا۔

''بس آنٹی جی آج فارغ ہوا تو پہلی فرصت میں آن پہنچا یہ کٹ کھنی بلی بھی اس بات پر الجھ رہی ہے۔'' وہ یکدم چونکتے ہوئے اسے گھورنے لگی۔مگر وہ مسکراتا رہا۔

''تم لوگ بیٹھ کر لڑو، جھگڑو تب تک میں ابا جی کو دودھ دے آؤں۔'' ماما نے مسکراتے ہوئے ان دونوں کو دیکھا تھا اور پھر دوبارہ کچن کی جانب بڑھ گئی تھی۔

''تمہیں آنٹی کو سکھ دینا چاہیے۔کچھ دنوں میں تو تمہیں رخصت ہو ہی جانا ہے کم از کم کوئی اچھی یاد تو چھوڑ جاؤ کہ جس کے باعث تمہیں کوئی اچھے لفظوں میں یاد کر سکے۔'' وہ مسکراتا ہوا چھیڑ رہا تھا اور وہ گھورنے لگی تھی۔

''یاد کرنے والے، دل سے یاد رکھتے ہیں اور دل سے یاد کرتے ہیں۔کاموں کے اور ناموں کے باعث نہیں۔''

''ہاں جیسے میرے پاس کوئی جواز ہی نہیں ہو گا تمہیں یاد کرنے کا۔'' وہ یکدم ہنس دیا۔علما بخاری نے اس بھوری آنکھوں والے اس شخص کو دیکھا پھر سر جھکا گئی اور چیس بورڈ کو تکنے لگی۔

''اداس کیوں ہو رہی ہو، اچھا بابا میں بھی تمہیں یاد کرنے کی کوشش کیا کروں گا اور بہت زیادہ تو نہیں

مگر دو چار پتیاں تمہارے نام لکھ کر ڈال ہی دیا کروں گا۔'' وہ متواتر ہنس رہا تھا۔

وہ چپ چاپ چائے کے سپ لینے لگی تھی۔ تبھی وہ اسے تکتے ہوئے بولا تھا۔

''چلو آج تم سے ایک گیم ہو جائے چیس کی، تمہاری ذہانت کو آزماتے ہیں آج۔''

''نہیں..... آج نہیں۔'' وہ سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

''کیوں ہارنے سے ڈر لگتا ہے۔ دوسروں کو تو ''چکن ہارٹ'' کہتی ہو۔ سبکتگین صاحب طیش دلانے میں ماہر تھے۔ مگر علما بخاری بہت اطمینان سے مسکرا دی تھی۔

''سبکتگین میں ہار سے قطعی نہیں ڈرتی جو جیتنا جانتے ہیں وہ ہار کر حوصلہ مندی سے مسکرانا بھی جانتے ہیں۔ ہار کو بھی بلند حوصلے سے ایکسیپٹ کرنے کا ہنر انہیں آتا ہے۔''

''لیکن تم تو ہار رہی ہو متواتر۔'' وہ بے ساختہ ہی بولا تھا۔ علما اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ تبھی وہ بولا تھا۔

''مجھے یقین نہیں آتا علما تم جیسی ماہر شطرنج جینئس چیس ماسٹر، انٹلیکچوئیل گرل مسلسل ہار کیسے رہی ہے اور وہ بھی عامر رضا جیسے گھونچو شخص سے۔'' سبکتگین متواتر مسکرا رہا تھا۔ وہ سر جھکا گئی تھی۔ تبھی اس نے کھیلنے کی ٹھانی تھی۔

''چلو دیکھتے ہیں۔ تمہیں یہ ہنر کتنا آتا ہے!'' سبکتگین غزنوی بہت رسانیت سے مسکرایا تھا اور چیس بورڈ کو درست کرنے لگا تھا۔ وہ چپ چاپ دیکھتی رہی تھی۔

اور پھر وہ واقعی ہار گئی تھی۔ مگر سبکتگین غزنوی بجائے اپنی جیت پر سرشار ہونے کے اس کی آنکھوں کو دیکھنے لگا تھا۔ جہاں ایک الجھن سی ڈوبتی ابھرتی صاف نظر آ رہی تھی اور تب وہ بہت گہری سانس خارج کرتے ہوئے اسے دیکھنے لگا تھا۔

''مر جاؤ گی تم تو اس طرح کیا تم واقعی اس شخص سے اس قدر محبت کرتی ہو.....؟'' اور علما کوئی جواب دیئے بغیر سر جھکا گئی تھی۔ اور تب وہ جل کر بولا تھا۔

''آخر ہے کیا اس شخص میں۔''

''کچھ نہ کچھ تو ہے سبکتگین تبھی تو تم جل رہے ہو۔'' وہ یکدم ہی مسکرائی تھی۔ مگر وہ چیخ پڑا تھا۔

''مت مسکراؤ مجھے تمہاری یہ مسکراہٹ زہر لگتی ہے۔''

''پھر کیا کروں۔'' وہ بدستور ہنٹ پھیلائے اسے تکتی رہی۔

''مر جاؤ۔'' وہ زچ ہو کر بولا تھا۔ پھر چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔

''اتنے میلوں کے فاصلے پر بیٹھے ہونے کے باوجود اس نے باندھ رکھا ہے تمہیں اپنے ساتھ، تمہارے خیال، تمہاری سوچ تمہارے دل و دماغ کو اور خود اسی قدر اجنبی ہے۔''

''وہ اجنبی نہیں ہے محبت کرتا ہے وہ مجھ سے۔'' وہ ایک بار پھر خود کو دھوکہ دینے لگی تھی۔

''کبھی فرصت ملے تو اپنا احتساب خود کرنا علما بخاری محبت کے لیے دہائیاں دینے کی ضرورت نہیں

پڑتی، نقارہ بجانا نہیں پڑتا یہ یقین دل سے دل تک سفر کرتا ہے۔ اس میں پورے سماج کو شریک نہیں کرنا پڑتا اور جو چیخ چیخ کر اس بات کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں۔ یقین دلانے کی کوشش کرتے ہیں وہ درحقیقت خود کو اور دوسروں کو بیک وقت دھوکہ دینا چاہتے ہیں تمہیں خود کو دھوکہ دینا ہے تو باخوشی یہ ورد کرتی رہو۔ مگر پلیز دوسروں کو یہ باور کرانا چھوڑ دو۔ مسئلہ اپنا ہو تو سلجھاتے خود ہیں۔ ایک عالم کو اس میں نہیں گھسیٹتے۔'' وہ یکدم ہی اٹھ کھڑا ہوا تھا اور علما بخاری جانے کیوں بہت اطمینان سے مسکراتی رہی تھی۔

''سنو اگر وہ مجھے چھوڑ دے تو بہت خوشی ہوگی نا تمہیں.....؟''

''کیا.....؟'' سبکتگین غزنوی بے طرح چونکا تھا۔ غصے کی اک شدید لہر اس کے رگ و پے میں دوڑ گئی تھی۔ مگر وہ اسے بہت پرسکون انداز میں دیکھتا ہوا اپنی کیفیت کو انڈر کنٹرول کرتے ہوئے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے گویا ہوا تھا۔

''تم پاگل ہو چکی ہو علما بخاری اور پاگلوں کی جگہ فقط پاگل خانے میں ہوتی ہے۔'' کہنے کے ساتھ ہی وہ پلٹا تھا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکلتا چلا گیا تھا۔

علما بخاری بہت دیر تک وہیں بیٹھی چیس بورڈ کو دیکھتی رہی تھی۔

☆.....☆.....☆.....☆

وہ ساری کھڑکیاں دروازے
بند کر کے سوتی ہے پھر بھی.....!
ایک خیال جانے کس راستے سے اندر آ جاتا ہے!

ایک بھاگتی دوڑتی زندگی اس کے اردگرد پھیلی ہوئی تھی۔ سب بہت خوش تھے مطمئن تھے اس تمام افراتفری کا حصہ تھے اور ایک بار پھر اس نے خود کو پوری طرح سمیٹ کر بستہ سختی سے ڈپٹتے ہوئے زندگی کی راہ پر ڈال دیا تھا۔ یا پھر اپنی سی کوشش ضرور کی تھی۔

اس نے دیکھا تھا۔ سب کچھ ویسے ہی رواں دواں تھا۔ کہیں کچھ بھی نہیں بدلا تھا۔ ان سب کی سرگرمیاں، شوخیاں، شرارتیں، ہنسی مذاق، بلند و بانگ قہقہے اور اس نے سوچ لیا تھا اب اسے بھی ان سب کا حصہ ہون اے۔ سبکتگین غلط نہیں تھا۔ غلط شاید وہ خود ہی تھی۔ کسی قدر پاگل پن کا شکار ہو رہی تھی وہ مگر اب اس نے سوچ لیا تھا، کچھ بھی فضول نہیں سوچے گی۔ یہی سوچتی ہوئی وہ تیار ہو رہی تھی کہ ان سب کی طرف جائے مگر تبھی ماما نے اطلاع دی کہ عامر رضا کے امی ابو آئے ہیں۔

وہ لوگ واہ کینٹ میں ہوتے تھے۔ عامر رضا پہلے تعلیم کی غرض سے یہاں تھا اور پھر ملازمت کی غرض سے کچھ عرصہ مقیم رہا اور پھر فکر معاش اسے سات سمندر پار کھینچ کر لے گئی۔ اس کی منگنی سے لے کر اب تک وہ بہت کم آئے تھے۔ ایک متوسط فیملی کے پاس کتنے وسائل ہوتے ہیں۔ وہ باخوبی جانتی اور سمجھتی تھی تبھی عامر رضا کی اس مجبوری کو بھی اس نے خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کیا تھا۔ وہ ڈرائینگ روم میں آئی تو دادا ابا اور ماما پاپا کے

ساتھ وہ لوگ موجود تھے۔ اس نے ادب سے سلام کیا۔

عامر رضا کی امی نے اسے محبت سے اپنے پاس ہی بٹھالیا۔

''کیا کریں بچے جی تو چاہتا ہے روز ملوں، روز دیکھوں اس پیارے من موہنے چہرے کو مگر وائے قسمت اب بوڑھی ہڈیاں اتنا سفر برداشت نہیں کرسکتیں خدا اس چاند کو ہمارے گھر اتارے گا تو جی بھر کر دیکھا کروں گی۔''

علما بخاری مسکرا دی تھی۔

''بہن جی ہم جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ آپ کی مجبوری تبھی تو شکوہ نہیں کرتے۔''

ماما نے بہت عمدگی سے ان کی بات رکھی تھی۔ نویرا دور کھڑی مسکراتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ اور پھر جب وہ عامر رضا کی امی کو ماما کے کہنے پر اپنا گھر دکھا رہی تھی تبھی انہوں نے دریافت کیا تھا۔

''عامر رضا کیسا ہے؟'' اور وہ چونک کر دیکھنے لگی تھی۔

''آپ کا بیٹا ہے۔ آپ کو خبر نہیں.....؟''

''نہیں بیٹا بہت دنوں سے اس کا کوئی فون نہیں آیا نا ہی کوئی میل موصول ہوئی۔ ہم سمجھے وہ تم سے ضرور رابطے میں ہوگا۔ خدا خیر کرے میرا بچہ خیریت سے ہو۔'' ان کا جی جیسے ہول کر رہ گیا تھا اور علما خالی خالی آنکھوں سے انہیں دیکھنے لگی تھی۔ پھر یکدم ان کا دھیان بٹانے کو مسکرا دی تھی۔

''ہاں ایک ہفتہ قبل اس کی میل موصول ہوئی تھی۔ کہہ رہا تھا بہت مصروف ہوں۔ اب اگر فون پر بات ہوئی تو کان کھنچوں گی موصوف کے.....!'' وہ مسکراتی ہوئی بولی تھی اور پھر ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی تھی۔ مگر اس کا دھیان مسلسل اسی ایک نقطے پر ٹکا رہا تھا ان کے جانے کے بعد بھی وہ اسی جانب سوچتی رہی تھی۔

پتہ نہیں اصل بات کیا تھی۔ وہ سمجھی تھی وہ فقط اسے ہی رابطے میں رکھے ہوئے نہیں۔ مگر وہ تو اس کے ساتھ اپنے بہت قریبی رشتوں سے بھی غافل تھا۔ بھلا ایسی کیا بات تھی۔ اسباب کیا تھے۔ وجہ کیا تھی' پانچ دس منٹ بات کرنے میں جاتا ہی کیا ہے۔ کیا اس کے پاس اتنی تھوڑے سے لمحے بھی نہ تھے۔ ای میل کرنے میں وقت ہی کتنا صرف ہوتا ہے۔

وہ کچھ بھی سمجھ نہ پا رہی تھی اور صبح جو اس نے قصد کیا تھا کہ وہ پھر سے اس ماحول کا حصہ بن جائے گی تو اب پھر اس ڈگر پر آن رکی تھی۔ سکتگین اس کے بعد اس سے نہیں ملا تھا۔ بلکہ دو روز کے لیے وہ سنگاپور بھی گیا تو مل کر نہیں گیا۔ پھر ایک ہفتے کے لیے ہانگ کانگ کے لیے گیا تو بھی اسے نہیں بتایا۔

اور اس کی ناراضگی کے متعلق اس وقت کنفرم ہو گیا جب وہ لوٹا اور اس کے لیے بطور خاص ''بروکن ہارٹ'' پلانٹ لایا۔ مگر اسے دینے خود نہیں آیا۔ افشاں آئی اور اسے سونپ گئی۔

''بھائی کہہ رہے تھے تمہیں بہت پسند ہے۔''

''لیکن میں نے تو اسے کبھی نہیں بتایا۔'' وہ حیراں ہوئی۔ افشاں مسکرا دی۔

''تمہیں یاد نہیں شاید' ایک بار تم ذکر کر رہی تھیں اس کی خوب صورتی کے متعلق اور سنگین بھائی قدرے فاصلے پر بیٹھے فانی بھائی کے ساتھ رمی کھیل رہے تھے شاید تب انہوں نے سن لیا ہو اور انہیں یاد بھی رہ گیا ہو۔'' وہ مسکرا رہی تھی۔ ''اپنی ویز بھائی کہہ رہے تھے تمہیں اس کا خیال رکھنے کو اسے بہت سی توجہ اور محبت دینا ہوگی اور بہت سی میٹھی میٹھی باتیں کرنا ہوں گی یہ اس کے سروائیول کے لیے ضروری ہے اور وائز یہ مرجھا جائے گا اور بنجر ہو جائے گا لائک اے بروکن ہارٹ۔''

وہ کہنا چاہتی تھی کہ اسے اس کی قطعی کوئی ضرورت نہیں اور وہ اسے لے جائے مگر وہ کچھ نہیں کہہ سکی اور افشاں واپس بھی چلی گئی۔ اور تب وہ چلتی ہوئی اس پلانٹ کے پاس آن رکی۔

''آئی نو بروکن ہارٹ' آئی ایم سرچنگ فور ڈیٹ.....!'' اپنی کبھی کی کھلکھلاتی ہوئی آواز اس کی سماعتوں میں گونجی تھی۔

''پاگل ہو تم۔ ٹوٹے ہوئے دل کی تلاش کوئی احمق ہی کر سکتا ہے۔'' افشاں جواباً مسکرائی تھی۔

''ڈفر میں اس ٹوٹے ہوئے دل کی بات نہیں کر رہی۔ میں بروکن ہارٹ پلانٹ کی بات کر رہی ہوں جو بہت خاص خطوں میں خاص انوائرنمنٹ میں پایا جاتا ہے۔'' اس نے مطلع کیا تھا۔

''خاص نا' یہاں تو نہیں۔'' افشاں متواتر مسکرا رہی تھی۔

''میں عامر رضا سے کہوں گی۔ وہ ضرور فائنڈ آؤٹ کرے گا میرے لیے۔'' اور تب افشاں ہنستی چلی گئی تھی۔

''کوئی بے وقوف شخص ہی یہ کارنامہ سرانجام دے سکتا ہے۔ اپنا دل توڑ کر پیش کرنا خاصا مشکل امر ہے اور عامر رضا اس سے قبل ہی تمہیں ایک عدد دل پیش کر چکا ہے۔ اب ٹوٹا ہوا دل کہاں سے لائے گا؟'' افشاں مسلسل چھیڑتے ہوئے ہنسے جا رہی تھی۔

''بائے داوے تم ٹوٹے ہوئے دل کا کرو گی کیا؟''

''مرہم' پٹی مکمل دل جوئی۔'' وہ شرارت سے گویا ہوئی تھی اور افشاں بھی ہنستی چلی گئی تھی۔ تب اس کے وہم و گماں میں بھی نہ تھا کہ وہ قدرے فاصلے پر بیٹھا ہوا شخص اسے بغور سن رہا ہے۔

علما بہت ہولے سے بروکن ہارٹ کو چھو کر دیکھنے لگی تھی۔

''آں' ہاں آرام سے بھئی..... بروکن ہارٹ ہے۔'' پشت سے بہت دھیما سا لہجہ ابھرا تھا۔ جانی پہچانی آواز۔ آشنا سا انداز۔

وہ پلٹ کر دیکھنے لگی تھی۔ وہ لمبا چوڑا شخص اس کے بہت قریب کھڑا تھا۔ لبوں پر بڑی دلفریب مسکراہٹ رکی ہوئی تھی اور نظریں اس کے چہرے پر ساکت تھیں۔

''تمہیں ٹوٹے ہوئے دل کی تلاش تھی نا میں نے پیش کر دیا اب اسے مزید مت توڑنا۔'' وہ چپ چاپ دیکھتی گئی تھی۔

''اگر چہ تم فن جراحت سے ناواقف ہو مگر اس کے باوجود اسے تمہیں سونپ رہا ہوں ٹیک گڈ کیئر آف بروکن ہارٹ۔'' وہ مسکرا رہا تھا اور تب علما کے لبوں کو بھی مسکراہٹ چھو گئی تھی۔

''کیا بکواس ہے یہ۔''

''اوں ہوں ایک سچائی ہے۔'' وہ بغور تکتا ہوا دلچسپی سے مسکرایا تھا۔

''تم نے ہی تو کہا تھا کہ تمہیں ٹوٹے ہوئے دل اچھے لگتے ہیں۔''

''مگر میں نے تمہارا دل تو نہیں مانگا تھا۔'' وہ یکدم ہی کھلکھلا کر ہنسی تھی۔ یقیناً وہ اک عرصے کے جمود کو توڑنا چاہتی تھی۔ اس سرد مہری کو ختم کرنا چاہتی تھی جو اس کے اور سبکتگین کے درمیان اس روز سے طاری تھی۔ دوسرے معنوں میں وہ اس ناراضگی کو ختم کرنا چاہتی تھی۔ اپنے اس روڈ رویے کا ازالہ کرنا چاہتی تھی اور شاید وہ کامیاب بھی رہی تھیں۔ سبکتگین کا جاندار قہقہہ اس کے اردگرد تا دیر گونجتا رہا تھا۔

''تمہارا سینس آف ہیومر تو خاصا اچھا ہو گیا ہے۔ لگتا ہے عامر رضا سے متواتر بات چیت ہو رہی ہے۔'' وہ مسکراتا ہوا کہہ رہا تھا۔

''یا اللہ پھر گھسیٹ لیا نا اس بچارے معصوم سے شخص کو۔''

''ہیں کیسے موصوف؟'' وہ چلتا ہوا بروکن ہارٹ پلانٹ کے قریب آن رکا تھا۔

''ٹھیک ٹھاک.....'' اس نے قصداً جھوٹ بولا تھا اور اس شخص نے اس لمحے بغور ایک نظر اسے دیکھا تھا۔ پھر مسکراتے ہوئے بروکن ہارٹ کا بھرپور بغور جائزہ لینے لگا تھا۔ تبھی وہ بہت ہولے سے بولی تھی۔

''تھینک یو ویری مچ سبکتگین.....!''

''ٹوٹا ہوا دل سونپنے کے لیے.....؟'' وہ چھیڑ رہا تھا۔ وہ مسکرا دی تھی۔

''ہاں اس کے لیے بھی مگر'' وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر اسے مشکور نظروں سے دیکھنے لگی تھی۔ پھر بہت آہستگی سے اسی طور گویا ہوئی تھی۔

''سبکتگین تم واقعی بہت اچھے دوست ہو میرے مجھے انڈر اسٹینڈ کرتے ہو۔ جھیلتے ہو۔ برداشت کرتے ہو اور.....''

''اور ٹوٹا ہوا دل پیش کرتے ہو۔'' وہ یکدم اس کے جملے کو مکمل کرتے ہوئے ہنسا تھا اور تب وہ بھی ہنس دی تھی۔

''یہ کوئی مذاق نہیں ہے تمہیں واقعی اس بروکن ہارٹ کا بہت خیال رکھنا ہوگا۔'' وہ سنجیدگی سے گویا ہوا تھا۔

''کیونکہ یہ تمہارا بروکن ہارٹ ہے۔'' وہ مسکرائی تھی۔ وہ ہنس دیا۔

''ہاں شاید اس لیے بھی۔'' لہجہ بہت دھیما اور کھویا کھویا سا تھا۔ پھر یکدم ہی کچھ یاد آنے پر وہ چونکا تھا۔

''چلتا ہوں تم اس کا خیال رکھنا۔''

''او کے.....'' وہ مسکرائی تھی اور تب سبکتگین باہر نکل آیا تھا۔ ایک متواتر بازگشت اس کے اردگرد ہونے

لگی تھی۔

ایک سمندر کی پیاس تھی اس کے اندر مگر وہ صحرا میں بھٹک رہا تھا۔

☆.....☆.....☆.....☆

دور تک سناٹے میں
ایک ہو کا عالم ہے
نہ کوئی آہٹ
نہ کوئی دستک!
رشتے کنجل ہو گئے شاید.....!

دوسری جانب سے چپ اسی طور طاری تھی وہی ہو کا عالم تھا۔

جب اس نے سنا تھا کہ سکتگین غزنوی آسٹریلیا جا رہا ہے' ایک بزنس اسائنمنٹ کے سلسلے میں اور تب وہ پہلے ہی لمحے میں اس کے سامنے جا رکی تھی۔

''تم آسٹریلیا جا رہے ہو؟''

''تم کہو تو نہیں جاتا۔'' وہ شوخ ہوا تھا۔ مگر وہ مسکرائی نہیں تھی۔ تبھی وہ چونکا تھا۔

''اوہ..... تم کہیں یہ تو نہیں چاہتیں کہ میں اس تمہارے آسٹریلین کرو۔ کا باقاعدہ حال حوال دریافت کر کے آؤں۔'' اس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی اور تب اس نے سنجیدگی کے ساتھ سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''ہاں!''

''کیا ہاں.....'' وہ حیران ہوا۔'' تم نے مجھے کیا سمجھ رکھا ہے۔'' وہ اس لمحے بھی سنجیدہ نہیں تھا

''سکتگین پلیز۔'' وہ قطعی انداز میں بولی تھی اور تب وہ چپ ہو کر اسے تکنے لگا تھا۔ پھر جانے کیوں دوسرے ہی پل مسکرا دیا تھا۔

''او کے اس کا مکمل ایڈریس لکھ کر مجھے دے دو۔ تمہاری خاطر اب یہ بھی کر لوں گا۔'' اور تب وہ سر اثبات میں ہلاتی ہوئی اس کا پتہ کاغذ پر لکھ کر اسے سونپ آئی تھی۔

سکتگین غزنوی آسٹریلیا چلا گیا تھا اور اس کا دل جانے کیوں بے حد مضطرب ہو گیا تھا۔ وہ یہی سوچ رہی تھی اگر اس کے خدشے سچ ثابت ہوئے تو وہ کیا کرے گی۔ اسے خوف اس بات کا نہیں تھا کہ وہ ہار جائے گی۔ بلکہ خوف اسے اس بات کا ستا رہا تھا کہ وہ سب کی نظروں کا سامنا کس طرح کرے گی۔ وہ ایک بندھن اس نے اپنے بل بوتے پر مکمل یقین اور اعتماد کے ساتھ باندھا تھا اور اس کا یقین اگر ٹوٹ جاتا تو..... اور اس کے ساتھ ہی وہ سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

''پلیز عامر رضا میرا مان نہیں توڑنا..... میرا یقین ہو تم۔ اور یقین ٹوٹ گیا تو.....''

اور ایک یہی سوچ تھی جس سے آگے وہ کچھ سوچنا ہی نہ چاہتی تھی۔ نویرا ان دنوں اسے زبردستی کھینچ

کھانچ کر ماحول کا حصہ بنائے رکھنے کی کوشش کرتی تھی۔ کبھی کہیں لے کر نکل جاتی اور کبھی کہیں۔ فانی' سلمان' زبیر' جاذب اور افشاں کی کمپنی میں اب بھی اس قدر ہنگامہ برپا ہوتا اتنا ہی شور وغل ہوتا کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی اور وہ سب کے ساتھ بیٹھی فقط خود کو دھوکہ دینے کو خالی خالی نظروں سے منظروں کو تکتی خالی ذہن کے ساتھ مسکراتی رہتی۔ کوئی بات سمجھ میں نہ بھی آ رہی ہوتی۔ مگر سب جب قہقہہ لگا کر ہنستے تو وہ بھی ان کا ساتھ دینے کو ہنسنے لگتی۔

بعض اوقات تو نوبت اسے گھورنے لگتی اور بعض اوقات ڈپٹ بھی دیتی اور اس وقت اسے خود بھی بہت عجیب لگتا جب سب اس کی کیفیت پر حیران ہو کر اسے یوں تکنے لگتے جیسے وہ دنیا کا نواں یا دسواں عجوبہ ہو اور سلمان تو کہہ بھی دیتا۔

''سبکتگین صحیح کہتا ہے تمہیں میوزیم میں ہونا چاہیے۔'' اور تب وہ ہنسنے میں خود بھی پیش پیش ہوتی۔

سبکتگین کا جتنی شدت سے انتظار اسے تھا شاید ہی کسی کو ہوتا۔ وہ دن گن گن کر پہر گن کر اور لمحے گن گن کر تھک چکی تھی۔ دو چار بار اس نے اس کے پرسنل ڈیجٹ سیل پر بھی ٹرائی کیا تھا۔ مگر وہ کامیاب نہیں ہو سکی تھی اور تب اس کا دل اور بھی ہولنے لگا تھا۔

اس روز وہ صبح اٹھ کر معمول کے مطابق یونیورسٹی کے لیے تیار ہو رہی تھی۔ جب ماما کی زبان اسے پتہ چلا کہ سبکتگین واپس آ چکا ہے۔

''کب.....؟'' وہ حیران رہ گئی تھی۔

''رات میں' تم بہت گہری نیند میں تھیں اس لیے کسی نے تمہیں جگایا نہیں۔'' ماما نے دودھ کا گلاس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا تھا۔ مگر وہ فوراً ہی نفی میں سر ہلاتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''علما بچے سنو تو.....''

''ماما میں ابھی واپس آتی ہوں۔'' وہ دہلیز کے پاس رک کر پلٹی تھی اور پھر مڑ کر تیزی سے باہر نکل گئی تھی۔

وہ گہری نیند میں تھا۔ اس نے بنا اس کی گہری نیند اور تھکن کی پروا کیے اسے بری طرح جھنجھوڑ ڈالا تھا۔

''کیا قیامت آ گئی ہے بھئی۔'' وہ بامشکل آنکھیں کھولتا ہوا بولا تھا۔

''قیامت نہیں میں ہوں میں علما! اس نے مدھم آواز میں کہا تھا۔

''تم کوئی قیامت سے کم تو نہیں ہو۔'' اب کے سبکتگین صاحب اسے آنکھیں کھول کر گھورنے میں کامیاب ہو چکے تھے۔

''میرے کام کا کیا ہوا؟'' دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے بنا کسی تردد کے پوچھا تھا۔

''کون سا کام بھئی۔'' لہجہ اب بھی مخمور تھا۔ آنکھیں کھولنے کی کوشش پھر ناکام ہو چکی تھی اور وہ آنکھیں میچ چکا تھا۔

''سبکتگین.....'' علما نے جھنجھلا کر پکارا تھا۔

''ہوں سن تو رہا ہوں۔'' آنکھیں بند کیے ہی یقین دلایا۔ ''آنکھیں کھولو نا.....'' اس نے جیسے بادل نخواستہ درخواست کی تھی۔

''اگر یہ خواہش ہے تو کیا میں خوشی سے مر جاؤں.....؟'' وہ مخمور لہجے میں پوچھتا ہوا دوسرے لفظوں میں یقین دہانی چاہتا تھا آنکھیں کھولنے سے قبل۔ علما کی ہمت جواب دے گئی تھی۔

''پلیز سبکتگین دیکھو اب میں لحاظ کیے بغیر پانی کا یہ جگ تم پر انڈیل دوں گی۔'' اس نے دھمکی دی تھی اور تب اس نے اپنی گلابی ڈوروں سے اٹی بھوری آنکھیں وا کر دی تھیں۔

''لو جی بھر کر دیکھ لو۔'' عجیب بھونڈا انداز تھا۔

''سبکتگین جہنم میں جاؤ۔'' وہ تھک کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ مگر تبھی سبکتگین غزنوی نے اس کا ہاتھ تھام کے واپس بٹھا لیا تھا اور پھر مکمل طور پر آنکھیں کھول کر اسے دیکھنے لگا تھا۔

''کیا ہوا.....؟'' وہ عامر رضا کی بابت دریافت کرنے لگی تھی۔

''پتہ نہیں تمہیں کچھ خبر ہو تو کہو.....؟'' وہ ہنس پڑا تھا یکدم ہی۔

''تم سنجیدہ نہیں ہو گے؟'' اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی اور وہ خاموش ہو کر کتنے ہی پل اسے تکتا رہا تھا۔

''پلیز سبکتگین کوئی بری خبر مت سنانا۔ میرا دل بند ہو جائے گا۔'' وہ کہنا چاہتی تھی مگر بول نہیں سکی تھی اور جانے کیوں اس لمحے کمزوری نے اسے آن دبوچا تھا حالانکہ وہ تو بہت مضبوط رہنا چاہتی تھی۔

کتنی خاموشی کے ساتھ اس کی پلکوں سے موتی ٹوٹ کر اس کے رخساروں پر آ گئے تھے۔ سبکتگین اسے متواتر دیکھتا گیا تھا۔

''اس ایک شخص کے لیے تم اپنے اتنے قیمتی آنسو ضائع کر رہی ہو۔'' کتنے مدھم لہجے میں اس نے شکوہ کیا تھا۔ وہ کچھ نہیں بولی تھی اور تب وہ چپ چاپ تکتا گیا تھا۔

''کیا تمہیں واقعی اس سے محبت ہے.....؟'' وہ جانے کس بات کا یقین چاہتا تھا۔

''تم مجھے کچھ نہیں بتاؤ گے۔'' وہ زچ ہو کر بولی تھی۔

''تم یقین کرو گی میرا؟'' وہ الٹا دریافت کرنے لگا تھا۔

''سبکتگین میں نے تم پر یقین کر کے ہی ذمے داری تمہیں سونپی تھی۔'' علما کی آواز بہت مدھم تھی جیسے کنویں سے کوئی بول رہا ہو۔

سبکتگین غزنوی کچھ دیر تک اسے یونہی خاموشی سے دیکھتا رہا تھا پھر گویا ہوا تھا۔

''پھر یقین کر لو کہ اب تمہارا انتظار لاحاصل ہے۔ اس نے آسٹریلین نیشنلٹی ہولڈر لڑکی سے شادی کر لی ہے اس کے دو بچے بھی ہیں۔'' کتنے مدھم لہجے میں اس نے خبر سنائی تھی اور اس خبر نے فضا میں کیسی خاموشی طاری کر دی تھی۔

علما بخاری کیسی بے یقینی سے اسے دیکھتی جا رہی تھی۔ سبکتگین نے اسے دیکھا تھا پھر بہت ہولے سے

اس کا ہاتھ تھام کر اس کا حوصلہ بندھانا چاہا تھا۔ مگر وہ بہت آہستگی سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

اور اس لمحے سبکتگین نے اسے روکا نہیں تھا۔ وہ اس کا مخلص دوست تھا۔ شاید تبھی چاہتا تھا کہ وہ اپنا درد کسی طور کم کر لے۔

☆.....☆.....☆.....☆

شدت عشق خیر ہو تیری .....!
کیسے عالم میں لا کر چھوڑ دیا

کتنا بچانا چاہتے ہیں ہم اپنے پیاروں کو کسی بھی حادثے سے کسی بھی ممکنہ خطرے' کسی بھی ممکنہ درد سے' گہرے رنج سے دکھ سے مگر' کبھی کبھی کچھ بھی ممکن نہیں ہوتا۔

ایک وقت کا ریلہ آتا ہے اور سب کچھ اپنے سنگ بہا لے جاتا ہے۔ سبکتگین غزنوی نے پوری شدت سے چاہا تھا۔ وہ اسے اس درد سے دور رکھے۔ اسے آگاہ نہ کرے مگر اس کے بغیر کوئی چارہ ابھی تو نہ تھا۔

وہ اس کی آنکھوں میں آنسو تک نہیں دیکھ سکتا تھا۔ مگر اب وہ اسے خود ایک اتھاہ سمندر کے حوالے کر چکا تھا۔ گہرے سمندر کے حوالے جس میں اسے ڈوبتے ابھرتے وہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

''سنو اگر وہ مجھے چھوڑ دے تو بہت خوشی ہوگی نا تمہیں.....؟'' علما بخاری کے لہجے کی بازگشت اس کے اردگرد گونجتی چلی گئی تھی اور سبکتگین غزنوی کی آنکھوں میں ایک غبار آن رکا تھا۔

کیوں ہوا تھا ایسا۔ ایسا تو نہیں چاہا تھا اس نے۔ وہ تو بس یونہی چڑاتا تھا اسے' دوستانہ ادا تھی یہ' مخلص دوست تھا وہ اس کا پھر کیسے اس کے حق میں غلط سوچ سکتا تھا۔ اس کا قصور کہیں بھی نہیں تھا اس کے باوجود جانے کیوں وہ خود کو علما بخاری کا مجرم سمجھ رہا تھا۔

کتنے دنوں سے وہ اس کے سامنے بھی نہ گیا تھا' جانے کس حال میں تھی وہ۔ یقیناً اسے ضرورت تھی اس کی' اچھے دوستوں کی ضرورت ایسے ہی لمحوں میں تو ہوتی ہے۔ مگر جانے کیوں وہ ڈر رہا تھا۔ اس کا سامنا کرنے سے کترا رہا تھا۔ شاید کہیں دل میں دبا چور اسے ایسا کرنے سے باز رکھ رہا تھا۔

اس لڑکی کے لیے اس کے دل میں دبا بہت سا پیار اسے چور بنا رہا تھا۔ وہ پیار جو ایک عرصے سے اس کے دل میں تھا اور جسے اس نے کبھی خود پر بھی ظاہر نہیں کیا تھا۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ اسے کسی اور کا ہوتے دیکھنے کا ظرف نہ رکھتا تھا۔ وہ محبت کے ساتھ ضبط محبت کا بھی ظرف رکھتا تھا۔ اور وہ ضرور اس کا ثبوت بھی دیتا مگر عامر رضا۔ اور اب وہ کیا کرتا۔ کیسے یقین دلاتا اسے اپنی محبت کا اور کیا وہ یقین کرتی۔

وہ کتنی ہی دیر تک راستوں پر بھٹکتا رہا تھا۔

☆.....☆.....☆.....☆

بے طرح الجھ گیا تھا دل .....!
دھائی نے تیری سلجھایا

اس نے کوئی سوگ نہیں منایا تھا۔ بس ماما کے کاندھے پر سر رکھ کر بہت سا درد بہا دیا تھا اور پھر مطمئن سی زندگی کے معمول کا حصہ ہو گئی تھی۔

اور وہ جو سمجھتی تھی کہ اسے سب مورد الزام ٹھہرائیں گے۔ یا اسے اپنے کردہ فیصلے کے باعث شرمندہ ہونا پڑے گا تو ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔ شاید وہ اندر سے خود فیئر تھی۔ مخلص تھی اور تبھی دوسرے فریق کے ڈوری توڑ دینے سے اسے دھچکا تو ضرور لگا تھا۔ اور گری تھی اور اسے چوٹ بھی لگی تھی۔ بہت سا درد بھی سینے میں ہوا تھا۔ مگر اس نے خود کو بہت وقار سے سمیٹا تھا۔ ہاں بس اب یہ ہوا تھا کہ اسے رکھ رکھاؤ کے لیے بات بے بات مسکرانا نہیں پڑتا تھا۔ بے تحاشا ہنسنے کی کوشش نہیں کرنی پڑتی تھی۔ پہلے وہ ضرورتاً مسکراتی تھی۔ خود کو اور دوسروں کو مطمئن کرنے کی کوشش میں مسکراتی تھی۔ ''سب ٹھیک ہے۔'' باور کرانے کو ہنستی تھی۔ مگر اب اسے کسی کھوکھلے سہارے کی ضرورت نہ تھی۔ اس نے خود کو بے طرح مصروف کر لیا تھا۔

ماما اور پاپا نے اسے قطعی کچھ نہیں کہا تھا۔ نہ کوئی الزام نہ ملامت۔ بلکہ ان دنوں وہ اور بھی زیادہ توجہ اس پر صرف کرنے لگے تھے۔ اور ان کی محبتوں کو دیکھتے ہوئے یہی سوچ رہی تھی کہ دنیا کی کس قدر بے غرض ہستیاں ہوتے ہیں والدین بھی بچوں کے دکھ پر ملول و افسردہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر پریشان ہو جانے والے خیال کرنے والے اور سب سے بڑھ کر خاموشی کی زبان میں بھی انڈر اسٹینڈ کرنے والے دنیا میں ہر شے کے لیے شوق تمنا ظاہر کرنا پڑتا ہے۔ ''پانے'' کے لیے اظہار کرنا پڑتا ہے۔ مگر ماں باپ اپنے بچوں کی بہت سی خواہشوں کو بنا کہے ہی جان لیتے ہیں۔ ماں کو کبھی یہ بتانا نہیں پڑتا کہ مجھے بھوک لگی ہے۔ اسے خود خبر ہوتی ہے کہ میرا بچہ بھوکا ہے اور اسے کھانے کی حاجت ہے۔ اسے بھی بتانا نہیں پڑتا کہ میں پریشان ہوں' وہ خود آپ اپنی نظروں سے یہ بھید اپنے بچے کے چہرے پر تلاشتی ہے۔

بچے نا سمجھی میں کتنی غلطیاں کرتے ہیں۔ مگر ماں باپ کبھی ملامت نہیں کرتے کہ' تم نے کچھ غلط کیا ہے' پھر یہ کہ غلطی تمہاری تھی۔ دیکھ لیا نا اجر۔''

کتنا بڑا دل ہوتا ہے ان ہستیوں کا اور کس قدر بلند مقام و مرتبہ۔

علما کو پورے دل سے اعتراف تھا اس بات کا تبھی ان کے لیے اس نے خود پر زندگی کے دروازے بند نہیں کیے تھے۔ بلکہ اب وہ بہت زیادہ وقت گھر میں صرف کرنے لگی تھی۔ عامر رضا کے نام کی انگوٹھی اس نے اسی دن اتار کر دراز میں ڈال تھی ان دنوں یونیورسٹی میں آخری سمیسٹر چل رہا تھا اس کا گو وہاں بھی مصروفیت زیادہ تھی۔ مگر اس کے باوجود وہ گھر لوٹتی تو تادیر ان سب کے درمیان بیٹھی ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہتی یا پھر کچن سنبھال لیتی اور انواع و اقسام کی ڈشز بناتی رہتی۔ نویرا اسے دیکھ کر مسکراتی رہتی۔

''تم تو بہت سگھڑ ہو گئی ہو۔''

''اچھی بات ہے نا۔'' وہ مسکرا دیتی تھی۔

اس روز وہ اپنے کمرے میں میگزین لیے بیٹھی تھی جب وہ سب آن دھمکے تھے۔ فانی اور سلمان وغیرہ

اسے زبردستی کھینچ کر لاؤنج میں لے آئے تھے اور پھر ایسے اسے گھیر کر بیٹھ گئے تھے جیسے وہ ابھی بھاگ جائے گی۔ اس نے دیکھا تھا سکینگین وہاں نہیں تھا۔

اور کتنے دن سے وہ اسے نظر نہیں آیا تھا۔ پتہ نہیں کہاں تھا' ملک میں تھا بھی کہ نہیں۔ اس نے تو جاننے کی زحمت ہی نہیں کی تھی۔ اپنے اندر سے نکلتی تو کسی دوسرے کی کھوج میں نکلتی۔ وہ تو اپنے اندر کی تعمیر نو میں مصروف تھی ان دنوں۔

سب ہنسی مذاق میں مصروف تھے۔ بھانت بھانت کی بولیاں بولی جا رہی تھیں۔ وہ ہولے ہولے مسکراتی فقط ان کو سن کر محظوظ ہو رہی تھی۔

''سنولڑکی تمہارے پاس ایک عدد اچھی خاصی زباں ہوا کرتی تھی اس کا کیا ہوا؟''

سلمان نے بہت شرارت سے جھک کر اسے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا اور وہ یکدم ہی مسکرا دی تھی۔ تبھی جاذب نے اسے مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔

''یار پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے تو پہلے ہی ایک آفر کر دی تھی۔ چھوڑو اس کالے بینگن کو۔ تم مجھے دیکھو نا ٹام کروز کے ساتھ چلتی ہوئی تم کتنی خوب صورت لگو گی۔ لوگ رشک کریں گے ہمارے ساتھ پر۔''

''یہی سوچ کر تو بچاری اتنی ملول نظر آ رہی ہے۔ آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا والی مثال یاد دہانی کے لیے حاضر خدمت ہے۔'' زبیر نے سلمان کے ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہوئے ہنستے ہوئے کہا تھا اور کمرہ قہقہوں سے گونج گیا تھا۔

''سنو اس کو چھوڑو' میں ہوں نا' ایسے موقعوں پر اپنے ہی قربانی دیتے ہیں۔ میں بھی دل پر پتھر رکھ لوں گا' سلمان نے بڑی فیاضی سے خود کو پیش کیا تھا اور ساتھ ہی ''جنوں'' کی شامت آ گئی تھی۔

مکمل جنونی انداز میں وہ بہت جھوم جھوم کر جس انداز سے اس گھڑی گا رہا تھا وہ یکدم ہی ہنسنے لگی تھی۔

''چلیے آپ کی درخواست تو گئی۔'' زبیر نے ہنستے ہوئے تاسف سے سر نفی میں ہلایا تھا۔

''سلمان صاحب پریشانی رفع کرنے کی کوشش میں بچاری بچی کی پریشانی میں اضافہ کرتے چلے جا رہے ہیں۔'' جاذب نے دادا ابا بننے کی ناکام کوشش کی۔

''جی نہیں یہ تو ان محترم بینگن صاحب کو سوچتے ہوئے تاسف کا اظہار کر رہی ہیں۔'' سلمان نے فوراً صفائی پیش کرنا چاہی تھی۔

''اگر ایسی بات ہے تو تم پریشان نہیں ہو۔ میں اس جیسا ایک اور تلاش کرنے کی کوشش کروں گا۔ مشکل ضرور ہے مگر ناممکن نہیں۔'' فانی نے بھی حصہ لیا۔ تبھی زبیر بولا تھا۔

''میرا خیال ہے اس وقت علما بھی وہی سوچ رہی ہے جو میں سوچ رہا ہوں۔'' اس کی آنکھوں کی شوخی عروج پر تھی وہ چونکی تھی۔

''کاش اس جیسے دو ہوتے۔'' اس کا جواب باکمال تھا۔ دیر تک کمرے میں قہقہہ گونجتے رہے تھے۔

''خیر یہ تو ناممکن ہے۔ مگر ایک چیز سے ملتی جلتی دوسری شے تو ڈھونڈی جا سکتی ہے۔'' سلمان نے حوصلہ بندھایا تھا اور ساتھ ہی مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

''تم پریشان مت ہو۔ میں اپنے طور پر بھرپور کوشش کروں گا۔''

''تم سب تو.....'' وہ مسکراتے ہوئے مصنوعی خفگی سے گھورنے لگی تھی۔

''شرم کرنی چاہئے تم سب کو۔'' باقاعدہ شرم دلائی۔ مگر وہ کہاں باز آنے والے تھے' اسے متواتر چھیڑتے رہے تھے اور وہ جانتی تھی یہ اس کا دھیان بٹانے کو تھا۔ نویرا ملک اسے رشک بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''یو آر لکی ون علما بخاری!'' وہ مسکراتی ہوئی بولی تھی۔

'دیس آئی نو!'' وہ اس گھڑی دل کی پوری صداقت سے مسکرائی تھی۔

''عامر رضا تم اتنے اہم تو ہرگز نہ تھے' اور نہ ہو کہ میں اپنے بہت سے پیاروں کو تمہارے کیے جرم کی سزا دوں۔'' اس نے خود کو باور کراتے ہوئے یکدم ہی گردن اٹھائی تھی۔ جب وہ عین سامنے ستون کے ساتھ لگا کھڑا نظر آ گیا۔

وہ بغور دیکھنے لگی۔ وہ اس لمحے اس کی جانب تک رہا تھا۔ اپنی پوری توجہ کے ساتھ وہ بہت آہستگی سے اٹھ کر اس کی طرف چلی آئی تھی اور اس کے سامنے آن رکی تھی۔ وہ بہت ثانیوں تک یونہی خاموشی سے تکتا رہا تھا۔ پھر بہت ہولے سے گویا ہوا تھا۔

''کیسی ہو تم.....؟''

''اب خیال آ رہا ہے تمہیں میرا.....؟'' وہ شکوہ کیے بغیر نہیں رہ سکتی تھی اور تب وہ خاموشی کے ساتھ اسے دیکھتا رہا تھا۔ پتہ نہیں اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا یا وہ قصداً کچھ بولنا ہی نہیں چاہتا تھا۔

''تھے کہاں تم.....؟''

کچھ بزی تھا.....'' بہت مدھم انداز میں جواز پیش ہوا تھا اور وہ چپ چاپ اسے دیکھتی رہی تھی۔ پھر بولی تھی۔

''اب یہیں سے واپس چلے جاؤ گے یا پھر اندر جانے کے لیے وقت ہے تمہارے پاس؟'' عجب تکلفانہ انداز تخاطب تھا۔

سبکتگین رسماً مسکرایا تھا اور پھر اس کے ساتھ قدم اندر بڑھا دیے۔

☆.....☆.....☆.....☆

کچھ دن لگے تھے۔ مگر آہستہ آہستہ واقعی ہر شے اپنے معمول پر آ گئی تھی اور وہ تب یہی سوچ رہی تھی کہ اس لمحے جو دل پر قیامت لگ رہے تھے۔ آج ان کی وقعت کیسے مائنس ہو گئی۔ وہ درد کی شدت' وہ ملال وہ احساس رائیگاں' جواب اس وقت شدت لیے ہوئے تھا۔ اب کیسے اس کا اثر زائل ہو گیا تھا۔ نہ وہ پہلی سی کیفیت

تھی نہ ہی شدت۔

شاید زخم کوئی بھی ہو بھر ہی جاتا ہے' گھاؤ کتنا بھی گہرا ہو وقت بہت بڑا مرہم ہوتا ہے اور اتنے گزرے عرصے نے یہ ثابت کر دیا تھا۔

اس نے ماسٹرز کر کے ایزاے نیوز پروڈیوسر ایک پرائیویٹ ٹی وی چینل جوائن کر لیا تھا۔ نویرا ملک بھی ایک ویلڈ نیوز پیپر میں کھپ گئی تھی اور اس عرصے میں اس کے والد صاحب نے اس سے رابطہ بھی کر لیا تھا۔ بلکہ دو ایک بار تو ملنے بھی آئے تھے۔ نویرا نے فی الحال ان کے ساتھ جانے سے معذرت کر لی تھی۔ شاید وہ اپنی اسٹیپ مام اور بہن بھائیوں کے درمیان پھر سے جانا نہیں چاہتی تھی۔ تبھی وہ پس و پیش سے کام لے رہی تھی۔ حالانکہ وہ متواتر اسے سمجھا رہی تھی۔

''دیر آید درست آید انہیں آخر اپنی کوتاہی کا احساس ہوا تو!'' مگر نویرا ملک نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

''اب کیا فائدہ! بہت سی باتیں فقط وقت پر اچھی لگتی ہیں۔ وقت گزرنے کے بعد ان کی نا صرف شدت مٹ جاتی ہے بلکہ وقعت بھی ختم ہو جاتی ہے۔''

''پھر بھی وہ تمہارے فادر تو ہیں۔''

''اس سے کب انکاری ہوں میں۔'' وہ تلخی سے مسکرائی تھی۔ ''تم دیکھ سکتی ہو میرے تمام ڈاکومنٹس میں ان کا نام بطور فادر جگمگا رہا ہے۔'' اور تب وہ زیادہ کچھ نہیں بولی تھی۔

سکتگین ان دنوں بہت بزی ہو گیا تھا۔ اب تو مہینوں گزر جاتے اس سے ملے اسے دیکھے۔ پکا بزنس مین بن چکا تھا۔

کبھی یونہی ملاقات ہو بھی جاتی تو کتنی سرسری سی ہوتی رسمی سی کیا ہو' کیوں ہو' کیسے ہو' کب آئے کب جا رہے ہو' وغیرہ۔'' اور تب وہ مسکراتی ہوئی سوچتی کبھی وہ سب لوگ کتنے فارغ ہوا کرتے تھے۔

اس دن وہ فانی کے ساتھ بیٹھی اسی موضوع پر بات کر رہی تھی جب اس نے بتایا کہ وہ نویرا ملک کو پسند کرتا ہے۔ اب سے نہیں بہت دنوں سے شاید سالوں سے۔'' اور تب وہ کتنے ہی لمحے حیرت سے تکتی رہی تھی اور پھر یکدم ہنسنے لگی تھی۔

''کتنے بدھو ہو تم فانی ایک اتنی سی بات کہنے کو تم نے اتنے سال لگا دیئے۔ اور اب بھی اس سے تو ہرگز نہیں کہی ہو گی۔''

''نہیں مگر.....'' اور تبھی وہ اس کی بات کاٹ کر تیزی سے بولی تھی۔

''اس اگر مگر کو چھوڑو میاں' فوراً سے پیشتر ہمت پکڑو ورنہ ٹرین چھوٹ گئی تو بیٹھے رہ جاؤ گے وہ بری ہے مگر اتنی بری بھی نہیں ہے کہ تمہیں.....'' وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر ہستی چلی گئی تھی اور تبھی وہ نفی میں سر ہلانے لگا تھا۔

''نہیں یہ بات نہیں۔ دراصل مجھے خدشہ ہے کہیں وہ مجھے بھی اس صف میں کھڑا نہ کر لے۔ جس میں اپنے فادر اور ایکس فیانسی کو کرتی ہے۔'' علما نے اسے دیکھا تھا اور پھر ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

''سنو فانی ایسا نہیں ہے۔ ایسا نہیں ہوتا۔ بس بات اعتبار دلانے والے کی ہوتی ہے۔ اگر وہ بہت صداقت کے ساتھ اعتبار دلائے کہ وہ ہمیشہ وفادار رہے گا تو کوئی مضائقہ نہیں کہ کوئی ایمان نہ لائے' مگر بات یہ بھی ہے کہ اعتبار نہ توڑنے کی شرط بھی عائد ہونا ضروری ہے۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ تم صداقت رکھتے ہو تو تم ضرور اسے حاصل کر لو گے۔ جیت لو گے۔''

''پکی بات ہے؟'' وہ مسکراتے ہوئے یقین چاہ رہا تھا۔ وہ مسکرا دی تھی۔

''بالکل پکی..... بھئی اتنے عرصے کا ساتھ ہے کیا اب بھی نہ سمجھوں گی اسے۔'' اس نے یقین دہانی کرائی تھی۔ اور پھر واقعی فانی نے نویرا ملک کو پرویوز کر دیا تھا اور نویرا ملک نے جب اسے آگاہ کیا تھا تو اس کے لبوں پر بڑی دلفریب مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں بہت سے جگنو چمک رہے تھے۔

یقیناً وہ فانی کی صداقت کو جھٹلا نہیں سکی تھی اور ایک بار پھر ایمان لے آئی تھی۔ اور وہ اس کی گھڑی اس کے چہرے کی شادابی کو دیکھتے ہوئے یہی سوچ رہی تھی کہ لڑکیوں کی قوم دنیا کی احمق ترین قوم ہے۔

''ایسے کیوں مسکرا رہی ہو۔''

''ظاہر ہے تم میری بھابی بننے جا رہی ہو۔ کیا اب بھی تنقیدی جائزہ نہ لوں؟'' اور نویرا ملک نے مسکراتے ہوئے اسے کشن کھینچ مارا تھا۔

''ظاہر ہے فانی تو محبت کی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے اور تم تو جانتی ہو لواز بلائنڈ بھگتنا تو ہمیں ہی پڑے گا نا۔'' وہ ہنس رہی تھی۔

''تمہیں رہنے دوں گی یہاں تو پھر ہے نا..... فوراً ہی منصب سنبھالتے ہی چلتا کر دوں گی۔'' نویرا ملک کھلکھلا کر ہنسی تھی۔

''ہاں تم ابھی سے روایتی بھابی بن رہی ہو۔'' علما نے حیران ہوتے ہوئے اسے خفگی سے دیکھا تھا۔

''تم بھی تو روایتی نند بن رہی ہو۔'' وہ بے ساختہ ہی ہنسنے لگی تھی۔

اور تب علما بخاری نے صدق دل سے اس کی خوشیوں کی سلامتی کے لیے دعا مانگی تھی۔

☆.....☆.....☆.....☆

سنیعہ کا برتھ ڈے تھا۔ سو وہ آج آفس سے جلدی اٹھ کے آ گئی تھی۔ ساتھ ہی اس نے نویرا ملک کو بھی فون کر کے ہدایت کر دی تھی جلدی گھر پہنچنے کی۔ اس گھڑی وہ بہت دلجمعی سے سنیعہ کے لیے اپنے ہاتھوں سے بلیک فورسٹ بیک کر رہی تھی جب نویرا ملک اس کے سامنے آن رکی۔

''عجیب لڑکی ہو اتنی دیر سے میں.....''

''سنو علما تم سے کوئی ملنے آیا ہے!'' نویرا ملک نے بہت مدھم لہجے میں اسے اطلاع دی تھی۔

''کون ہے' کیا سبکتگین' کتنا بدتمیز ہے یہ سبکتگین بھی کتنے دنوں سے نہ کوئی فون یا ای میل اتنی بھی بھلا کیا مصروفیت یہ تو جہاں جاتا ہے۔ جا کر بیٹھ جاتا ہے۔ اب وہاں کیلگری میں کتنے بہت سے دن لگا دیئے۔

پچھلے ہفتے فون پر بات ہوئی تو پوچھ رہا تھا کہ کیا لاؤں میں نے کہا تم خود آ جاؤ بڑی بات ہے آج کل تم ہی ناپید ہو' مجھے تو تمہاری شکل بھی بھولنے لگی ہے اب کے آؤ تو اپنی ایک تصور انلارج کر کے سامنے کے چوراہے پر لگا جانا اسی بہانے تمہاری صورت بھی یاد رہے گی۔'' وہ بتاتے ہوئے ہنسنے لگی تھی۔ ''پرسوں رات جو میل کی ہے اس میں اسی بات کی یقین دہانی کرائی ہے۔'' مگر نویرا مسکرائی نہیں تھی۔ یونہی اسے ساکت نظروں سے تکتی رہی تھی۔

''علما سکتگین ہوتا تو اسے ڈرائنگ روم میں بٹھانے کی ضرورت پیش نہیں آتی وہاں کوئی اور ہے۔'' نویرا نے مکمل سنجیدگی سے آگاہ کیا تھا۔

''کوئی اور مگر کون.....؟'' وہ چونکی تھی اور تبھی اس کے ہاتھ ساکت رہ گئے تھے اور وہ خاموشی کے ساتھ نویرا ملک کی سمت تکتی گئی تھی۔

''عامر رضا.....؟'' اسے اپنی آواز بازگشت ہوتی لگی تھی اور تب نویرا نے بہت ہولے سے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ وہ کتنی ہی دیر تک ویسے ہی کھڑی رہی تھی۔ نویرا شاید اس کی کیفیت سمجھ گئی تھی۔ تبھی بہت ہولے سے بولی تھی۔

''تم نہیں ملنا چاہتیں تو میں منع کر دیتی ہوں۔''

''نن نہیں.....'' اس نے فوراً ہی سر نفی میں ہلایا تھا اور بشیر احمد کو کیک کی ذمے داری سونپ کر بہت پراعتماد قدموں سے چلتی ہوئی باہر آ گئی تھی۔ سامنے ہی ماما کھڑی تھیں۔ انہوں نے نظروں ہی نظروں میں اس کا حوصلہ بڑھایا تھا اس نے سر اثبات میں ہلاتے ہوئے قدم آگے بڑھا دیئے تھے۔

پاپا اور دادا ابا اس کے پاس شاید کمنی دینے کو بیٹھے تھے۔ مگر جس گھڑی اس نے قدم اندر دھرے دونوں ہی فوراً اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ پاپا اہم میٹنگ کا اور دادا ابا نماز کا کہہ کر اور اس نے موقع کو غنیمت جانا تھا۔ ورنہ وہ یہی سوچ رہی تھی وہ ان کے سامنے کیا کہے گی کیا کرے گی دادا ابا کو اس پر بہت اعتماد تھا۔ مگر جاتے ہوئے وہ بہت محبت کے ساتھ اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے لمحہ بھر کو رکے تھے گویا وہ خاطر جمع رکھے۔''

اور علما بخاری نے اس گھڑی بہت زور سے آنکھیں میچ کر اپنی ساری ہمتوں کو مجتمع کیا تھا۔ پھر آنکھیں کھول کر اس سامنے کھڑے شخص کو دیکھا تھا۔ بہت پراعتماد انداز میں اس کے سامنے بیٹھ کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

''کیسی ہو تم.....؟'' عامر رضا نے مسکراتے ہوئے پوچھا تھا غالباً وہ مسکرا دی تھی۔

''پرفیکٹ.....اور تم؟''

''میں بھی۔'' وہ مسکرا کر جواب دیتے ہوئے پھر گہری خاموشی میں ڈوب گیا تھا۔ تبھی اس نے پراعتماد انداز میں اسے دیکھا تھا۔

''آج کیسے راستہ بھول گئے۔ کوئی کام تھا کیا.....؟'' اس کا انداز بہت دوٹوک تھا۔ کہیں کوئی لگی لپٹی نہ تھی۔

''میں ری سنٹلی واپس آیا ہوں آسٹریلیا سے۔'' کیسی خجالت بھری مسکراہٹ تھی۔

''اوہ.....!'' اس نے مسکراتے ہوئے ہونٹ سکوڑے تھے۔''اکیلے ہی لوٹے ہو یا۔ ویسے بہت سا بینک بیلنس تو تم نے بنا ہی لیا ہوگا بوریاں بھرنے کی خواہش تو بہت پرانی اور شدید تھی تمہاری۔'' وہ یکدم ہی ہنسنے لگی تھی۔

عامر رضا ہونٹ بھینچ کر رہ گیا تھا۔ یقیناً اسے یہ سچائی ہضم نہیں ہوئی تھی۔ وہ بہت دیر تک سر جھکائے لفظوں کو سمیٹنے میں لگا رہا تھا اور وہ جیسے اسے موقع دینا چاہتی تھی تب ہی اسے چپ چاپ دیکھتی رہی تھی۔ عامر رضا شاید کامیاب ہو گیا تھا اپنی کوششوں میں تبھی سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگا تھا۔

''علما آئی ایم سوری میں نے تمہارے ساتھ اچھا نہیں کیا مجھے یہ احساس جرم بہت تڑپاتا رہا بہت' بے حد اور پھر میں نے سب کچھ تج دیا سب کچھ چھوڑ دیا۔ چھوڑ دیا وہ سب کچھ جو اس بات کا کارن بنا۔ علما تم مجھے معاف کر دو' میں نے بہت دیر میں جانا کہ وہ راہ میری نہ تھی۔ میرے لیے نہ تھی' میری منزل تو' کہیں اور تھی اور میں نادانستگی میں ادھر ادھر بھٹکتا رہا اور۔''

یہ تک کہ وہ دوبارہ اپنے اصل راستوں کی جانب لوٹنا چاہتا ہے۔ وہ دوبارہ علما کی زندگی کا حصہ ہونا چاہتا ہے۔ اس نے بہت پرسکون انداز میں اس کا تمام مدعا یوں سنا تھا جیسے وہ اس بات پر معمور ہو یا پھر یوں کہ جیسے اس سے بہتر حل جیسے کسی اور کے پاس نہ ہو۔

''علما بخاری میں جانتا ہوں معاف کرنا آسان نہیں ہوتا۔ مگر عورت کے دل میں خدا نے بہت وسعت رکھی ہے۔ وہ ظرف میں مرد سے کہیں زیادہ بلند و بالاتر ہے۔ یہ میرے علم میں ہے اور مجھے یقین ہے تم میری خطاؤں کو معاف کر دو گی اور مجھے اس سزا سے آزاد کر دو گی جو اب تک میں نے تمہارے حوالے سے خود پر روا رکھی۔ علما میں کبھی بھول ہی نہیں پایا تمہیں کہ تم بھولنے کے قابل تھیں ہی نہیں' تبھی تو..... تبھی تو لوٹ آیا ہوں۔

کیونکہ میں جانتا ہوں تم سراپا محبت ہو اور محبت اتنی ظالم قطعی نہیں ہوتی۔ محبت معاف کر دیتی ہے۔ ہر خطا ہر گناہ محبت ظرف ہے اور تم محبت ہو۔

تمہاری شدتوں نے مجھے اپنی جانب کھینچ لیا اور میں نے اعتراف کرنے میں دیر نہیں کی علما بخاری میں بہت شرمندہ ہوں۔ مگر تمہیں یہ بھی بتانا چاہتا ہوں کہ غلطی تو انسان سے ہی ہوتی ہے اور میں ایک بشر ہی ہوں تم پلیز۔''

اور اس گھڑی علما بخاری نے جیسے اکتا کر ایک گہری سانس خارج کی تھی۔ جیسے وہ اس کا مسلسل الاپ سنتے سنتے تھک چکی تھی۔ عامر رضا اسے منتظر نظروں سے دیکھنے لگا تھا۔

اس لمحے نازک سی لڑکی کے چہرے پر حد درجہ اطمینان تھا اور وہ بے حد پرسکون انداز میں بیٹھی اسے دیکھ رہی تھی۔

''تمہیں کچھ اور کہنا ہے؟'' بہت ٹھہرے ہوئے لہجے میں اس نے دریافت کیا تھا۔ اور عامر رضا جیسے ساکت رہ گیا تھا۔ تبھی وہ سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

''عامر رضا مجھے نہیں معلوم تمہیں یہاں کیا شے کھینچ کر لائی۔ میں یا میرا اسٹیٹس اپنی پہلی بیوی سے فارغ کر دیئے جانے کے بعد شاید تمہارے پاس دوسری کوئی راہ یا آپشن باقی نہیں بچا ہوگا تبھی تمہیں احساس جرم ستانے لگا۔ اٹس ٹو لیٹ بہت دیر ہو چکی ہے عامر رضا میں اس مقولے پر قطعی عمل نہیں کرتی کہ صبح کا بھولا شام کو لوٹ آئے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔'' وہ تلخی سے مسکرائی تھی۔

''عامر رضا تم میری ناپختہ عمر کی اولین غلطی ہو جسے کم از کم اب میں دہرانا نہیں چاہتی بہت یقین کیا تھا میں نے تمہارا' محبت تو شاید بہت بعد کی چیز تھی۔ مگر جب تم نے وہ یقین و اعتبار توڑا تو اس روز وہ محبت بھی ٹوٹ کر چکنا چور ہوگئی اور اب یہاں نہ کہیں یقین ہے نہ محبت!'' وہ بہت دھیمے سے مسکرائی تھی۔

''ایک بات تم نے بہت درست کہی۔ عورت کے دل میں بہت وسعت ہوتی ہے۔ وہ ظرف میں مرد سے کہیں بلند و بالاتر ہوتی ہے۔ آئی ایم ایگری وویو عامر رضا یہ واحد اپروچ ہے جسے مرد ہمیشہ اپنے شکستہ وجود کو ''ڈی فنڈ'' کرنے کے لیے تلاشتا ہے۔ لائک اے چک ہارٹ پرسن۔

درحقیقت اگر ہم نارمل وے میں بحث کر رہے ہوتے تو تم عورت کی کسی بھی خوبی کو سرے سے ماننے سے ہی انکاری ہو جاتے۔ مگر اب تمہیں خود اپنے بچاؤ کی ضرورت پڑی ہے تو ساری خوبیاں نظر کے زاویے میں آن ٹھہری ہیں۔'' وہ بہت پراعتماد انداز میں اسے دیکھتے ہوئے مسکرائی تھی۔

''مجھے بتاؤ عامر رضا اگر ایسی ہی خطا عورت کرے اور واپس لوٹے تو کیا تم لوگ اسے معاف کرتے ہو چلو تم اوروں کی بات چھوڑو تم اپنی بات کرو اگر تم میری جگہ ہوتے اور میں تمہاری جگہ ہوتی اور تم سے بے وفائی کر کے میں اپنی راہ بدل لیتی اور تمہیں مطلع تک کرنے کی زحمت نہ کرتی کہ تم میری طرف سے آزاد ہو یا اگر میں اپنی راہیں بدل چکی ہوں تو تم بھی اس اقدام کے لیے آزاد ہو۔ تم بھی اپنی راہیں بدل سکتے ہو۔ میں اپنی سہولت کے لیے' اپنی ضرورت کے لیے' وہ نئی راہ بھی اختیار کرتی اور تمہیں بھی سنگ باندھے رکھتی' تم بے خبر' میری راہ تکتے رہتے مجھے روز سوچتے رہتے' پاگلوں کی طرح خط لکھ لکھ کر ڈالتے رہتے اور میں اپنی نئی کلرفل لائف میں گم کسی بات کو بھولے سے سوچتی بھی نہیں کبھی تمہیں یاد کرنے کی زحمت بھی نہ کرتی۔ پر جب میں اپنے تمام گول اچیو کر لیتی اور اس تمام تر چکا چوند سے میرا دل بھر جاتا اور دوسرا فریق مجھے بیچ منجدھار چھوڑ جاتا۔ پھر میں اور میرے پاس کوئی دوسری راہ نہ بچتی تو گنگا نہا کے اسی طرف دوبارہ لوٹ آتی۔ انہی راہوں پر جہاں میں نے کہیں تمہیں ایک دن خود چھوڑ دیا تھا۔ مجھ بتاؤ عامر رضا کیا تم اس کنڈیشن میں مجھے معاف کر دیتے قبول کر لیتے سر آنکھوں پر بٹھا لیتے میرے قدموں کی خاک کو اپنی پیشانی پر سجاتے؟

نہیں بالکل نہیں کیونکہ تمہاری انا انتہائی ہرٹ ہوتی۔ تم اس پہلی شکست کو کبھی بھول ہی نہیں پاتے اور سب سے بڑھ کر میری اس دوسرے فریق کے ساتھ انوالمنٹ کی خطا تو تم سرے سے بھول ہی نہیں کر پاتے.....''

وہ ہکا بکا سا اسے دیکھے جا رہا تھا۔ علما نے بہت اطمینان سے اسے مسکرا کر دیکھا تھا۔ پھر گویا ہوئی تھی۔

''تم میرا ظرف آزمانے سے پہلے اپنا ظرف آزماؤ۔ میری دانست میں تم اپنے حصے کی خوشیاں سمیٹ چکے ہو۔ اپنی بھرپور زندگی گزار چکے ہو۔ پھر تمہیں نئے نئے جہانوں کو فتح کرنے کا جنون کیوں سوار ہے۔ تم کیوں ہر جانب سے فاتح رہنا چاہتے ہو.....؟

عامر رضا میرے پاس تمہارے لیے کہیں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اب تم جا سکتے ہو۔'' وہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

عامر رضا بلا تامل اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

علما بخاری نے رخ پھیرے کھڑے اس کے قدموں کی آواز سنی تھی۔ وہ جا چکا تھا۔ اس نے یقین کرنے کو رخ پھیرا تھا۔ تبھی وہ چونک گئی تھی۔

عین سامنے ستون کے ساتھ سبکتگین غزنوی لگا کھڑا اسے بغور دیکھ رہا تھا۔

خود کو مطمئن کرنے کو اس نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔ پھر مسکرا دی تھی۔ ساتھ ہی قدم اس کی سمت بڑھا دیے تھے۔

''سبکتگین، تم کب آئے وہاٹ اے کول سرپرائز! مگر وہ اس دھیمے انداز میں تکتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

''چلو نا اندر چلو۔ تمہیں پتہ ہے آج سنیعہ کی برتھ ڈے ہے اور میں نے اپنے ہاتھوں سے تمہارا من پسند بلیک فورسٹ بیک کیا ہے۔'' مسکراتے ہوئے اس نے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔

''اور تم جانتے ہو فانی کے لیے نویرا ملک کو مانگ لیا گیا ہے اور اب بہت سی شہنائیاں گونجیں گی اس گھر میں سچ اس قدر اسٹوپڈ ہے یہ فانی بھی نویرا سے کہہ ہی نہیں پا رہا تھا۔ مجھے آگاہ کیا تو میں نے مشورہ دیا کہ بھئی صاف صاف کہہ دو اس میں ڈرنے والی کیا بات ہے' جب پیار کیا تو ڈرنا کیا۔ پیار ہی کیا ہے کوئی چوری تو نہیں کی۔'' وہ کہہ کر ہنسنے لگی اور سبکتگین اس کے چہرے کو دیکھتا چلا گیا تھا۔

''اے سبکتگین ایسے کیا دیکھ رہے ہو.....؟'' وہ اس کی آنکھوں کے آگے ہاتھ لہراتی ہوئی حیرت سے پوچھ رہی تھی۔ وہ یکدم ہی مسکرا دیا تھا۔

''علما بخاری ڈر کہنے کا نہیں ہوتا۔ ڈر کسی کو کھونے کا ہوتا ہے۔ اس خدشے کا ہوتا ہے جو دل میں محبت کے ساتھ پنپ رہا ہوتا ہے۔

فقط کہنے کی بات ہو تو راہ چلتے کسی سے بھی با آسانی یہ تین لفظ کہے جا سکتے ہیں۔ بنا ڈرے' بنا ہچکچائے۔

کیونکہ اس میں کم از کم یہ ڈر نہیں ہوتا کہ کوئی ہمیں اپنائے گا۔ یا جواباً رد کر دے گا۔

یہ بات فقط وہیں کہتے ہوئے دل ڈرتا ہے۔ جہاں دل کے تار جڑے ہوں۔ جہاں اپنے رد کیے جانے کا ڈر ہو۔ اپنی محبت کے قبول نہ کیے جانے کا خوف ہو۔

رائٹ ورڈز فقط رائٹ پرسن سے کہنے سے لب ڈرتے ہیں اور وائزاٹ ناٹ اے ہارڈ سٹ تھنک نو سے!''

سبکتگین غزنوی کے لفظوں میں صداقت تھی اور علما بخاری اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔ اس کی نگاہوں میں کچھ تھا۔ تبھی وہ فوراً ہی اس لمبے چوڑے شخص پر سے نگاہیں ہٹا گئی تھی۔

''چھوڑو یہ ادھر ادھر کی فالتو باتیں' چلو اندر چلو!'' اس نے پلٹ کر اس کا ہاتھ کھینچا تھا مگر وہ وہیں جما کھڑا رہا تھا۔ تب وہ پلٹ کر حیرت سے تکنے لگی تھی۔ سبکتگین غزنوی اسے دیکھتا رہا تھا۔ پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ذرا قریب کر لیا تھا اور بغور دیکھنے لگا تھا۔

''سبکتگین تم.....!'' اس نے بولنے کو لب وا کیے تھے۔ مگر اس نے اپنے لبوں پر شہادت کی انگلی رکھ کر اسے مکمل خاموشی رہنے کا اشارہ کیا تھا۔

''شش.....! آج کچھ نہیں آج ہم کوئی اضافی بات نہیں کریں گے!'' وہ بغور اس کے صبیح چہرے کو تکتے ہوئے مسکرایا تھا۔ علما اس کی جانب دیکھتی چلی گئی تھی۔

''ابھی کچھ دیر قبل تم عدالت لگائے عامر رضا کا مقدمہ سن رہی تھیں۔ کچھ ایسا ہی مسئلہ یہاں بھی درپیش ہے۔ میرے پاس بھی وہی پروپوزل ہے جو اس نے دیا تھا۔ تم نے اسے تو رد کر دیا مگر مجھے رد نہیں کر سکو گی۔'' اس کی آنکھوں میں بہت سے جگنو تھے اور لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ۔ وہ یکدم ہی ہنس دی تھی۔

''کیوں اتنا یقین کیوں ہے تمہیں؟''

''کیونکہ مجھے ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے ججز کے پینل پر یقین ہے۔!'' سبکتگین کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔ اس نے یکدم ہی لب بھینچ لیے تھے۔

سبکتگین نے اس کے نازک سے ہاتھ کو اپنی آہنی گرفت میں لیا تھا اور بھوری آنکھوں سے اس کے چہرے کو بغور تکنے لگا تھا۔

''کہو میرے حق میں کیا فیصلہ ہو گا؟''

''مجھے نہیں پتہ!'' وہ چہرے کا رخ یکدم ہی پھیر گئی تھی۔

''علما میرے لیے یہ اہم نہیں ہے کہ تم مجھے چاہو۔ مجھے چاہے جانے کی کوئی ستائش کوئی تمنا' نہیں ہے۔ میرے لیے یہ اہم ہے کہ میں تمہیں چاہتا ہوں.....! بے حد بے حساب اور میں جانتا ہوں۔ محبت جیت لینے کا فن رکھتی ہے۔ محبت ایک یقین ہے اعتبار ہے۔

اور مجھے اتنا یقین ہے کہ میں تمہارا یقین جیت سکتا ہوں۔

ساتھ چلیں گے تو محبت بھی ہو ہی جائے گی۔ مجھے بس اتنا بتا دو کیا تم میرا یقین کر سکتی ہو؟ وہی یقین جو محبت کی بنیاد ہے۔ مجھے ویسا ہی اعتبار سونپ سکتی ہو۔ جو محبت کے لیے پہلی ڈینٹ کا کام کر سکے؟''

کتنا مدھم تھا اس شخص کا لہجہ اور کس قدر یقین تھا اس کے لہجے میں اور اس کی آنکھیں۔

ان بھوری آنکھوں میں اس گھڑی اعتبار و یقین کی کتنی ہی قندیلیں روشن تھیں۔ کتنے محبت کے جگنو

ٹپک رہے تھے۔

وہ اپنا مدعا بیان کر کے اس لمحے جواب کے لیے اس کی جانب بغور دیکھ رہا تھا۔

اور علما بخاری اب ایسی بھی ناسمجھ نہ تھی کہ کھرے اور کھوٹے کی پہچان نہ کر سکتی وہ بہت ہولے سے مسکرائی تھی۔ اور پھر بہت آہستہ سے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

اس لمحے فقط ایک سر ہلا دینے سے اس کے اندر یہاں سے وہاں تک ایک اطمینان پھیل گیا تھا اور یہی اطمینان اسے باور کرا رہا تھا کہ اس نے سبکتگین غزنوی کے حق میں فیصلہ دے کر کچھ غلط نہیں کیا۔

وقار عظیم پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

دل لوچے ماہی یارنوں

نہایت انہماک سے وہ رائیٹنگ ٹیبل پر بیٹھی ریڈنگ میٹریل کو بغور پڑھتی ہوئی اسائنمنٹ کے لیے ریلی دنٹ پوائنٹ منتخب کر رہی تھی۔ توجہ مکمل طور پر اسی جانب تھی۔ ارادہ آج ہی کام نبٹانے کا تھا کہ پرسوں تک ہر حال میں اسے یہ ریسرچ اسائنمنٹ سمٹ کروانا تھا۔ شاید وہ اپنی اس کوشش میں کسی قدر کامیاب بھی ہو جاتی کہ عین اسی لمحے دروازہ کھلا اور محترم بلمازحیدر اندر تشریف لائے۔ وہ تب بھی اسی طرح جھکی رہی۔ آہٹ پر متوجہ ہونا تو دور کی بات وہ چونکی بھی نہ تھی۔ حتی کہ وہ اس کے سر پر پہنچ کر بولا۔

''کیا ہو رہا ہے یہ۔ تم ابھی تیار نہیں ہوئیں؟'' اور اس لمحے وہ یکدم ہی چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''تم کہاں سے آ گئے؟'' اس کا انداز اتنا ہونق تھا کہ بلمازحیدر کا دل اپنا سر پیٹ لینے کو چاہا تبھی وہ تپ کر گویا ہوا۔

''ظاہر ہے دروازے سے' کمرے میں داخلے کا مہذبانہ راستہ دروازہ ہی ہے۔''

''ہوں وہ تو ہے۔'' اس کے جل کر گویا ہونے پر وہ قدرے نارمل انداز میں مسکرائی اور پھر دوبارہ سے توجہ ان مختلف قسم کے ریڈنگ میٹریل پر مرکوز کر دی۔

''ہو کیا رہا ہے یہ.....؟''

''ریسرچ ورک پرسوں ہر صورت میں سر احسن کو اسائنمنٹ دینا ہے۔'' وہ پیپروں کو الٹ پلٹ کر بغور دیکھ رہی تھی۔

''کیا مطلب ہے یعنی تم یہی کام کرتی رہو گی؟'' وہ حیرت سے بولا۔

''کیا مطلب ہے مجھے کوئی اور کام بھی کرنا تھا کیا؟'' اس کی جوابی کاروائی بڑی برجستہ تھی جملہ پھینک کر وہ پھر سے قلم سے ریلی دنٹ پوائنٹ انڈر لائن کرنے لگی تھی۔

اس کے بے تاثر سے اور قدرے لاتعلق انداز پر جیسے وہ تپ گیا۔

''محترمہ رحمہ جہانگیر اگر آپ کچھ بھول نہیں رہیں تو آپ کو یاد دلا دوں کہ آج آپ کی مجھ ناچیز کے ساتھ ایک کنسرٹ میں جانے کی کمٹ منٹ تھی!'' ایک ایک لفظ پر زور دیتا ہوا وہ بولا تو وہ چونک گئی۔

''اوہ.....!'' تیزی سے چلتا قلم لمحہ بھر کو رکا۔ پھر دوبارہ متحرک ہو گیا۔

''لیکن میں تو بہت مصروف ہوں آج..... چلو پھر کبھی سہی!'' بڑے مزے سے وہ کہہ کر دوسرے ہاتھ سے گلاسز کو درست کرنے لگی تو جہ اب بھی اس پر نہ تھی۔

وہ جیسے سلگ گیا پہلے پیپرز اس کے سامنے سے اٹھائے پھر دوسرے ہاتھ سے اس کے ناک پر دھرا چشمہ بھی اپنی گرفت میں لے لیا۔ یہ بے حد اچانک تھا رحمہ لمحہ بھر کو قلم ہاتھ میں تھامے دنگ سی رہ گئی تھی۔ بہت جارحانہ انداز میں اس کی جانب دیکھا تھا ارادہ سخت سست سنانے کا بھی تھا مگر وہ مسکرا رہا تھا۔

''میں تمہیں پندرہ منٹ دے رہا ہوں۔ جلدی سے تیار ہو جاؤ۔''

''بلماز پلیز.....!'' وہ بہت کمزور سے انداز میں بولی تھی حالانکہ جانتی تھی احتجاج فضول تھا بالکل۔ وہ کہاں سننے والا تھا۔

''تم جانتے ہو کس قدر اہم کام ہے۔ خود تو تم کسی بھی ویب سائٹ سے میٹریل نکال لو گے اور پرنٹ آؤٹ نکال کر سر احسن کو تھما دو گے مگر میرا سوچو مجھے ایسی کوئی مراعات حاصل نہیں ہے۔''

''سو واٹ..... میں اتنا خود غرض تو نہیں ہوں' جب اپنے لیے پرنٹ آؤٹ نکالوں گا تو ایک تمہارے لیے بھی نکال دوں گا شاباش جلدی کرو۔ دیر ہو رہی ہے بھئی۔ وہاں کے ایم سی اسپورٹس کمپلیکس میں آنے والے جنون گروپ سے ہماری ایسی کوئی خاص رشتے داری نہیں کہ وہ ہمارا ویٹ کریں۔'' اس کے شانے کو بچوں کی طرح تھپتھپاتے ہوئے وہ بولا تو وہ اسے نہایت بے بسی کے ساتھ دیکھنے لگی۔

''بلماز یہ میرے لیے بہت مشکل ہے۔ میں نہیں کام کر پاؤں گی۔''

''ارے بابا اتنا پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ میں کہہ رہا ہوں نا!'' اس نے جیسے اعتبار دلانا چاہا۔

''ہاں اس سے قبل بھی ایسے کئی وعدے کر چکے ہو تم!'' رحمہ نے یاد دلایا۔ مگر وہ قطعی شرمندہ نہ ہوا۔

''جہاں اس سے قبل اعتبار کیا ہے اب بھی کر لو۔'' وہ ہنسا۔ وہ سلگ گئی۔

''میرے گلاسز واپس کرو!''

''کیوں تمہیں چھ فٹ سے بھی زیادہ طویل شخص اتنی قریب سے بھی نظر نہیں آ رہا؟''

''ڈونٹ بی سلی بلماز پلیز!'' اس نے قطعی انداز اختیار کیا۔ مگر دوسری طرف قطعی کوئی اثر نہ ہوا۔

''ٹکٹ کے پیسے ضائع جانے کا ملال میں نہیں کرنا چاہتا۔ شاباش جلدی کرو وقت بہت کم ہے ہمارے پاس!''

''تو کسی اور کو لے جاؤ عینی فارغ ہی ہے۔''

''فی الحال تو تم بھی کچھ نہیں کر رہیں!'' وہ محفوظ ہوتے ہوئے جیسے مسکرایا اور تب وہ اپنے خالی ہاتھوں کو دیکھ کر سلگتی ہوئی اس کی جانب دیکھنے لگی۔

''یور آر ئیلی ویری اسٹوپڈ!'' وہ تپے ہوئے انداز میں بولی مگر وہ مسکراتا ہوا اس کے گلاسز کو اس کی نظروں کے سامنے لہراتا ہوا پلٹ کر دروازے کی جانب پیش قدمی کرنے لگا۔ پھر پلٹ کر اس کی جانب دیکھنے لگا۔

''تمہارے پاس دس منٹ ہیں'' حتمی انداز میں کہتا ہوا وہ..... دھیمے سے انداز میں مسکرایا اور پھر دروازہ سے دوسری جانب غائب ہو گیا۔ وہ ایک گہرا سانس لے کر جیسے خود کو راضی کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

اس کے پاس یقیناً اب کوئی اور راہ نہ تھی کہ سوائے اس کے اٹھتی اور تیار ہوتی۔ تبھی اس کی نگاہ وال کلاک کی جانب گئی تھی۔ اور پھر وہ ایک گہرا سانس خارج کرتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

اور پھر جب وہ کچھ ہی لمحوں بعد بلیک سوٹ میں نہایت سادگی کے ساتھ تیار ہو کر اس کے سامنے تھی۔

''ڈیٹس گریٹ!'' ایک ناقدانہ نگاہ سر تا پیر اس پر ڈالی پھر جیسے مطمئن ہو کر مسکرا دیا۔

''اب میرے گلاسز دو.....!''

''اوہ اب یہ استعمال کرو گی تم.....؟'' اسے جیسے یکدم اعتراض ہوا۔

''بلماز حیدر.....!'' اس کا ضبط جیسے جواب دینے لگا۔

''اوکے.....لو.....'' اس نے ہاتھ اس کی جانب بڑھا دیا۔

''دنیا بھر کی لڑکیاں سنس آف بیوٹی رکھتی ہیں اور بیوٹی کانشیس ہوتی ہیں مگر تم اپنی نوعیت کی عجیب و غریب لڑکی ہو۔''

''اگر اتنی ہی بری لگتی ہوں تو چھوڑ جاؤ.....'' وہ گلاسز ٹشو سے صاف کرتی ہوئے اسے گھورنے لگی۔ مگر وہ مسکرایا۔

''خیر اتنی بری نہیں ہو۔ ہاں لگتی ہو مگر.....!'' وہ شرارت سے ہنسا تو وہ بھی مسکرا دی۔

''ماما کو بتایا ہے؟'' گلاسز ناک پر جماتے ہوئے پوچھا۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''زندگی عذاب بنا رکھی ہے۔ اچھا خاصا کام نبٹ جاتا!'' اسے ابھی تک افسوس تھا۔ گاڑی میں فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بھی وہ کہنا نہ بھولی۔

''میں نہ ہوں گی تو پھر کیا کرو گے.....!''

''جھک مارا کروں گا بائی دی وے تم جا کہاں رہی ہو.....؟'' وہ گاڑی گیٹ سے باہر نکالتا ہوا پوچھنے لگا۔

تب وہ سلگ گئی۔

''بھاڑ میں کبھی میرے بغیر بھی کچھ کر لیا کرو.....!''

''غلطی تمہاری ہے۔ بچپن سے ہی تم نے مجھے اپنا عادی کیوں بنا لیا.....؟'' بلماز نے سارا کا سارا الزام اس کے سر رکھ دیا۔

''غلطی ہو گئی معاف کر دو!'' رحمہ جیسے اپنی غلطی مانتے ہوئے بولی۔ تبھی وہ مسکرا دیا۔

''قسم سے تمہاری صورت اتنی مضحکہ خیز لگ رہی ہے کہ.....!'' وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر مسکرایا۔

''کہ.....؟'' وہ گھورنے لگی۔ تبھی وہ ہنس دیا۔

''مسکرا دو.....اچھی لگو گی.....'' اس نے جیسے درخواست کی۔

''ایک جواز یہ بھی ہے کہ ایک انتہائی ہینڈسم قسم کا بندہ جو کہ ''ہی مین'' اور ''لیڈی کلر'' مشہور ہے اس لمحے تمہارے ساتھ ہے۔ یقیناً یہ بات تمہارے لیے کسی اونر سے کم نہیں.....!''

اور اس لمحے رحمہ کے لبوں پر یکدم ہی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''خوش گمانی کی بھی حد ہوا کرتی ہے.....!'' وہ کہہ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی تھی۔

☆.....☆.....☆.....☆

صبح ناشتے کی ٹیبل پر عینی شکوہ کر رہی تھی کہ وہ اسے ساتھ لے کر کیوں نہیں گئے اور تب اس نے چائے کا کپ لبوں سے لگاتے ہوئے سرنفی میں ہلا دیا۔

''میرا خود جانے کا کوئی موڈ نہ تھا۔ وہ بلماز کو ہی شوق ہوا تھا۔ خواہ مخواہ میرا بھی وقت برباد کیا.....''

''آپ منع کر دیتیں۔ میں چلی جاتی.....!'' عینی کو ابھی تک افسوس تھا۔

''اور آپ کے اسکول کا کیا ہوتا تھا؟'' ماما نے فوراً کہا تو وہ برا سا منہ بنا کر رہ گئی۔ پھر پاپا نے جب' اسے یونیورسٹی کے سلور جوبلی گیٹ پر چھوڑا تبھی اسے سامنے ہی بلماز کھڑا نظر آ گیا۔

''شکر ہے تم آ گئیں!'' اسے دیکھتے ہی وہ بولا۔

''حالانکہ تمہیں امید نہیں رکھنی چاہیے تھی کہ رات صرف تمہاری وجہ سے میں اپنی نیند پوری نہیں کر سکی۔ اگر آج سیمینار لائبریری کی بک واپس نہیں کرنی ہوتی تو میں قطعی نہ آتی۔'' وہ تیزی سے گیٹ کراس کرتی ہوئی بولی۔

''بائے دے وی تم میرا انتظار کس لیے کر رہے تھے.....؟'' اس نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

''وہ دراصل مجھے بھی اسی بک کی ضرورت تھی!''

''اوہ.....!'' اس نے ہونٹ سکوڑے..... ''تبھی'' وہ ہنس پڑا۔

''تم کیا تصور کر رہی تھیں کہ میں تمہارا انتظار کس لیے کروں گا.....؟'' وہ چھیڑتے ہوئے بولا۔ مگر وہ جواباً کچھ نہیں بولی۔

''واک کریں؟'' بلماز نے اسے شٹل کی طرف دیکھتے پا کر پوچھا۔

''نہیں میڈیم سلمی کی کلاس شروع ہو جائے گی.....!''

''مگر شٹل میں جانے کا خواب بھی شرمندہ تعبیر ہوتا نظر نہیں آ رہا ہے.....!''

آخری فٹ بورڈ..... پر اسٹوڈنٹس کو لٹکا ہوا دیکھ کر وہ بولا تو مجبوراً اس کو اس کے ساتھ پیش قدمی کرنا پڑی۔

''واپسی میں رکنا مجھے آئی بی اے جانا ہے۔ سنا ہے وہاں خاصا میٹریل ہے میری اسائنمنٹ سے ریلیٹڈ'' رحمہ نے تلقین کی۔

''او مائے گاڈ۔ مجھے لگتا ہے تم اسی فکر میں فنا ہو جاؤ گی۔ کہا ہے نا فکر مت کرو مکمل ریسرچ پیپر تیار

کر کے تمہیں دوں گا۔'' اس نے یقین دلایا۔

''ہاں جیسے پہلے بھی دے چکے ہو.....؟'' رحمہ نے طنز کیا۔ وہ خفیف سا مسکرا دیا۔ تبھی ایک اسمارٹ سی لڑکی قریب سے گزرتی ہوئی بلماز سے ہیلو ہائے کر گئی۔

''یہ پکا والا وعدہ ہے.....!'' اس لڑکی کے آگے بڑھ جانے کے بعد وہ دوبارہ اس سے مخاطب ہوا البتہ نظریں اب بھی اسی مہ جبیں کی پشت پر تھیں۔ رحمہ نے کافی ناپسندیدہ انداز میں اس کے اس اقدام کو دیکھا۔ وہ سمجھتے ہوئے ہنس دیا۔

''اس طرح پیچ و تاب کیوں کھا رہی ہو؟''

''غلط فہمی ہے۔ یہ دھوپ کی تمازت کا اثر ہے۔'' اور وہ جانے کیوں ہنس دیا۔

ڈیپارٹمنٹ میں قدم رکھتے ہی اس نے ایک گہری سانس خارج کی۔

''تھینک گاڈ۔ طویل فاصلہ طے ہوا.....!'' کہنے کے ساتھ ہی اس نے گھڑی کی جانب دیکھا۔ تبھی بلماز کو سامنے راہداری پر جاتے دیکھ کر وہ چونک گئی۔

''تم کلاس لینے نہیں جا رہے.....؟''

''نہیں تم جاؤ اور ہاں مجھے وہ بک بھی دے دو۔ ری ایشو کروانا ہے۔'' اس نے جان لیا تھا وہ سیمینار روم میں جا کر اسٹڈی کرنا چاہ رہا ہے تبھی مزید کچھ کہے بغیر بک اس کی جانب بڑھا دی اور پھر خود کلاس روم کی جانب بڑھنے لگی۔

کلاس لے کر وہ نکلی تو گمان تھا وہ سیمینار میں ہی بیٹھا ہوگا۔ مگر جب وہ وہاں پہنچی تو وہ وہاں موجود نہیں تھا۔ پھر جب دوسری اور تیسری کلاس میں بھی وہ نہیں آیا تو وہ سمجھ گئی کہ وہ کہیں نکل گیا ہے۔ کہاں.....؟'' اس کے متعلق یقیناً وہ قیاس نہیں کر سکتی تھی۔ مگر جب واپسی پر وہ اس کے کلاس روم کی سیڑھیوں پر بیٹھی انتظار کر رہی تھی تبھی اس کے کلاس میٹ نعمان نے آ کر بتایا کہ ''بلماز اسے ملا تھا اور کہہ رہا تھا کہ تمہیں آگاہ کر دوں کہ واپسی پر میرا انتظار مت کرنا.....!''

وہ شاید جلدی میں تھا تبھی وہ کچھ مزید پوچھنے کا ارادہ رکھتے ہوئے بھی خاموش رہ گئی اور واپسی کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی ارادہ آئی بی اے لائبریری کی طرف جانے کا تھا۔ مگر پھر جانے کیوں شٹل میں سوار ہو گئی۔ پھر گھر پہنچنے تک اور شدید تھکن کے باعث سونے تک وہ متواتر کئی بار اسے سوچتے ہوئے برا بھلا کہہ چکی تھی اور بلاخر وہ نیند کی عمیق وادی میں جا اتری تھی۔

شام میں وہ ماما کے جگانے پر جب جاگی تو وال کلاک کی جانب دیکھ کر جیسے اس کے ہوش ٹھکانے آ گئے۔ رات کے آٹھ بج رہے تھے اور اسے بہت سا کام کرنا تھا۔ ریسرچ پیپر کے لیے تبھی فوراً ہی اٹھ کر منہ پر چھینٹے مارنے کی غرض سے واش روم میں گھس گئی تھی۔

باہر نکلی تو ماما اس کے لیے چائے رکھ کر جا چکی تھیں۔

وہ مشکوری کپ اٹھا کر لبوں سے لگاتی ہوئی چیئر کھینچ کر بیٹھ گئی اور چائے کے سپ لیتے ہوئے پیپر کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی۔ تبھی وہ آ گیا۔

''ہیلو کیا ہو رہا ہے.....؟'' مسکراتے ہوئے دریافت کیا۔ مگر رحمہ نے کوئی جواب نہ دیا۔

''اوہ ناراض ہو.....! سوری بھئی دراصل میں بہت مصروف تھا۔'' اس نے کہنے کے ساتھ ہی پشت سے ہاتھ نکال کر لائٹ گرین کور والی فائل اس کے سامنے کر دی۔

''یہ کیا ہے.....؟''

''یور ریسرچ پیپر.....!'' وہ دھیمے انداز میں مسکرایا۔

''ہاں.....!'' وہ حیران رہ گئی۔ ساتھ ہی نظریں اٹھا کر اس کی جانب دیکھنے لگی۔ وہ اس کی ہونق صورت دیکھ کر ہنس دیا۔

''اسے کھول کر نہیں دیکھو گی.....؟''

''تم نے .....؟'' اس نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے پھر فائل اس کے ہاتھ سے لے کر کھول کر دیکھنے لگی۔ زبردست قسم کا ریسرچ پیپر اس کے سامنے تھا۔ وہ تو بیسیوں لائبریریوں کو بھی کھنگال لیتی تو اتنا ریلی ونٹ میٹریل کلکٹ نہ کر پاتی۔ پھر اس میٹریل کو اتنے موثر انداز میں استعمال کرنا۔

''کیسے ہوا یہ سب اتنی جلدی.....!''

''جادو کا چراغ ہے میرے پاس.....!'' وہ ہنس دیا۔ ''ویسے تمہیں مجھ سے زیادہ سائنس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔ جس کی بدولت تمام مشکل کام آسان ترین ہو چکے ہیں۔''

''تھینک یو ویری مچ.....!'' وہ جیسے اس کی قائل ہو گئی۔

''اوں' ہوں نو سوری نو تھینکس ان فرینڈ شپ.....!'' وہ مسکرایا۔ تبھی سر ہلاتی ہوئی وہ بھی مسکرا دی۔

''تمہارا اپنا کام ہوا.....؟''

''نہیں ابھی نہیں۔ مگر رات تک ہو جائے گا۔ بس پرنٹ آؤٹ نکالنا ہے باقی سب کام ہو چکا ہے.....! بات دراصل یہ ہے کہ میں تمہاری طرح کسی بھی کام کو سر پر سوار نہیں کرتا۔''

''سر پر سوار کرنے کی بات نہیں۔ تم جانتے ہو بات ریپوٹیشن کی بھی ہوتی ہے۔ پھر میرے لیے واقعی یہ بہت مشکل تھا کل تک مکمل کرنا!''

''غصہ دور ہوا اب!'' وہ جانتا تھا۔ اسے واپسی پر نہ پا کر وہ سلگ کر رہ گئی ہو گی تبھی بولا تھا۔

''ہاں.....مگر تم نے بتایا بھی تو نہیں تھا بس غائب ہو گئے تھے۔''

''اب تو حاضر ہو چکا ہوں!'' وہ مسکراتا ہوا بولا تو وہ بھی مسکرا دی۔ ساتھ ہی ایک گہرا سانس۔ خارج کرتی ہوئی تم پیپرز سمیٹنے لگی۔

''تم نے واقعی مجھے ایک بڑی فکر سے آزاد کر دیا ہے۔''

''او کے اب میں چلتا ہوں.....!''

''رکو نا چائے پی کر جانا.....!''

''نہیں کام کرنا ہے.....!'' کہنے کے ساتھ ہی وہ باہر نکل گیا تھا۔

☆.....☆.....☆.....☆

کچھ چیزیں بچپن سے ہمارے ساتھ یوں پروان چڑھتی ہیں کہ پھر جیسے ہمارا حصہ بن جاتی ہیں۔ ان کا ساتھ بچپن سے تھا۔ کزن ہونے کے ناطے ایک فطری اپنائیت کا احساس تو تھا ہی۔ مگر یہ بھی تھا کہ بچپن سے ہی وہ بہت اچھے دوست تھے ایک دوسرے کا خیال کرنا۔ شرارتیں کرنا' مل کر پڑھنا، کھیلنا سب جیسے ابتدا سے ہی معمول تھا۔

دونوں نے تعلیمی سفر ساتھ ہی طے کیا تھا اور اب بھی جب وہ دونوں یونیورسٹی میں تھے۔ تو ایک دوسرے کے لیے ایک ہی ڈیپارٹمنٹ میں تھے۔ حالانکہ بلمازکا ارادہ اس فیلڈ میں آنے کا قطعی نہ تھا' گھر میں بھی یہی دباؤ تھا کہ بزنس فیلڈ جوائن کرو۔ ایم بی اے کرو۔ یا پھر ایم سی ایس۔ مگر اس نے رحمہ کے ساتھ ہی اکنامکس میں قدم رکھ دیا تھا۔

دونوں میں بہت انڈر اسٹینڈنگ تھی۔ مگر اس کے باوجود اکثر رحمہ اس سے خائف رہتی اور اکثر ڈپٹ بھی دیتی.....! جب وہ اس کی منشا کے خلاف بات کرتا۔ مگر وہ ویسے ہی دوستانہ انداز میں اس بات کو سمجھتا۔ محسوس کرتا اور قطعی برا نہ مناتا۔

اکثر اس کا نام اپنی شاندار پرسنالٹی کے باعث کئی لڑکیوں کے ساتھ ہی سنا جاتا اور تب جانے کیوں رحمہ کو یہ بات قطعی اچھی نہ لگتی مگر یہ بھی تھا کہ اس نے کبھی اس بات پر اسے ٹوکا بھی نہ تھا۔ دونوں اکثر ساتھ رہتے۔ تو اکثر ساتھ نہ بھی ہوتے۔ وہ خود بھی اسے اپنے ساتھ باندھ کر رکھنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ وہ اپنی زندگی کو اپنے طور پر جیے اور انجوائے کرے دنیا کو اپنے زاویے سے دیکھے۔ اپنے انداز فکر سے سوچے اور سمجھے کہ بہر طور زندگی اس کی تھی۔ وہ اس کی کزن تھی مگر وہ یہ بات بھی بہت اچھی طرح سے سمجھتی تھی کہ وہ اس کی میراث نہ تھا۔ اس لیے اکثر اگر وہ اس کے رنگین فسانے سنتی بھی تو نظر انداز کر جاتی۔

کوئی نام اس کے نام کے ساتھ کسی کی زبانی سنتی بھی تو کوئی نوٹس نہ لیتی۔ بلکہ اکثر وہ بذات خود اسے چھیڑتا۔

''جیلسی فیل کر رہی ہو.....؟''

''اوں ہوں۔ قطعی نہیں.....!'' وہ کہہ کر بات ہی بدل دیتی۔ مگر جانے کیوں اس لمحے وہ محظوظ ہو کر کھلکھلا کر ہنس پڑتا تھا اور وہ جانے کیوں اس لمحے بہت بولڈ ہونے کے باوجود بھی اس کی جانب دیکھ نہ پاتی تھی۔

وہ شروع سے ہی بہت جینئس تھی۔ اب بھی اس کی پوزیشن بن رہی تھی۔ تبھی وہ زیادہ تر اپنی توجہ پڑھائی پر مرکوز رکھتی۔ وہ اکثر پڑھائی میں اس کی مدد کرتا رہتا۔ اسے ریلیٹڈ میٹریل ادھر ادھر سے جمع کر کے فراہم کرتا رہتا۔ یہ بات نہ تھی کہ وہ خود اسٹڈی میں اچھا نہ تھا۔ بلکہ وہ نالج میں اس سے بھی کہیں آگے تھا۔ مگر یہ

حقیقت تھی کہ پوزیشن کے لیے کوالیفائی اسی نے کیا تھا۔

''تم اگر ادھر ادھر سے توجہ ہٹا کر توجہ اسٹڈی پر مرکوز رکھتے تو یقیناً پوزیشن تمہاری بنتی.....!'' اسے جیسے افسوس ہوتا۔

''پوزیشن تمہاری بنے یا میری بات تو ایک ہی ہے.....!'' وہ مسکرا دیتا اور تب وہ بھی مزید کچھ نہ کہتی کہ اس سے کچھ کہنا سننا فضول تھا۔

ان دنوں اس کا نام انگلش ڈیپارٹمنٹ کی فائنل ایئر کی ایش کمال کے ساتھ بہت سنا جا رہا تھا۔

اور جب داستان اس کے گوش گزار کی گئی تب اس نے سرسری انداز میں سنی اور پھر جیسے یکسر فراموش کر دی۔ جیسے جانتی ہو کہ یہ بھی کل کو قصہ پارینہ میں تبدیل ہو جائے گی۔ مگر اس کا قیاس اس وقت غلط ثابت ہو گیا۔

جب وہ ہر جگہ متواتر اس کے ساتھ نظر آنے لگا۔ سلسلہ بڑھا تو چہ میگوئیوں کا سلسلہ بھی جیسے طویل ہو گیا۔

''رحمہ تمہارے کزن محترم ان دنوں بہت اونچی فضاؤں میں پرواز کر رہے ہیں۔ ایش کمال ازاے رئیلی فنٹاسٹک گرل۔ شی از بی لونگ ٹو ویری رچ اینڈ نوبل فیملی.....!'' اس کی کلاس فیلو تانیہ بولی تو اس نے سن کر سر ہلایا۔

''او کے.....!'' اور اس کے سرسری سے انداز پر جیسے وہ چونک گئی۔

''تمہارے لیے یہ کوئی غیر معمولی بات ہے.....؟''

''وہ جہاں چاہے جائے۔ جو مرضی کرے۔ یہ اس کا پرسنل افیئر ہے۔ جس میں' میں قطعی مداخلت کا حق نہیں رکھتی!'' وہ بولی اور پھر وہاں سے ہٹ گئی۔

پھر جب وہ مین لائبریری کی طرف جا رہی تھی تبھی گرلز کیفے ٹیریا کے سامنے وہ اسے ایش کمال کے ساتھ نظر آ گیا۔ وہ اگرچہ دیکھ چکی تھی مگر نظر انداز کر کے آگے بڑھ جانا چاہتی تھی جیسے دیکھا ہی نہ ہو۔ مگر عین اسی لمحے بلماز حیدر نے پکار لیا اور تب اس کے پاس اس کے سوا کوئی راہ نہ بچی کہ وہ اس کے قریب کھڑی ہو کر اس سے بات کرے۔

''شی از ایش کمال۔'' اس نے اس کا تعارف کروایا۔

''اینڈ ایش شی از رحمہ مائی کزن!''

''ہیلو!'' ایش کمال بولی تو اس نے بھی جواباً سر ہلا دیا۔

''تمہارا کزن تمہارا بہت ذکر کرتا ہے۔ مگر تم واقعی بہت اچھی ہو!'' وہ کھلکھلاتے ہوئے لہجے میں بولی تو تب رحمہ کو یکدم احساس ہوا کہ وہ بہت اور بے حد خوب صورت ہے۔ ہنستے اور مسکراتے ہوئے بطور خاص جو گڑھے اس کے رخساروں پر نمودار ہوتے تھے وہ اس کے حسن کو چار چاند لگاتے رہتے تھے۔ دبلی پتلی سروقد خوبصورت بالوں اور سبز آنکھوں والی یہ لڑکی واقعی بے حد پرکشش تھی۔ میرون سوٹ میں اس کا گورا رنگ جیسے دہک کر انگارہ ہو رہا تھا۔ بلماز حیدر کا انتخاب واقعی لاجواب تھا۔

''کہاں جا رہی ہو.....؟'' بلماز نے پوچھا تو وہ یکدم چونک کر دیکھنے لگی۔

''مین لائبریری۔ میگزین سیکشن میں کام ہے کچھ ساتھ ہی بک بھی ایشو کروانا تھی۔ او کے سی یو نیکسٹ ٹائم!'' وہ کہہ کر آگے بڑھ گئی۔ پھر مین لائبریری کی ڈھلان چڑھتے ہوئے وہ بلا ارادہ ہی دائیں جانب دیکھنے لگی تھی۔ وہ لان میں سے گزرتے ہوئے یقیناً کینٹین کی جانب جا رہے تھے۔ دونوں کسی بات پر مسکرا رہے تھے۔ رحمہ نے یکدم ہی نگاہ اس جانب سے ہٹالی اور تیزی کے ساتھ مین لائبریری کے اندر داخل ہو گئی۔

میگزین سیکشن میں پرانے اخبارات کے صفحات الٹتے ہوئے جانے کیوں اس کا ذہن بے حد خالی خالی سا تھا۔ بے حد تھکن زدہ انداز میں اس نے گلاسز اتار کر ٹیبل پر ایک طرف رکھتے ہوئے آنکھیں بند کر کے کنپٹیوں کو دونوں ہاتھوں سے ہولے سے دبایا تھا۔ کچھ لمحوں تک یونہی آنکھیں میچے رکھی تھیں پھر جب آنکھیں کھولی تھیں تو یکدم دنگ رہ گئی تھی۔ اس کے عین سامنے چیئر پر بلماز حیدر براجمان تھا۔ جانے کب وہ ٹیبل پر اس کے عین سامنے آن بیٹھا تھا اسے تو خبر تک نہ ہوئی تھی۔

''تم کب آئے.....؟'' اس نے چونکتے ہوئے گلاسز اٹھا کر دوبارہ اپنی تیکھی اور لمبی ناک پر رکھے۔

''ابھی ابھی.....!''

''خیریت؟'' رحمہ پوچھنے کے ساتھ ہی نیوز پیپر کے صفحات الٹنے لگی۔

''کیوں اب کیا مجھے تم سے ملنے اور بات کرنے کے لیے بھی کیا کسی جواز کی ضرورت ہو گی! وہ بہت دھیمے انداز میں بولا۔

''نہیں ایسی بات نہیں.....!'' وہ اردگرد کے ماحول کے ڈسٹرب ہونے کے خیال سے بہت دھیمے انداز میں بحث کو اسی جگہ ختم کرتی ہوئی جیسے بولی۔

''تمہارا کام ختم ہو گیا؟''

''نہیں مگر.....'' وہ تیزی سے صفحات پلٹتی چلی گئی۔

''ابھی چلو پھر آ جائیں گے.....!'' وہ بولا اور ساتھ ہی اٹھ کھڑا ہوا اور تب اس نے چند لمحوں تک جیسے سوچا۔ پھر بائنڈنگ ہوئے اخبارات کو اٹھایا اور لائبریرین کو واپس دے کر اپنا کارڈ لے کر باہر نکل آئی۔

''میں سمجھی تم چلے جاؤ گے!'' سیڑھیاں اترتے ہوئے وہ بولی۔ مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا ہے اس نے کاؤنٹر سے اپنا بیگ واپس لیا پھر اس کے ساتھ چلتی ہوئی لائبریری کی ڈھلوان کو عبور کرنے لگی۔

''سمسٹرز میں کتنے تھوڑے سے دن باقی رہ گئی ہیں!'' اس نے تیز ہوا سے چہرے پر آ جانے والی بہت سی شرارتی لٹوں کو چہرے پر سے ہٹایا۔

''ہاں!'' بلماز نے مختصر جواب دیا۔ ''مگر اتنے تھوڑے بھی نہیں!''

''دو ڈھائی ماہ بہت زیادہ تو نہیں ہوتے!'' رحمہ کو جیسے اختلاف ہوا۔

''ہاں مگر کم بھی نہیں۔''

''میرے لیے تو بہت کم ہیں!''

''ہاں تم کتابی کیڑا جو ہو۔ پوزیشن بھی تو لینا ہے تمہیں!'' وہ ہنسا۔

''بائے دی وے پوزیشن لے کر کرو گی کیا.....؟''

''جو تم نہ لے کر کرو گے.....!'' وہ یونہی ٹالنے کو مسکرائی۔

''پھر فائدہ کیا ہوا۔ وہی کام جو میں ایک عام سی فرسٹ ڈویژن لے کر سرانجام دوں گا وہی کام تم پوزیشن لے کر سرانجام دو گی۔ تو پھر اتنی محنت اور جان جوکھوں میں ڈالنے سے فائدہ.....؟''

''ہاں فائدہ تو کوئی نہیں مگر اب جب بن رہی ہے تو کوئی حرج بھی نہیں!'' وہ دھیمے انداز میں بولی تو وہ مسکرا دیا۔

''یہاں سے نکلو ڈپو سے پوائنٹ لے لیتے ہیں۔'' رحمہ بولی۔ تبھی وہ بولا۔

''ڈیپارٹمنٹ واپس نہیں چلنا؟''

''نہیں اب تو کوئی فائدہ نہیں۔ اپنے گروپ کے تقریباً سبھی لوگ جا چکے ہوں گے۔'' اس نے مطلع کیا تو بلماز نے سر ہلاتے ہوئے قدم ڈپو کی جانب بڑھا دیئے۔

☆.....☆.....☆.....☆

انٹرنیشنل اکنامکس کی کلاس میں بلماز حیدر کلاس کے سب سے اگلے والے ڈیسک پر براجمان تھا وہ اگرچہ دیر سے آنے کے باعث آخر میں بیٹھی تھی۔ مگر وہ نا صرف اسے دیکھ چکی تھی۔ بلکہ جب وہ بول رہا تھا اور بحث میں مگن تھا تب وہ بغور اسے سن بھی رہی تھی۔ مگر جیسے ہی کلاس آف ہوئی حسن اس کے قریب آن رکا اور اس سے پچھلے دنوں کے لیکچرز کے متعلق پوچھنے لگا۔ تبھی حسن سے بات کرتے ہوئے جانے کب وہ باہر نکل گیا۔ البتہ جب وہ دوسری کلاس لے کر اپنے گروپ کے ساتھ لان میں بیٹھی ہوئی تھی تبھی وہ آ گیا تھا۔

''یہ تم آج کل ہوتے کہاں ہو!'' حسن نے اسے دیکھتے ہی کہا تھا۔

''لو تمہیں نہیں پتا چرچا پوری آرٹس فیکلٹی میں ہے اور آپ جناب کو خبر ہی نہیں!'' سائرہ نے جیسے حسن کی عقل پر ماتم کیا تھا۔

''ہاں سن تو کچھ کچھ ہم بھی رہے ہیں۔ مگر سنا ہے افواہوں پر یقین نہیں کرنا چاہیے۔''

وقار نے کہا تو صبا اور سائرہ سمیت حسن اور عابد بھی کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

''جو بھی ہے بلماز حیدر کی چوائس کمال کی ہے!'' صبا نے کہا تو سب مسکرا دیئے۔

''جی ہاں محترمہ ایش واقعی کمال صاحب کی صاحبزادی ہیں۔ سننے میں تو یہی آیا ہے!'' عابد نے خاصے معصوم انداز میں کہا تو سبھی ہنسنے لگے۔

وہ کئی دنوں بعد ان سب کے ہتھے چڑھا تھا تبھی وہ بھی شاید اسی لیے گن گن کر حساب بے باق کر رہے تھے۔ البتہ رحمہ ان تمام باتوں سے قطع نظر۔ فوٹو اسٹیٹ شاپ سے تازہ ترین کیے ریڈنگ میٹریل کو بغور

چانچ رہی تھی۔ ان سب کے جملوں کا جواب دیتے ہوئے وہ ایک اچٹتی سی نظر اس پر ڈال کر رہ گیا تھا۔ وہ ان تمام باتوں سے قطع نظر لاتعلق بنی جیسے سرے سے اس ماحول کا حصہ ہی نہ تھی۔

''بلماز سنا ہے ایش کی آنکھیں بڑی حسین ہیں.....!'' سائرہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ اور وہ مسکرایا۔

''ہاں ہیں! پھر؟''

''یہ تم پوچھ کس طرح رہی ہو۔ اگر یہ پوچھنا چاہ رہی ہو کہ گہرائی کتنی ہے تو سیدھی طرح ڈھنگ سے پوچھو اپنے بلماز صاحب خاصے معصوم ہیں۔ تمہارے اس طرح کے سوالوں کے مفہوم کو سمجھنے کی قطعی استطاعت نہیں رکھتے!'' حسن نے سائرہ کو بڑے ناصحانہ انداز میں کہا تو وہ مسکرا دی۔ تبھی عابد بولا۔

''میرا خیال ہے اس کا اشارہ کلر کی جانب ہے تو بھئی۔ وہ تو کونٹیکٹ لینس ہیں آج بلیو ہیں تو کل گرین پرسوں ہیزل بھئی شی از لونگ وو سپر ہائی کلاس اس کے لیے گاڑیاں بدلنا کوئی مسئلہ۔ لینس تو پھر خاصے سستے ہیں۔'' عابد کے تجزیے پر سبھی ہنسنے لگے۔

''یہ تم لوگوں کی سوئی محترمہ ایش کمال پر ہی کیوں اٹک گئی ہے؟'' وہ جیسے تنگ آتے ہوئے بولا۔

''لیکن ہم تو آپ کی خوشی کی خاطر ان کا تذکرہ کر رہے تھے کہ شاید ان کے ذکر پر ہی آپ ہمارے پاس کچھ عرصے کے لیے ٹک جائیں۔ ورنہ تو شاید.....!'' سائرہ کچھ بولتے بولتے رک گئی۔ سب مسکرا دیئے۔

تبھی حسن نے رحمہ کے ہاتھ سے ریڈنگ میٹریل لے لیا۔

''محترمہ تم بھی یہاں موجود ہو.....!''

''ہاں.....!'' اور تب اس لمحے وہ سر اٹھا کر ان کی جانب تکنے لگی۔ ''میں تم سب لوگوں کو سن رہی تھی۔''

''سنو نہیں فقط کچھ بولو بھی!'' وقار نے کہا۔ تبھی وہ دھیمے سے مسکراتی ہوئی اپنے گلاسز اتار کر ٹشو سے صاف کرنے لگی۔

''رحمہ تم ایک کام کیوں نہیں کرتیں!'' عابد اس کے گلاسز کے کور کو بغور جانچتے ہوئے بولا۔

''کیا.....؟'' وہ مکمل سنجیدگی سے پوچھنے لگی۔

''لینس لگوا لو۔'' ایما کا مشورہ کمال کا تھا۔

''تم چاہتے ہو اپنی رحمہ جہانگیر بھی آج گرین کل بلیو اور پرسوں ہیزل کلر کی آئز کے ساتھ نظر آئے.....؟'' صبا تیزی سے بولی تو سب ہنسنے لگی۔ وہ بلماز کے چہرے کے تاثرات بھانپ چکی تھی وہ چہرہ داہنی سمت موڑے۔ یقیناً اس موضوع سے لاتعلقی کا اظہار کر رہا تھا یقیناً ایش کمال کا اس طرح ذکر اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ تبھی گلاسز لگاتے ہوئے اس نے ان سب کی طرف دیکھا۔

''کلاس شروع ہونے میں تو ابھی خاصا وقت ہے کیا خیال ہے آج مجید کے ہوٹل کی نہاری یا بریانی نہ ہو جائے.....!''

''اوہ محترمہ رحمہ اور لائبریری اور کتابوں کے علاوہ مجیدے کے ہوٹل کی بات حیرت صد حیرت.....!''

وقار کو جیسے گہرا شاک لگا۔

''بکو نہی۔ آئی ایم سیریس۔ یوں بھی خاصے دن سے اس طرف نہیں گئے!'' رحمہ نے سنجیدہ انداز میں کہہ کر بلماز کی طرف دیکھا جس کے چہرے کے تاثرات اب قدرے اعتدال پر آ چکے تھے۔ مگر وہ اس کی جانب متوجہ نہ تھا۔ گہری بھوری آنکھوں میں ایک سوچ سی تیرتی ہوئی نظر آ رہی تھی جسے فی الحال وہ پڑھنے سے قاصر تھی۔

''آئیڈیا اچھا ہے۔ مجیدے کی بریانی اور نہاری کو تو میں بھی کئی دن سے مس کر رہا ہوں۔'' حسن نے کہا تو سائرہ اور صبا نے بھی سر اثبات میں ہلائے۔

''کیوں محترم بلماز حیدر آپ بھی تشریف لے جانا پسند کریں گے یا آپ کے ایف سی یا عثمانیہ کا کوئی پروگرام ہے؟'' عابد نے بلماز سے مسکراتے ہوئے دریافت کیا تو وہ سر اثبات میں ہلاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

پھر جب وہ ہنسی مذاق کے دوران آرٹس لابی سے نکل رہے تھے تبھی عین اس لمحے ایڈمنسٹریشن بلاک کے سامنے ایش کمال اپنی وہائٹ کرولا میں نظر آ گئی۔ بلماز کو دیکھ کر اس نے ہارن دیا۔ ساتھ ہی دلفریب انداز میں مسکراتے ہوئے ہاتھ ہلایا۔ آنکھوں پر سیاہ گلاسز چڑھائے ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان وہ خاصی متاثر کن لگی رہی تھی۔

بلماز حیدر ان سب کو ایکسکیوزمی کہتا ہوا اس کی گاڑی کی جانب بڑھ گیا۔ سب رک کر ایک دوسرے کی سمت دیکھنے لگے۔ نظریں سب کی اسی جانب تھیں۔ چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ بھی تھی۔ البتہ رحمہ ان کی طرف سے پشت کر کے دوسری جانب دیکھنے لگی تھی۔

''لے بھائی یہ تو اب K.F.C'' عابد نے پیشن گوئی کی۔

''چلو ہم بھی ساتھ ہی چلتے ہیں۔'' سائرہ کا انداز بھی محفوظ ہونے والا تھا۔

'ہاں مجیدے کی بریانی میں زنگر برگر والی بات کہاں'' حسن بھی مسکرایا۔

''میرا ارادہ بھی نہاری سے ہٹ کر چکن بروسٹ کھانے کا ہو چلا ہے!'' سائرہ بھی کیوں پیچھے رہتی! سب کی نظریں اسی جانب تھیں۔ جہاں بلماز حیدر ایش کمال کی گاڑی میں جھکا گفتگو میں مصروف تھا اور اس سے قبل کہ ان کی چہ میگوئیوں کا سلسلہ دراز ہوتا وہ عین اسی لمحے لوٹ آیا تھا۔

''سوری گائز میں تم لوگوں کے ساتھ نہیں جا پاؤں گا.....!''

''نیور مائنڈ ہمارا بھی پروگرام اب مجیدے سے ہٹ کر KFC کا ہو چکا ہے۔'' عابد نے مسکراتے ہوئے کہا تو حسن نے اسے گھورا۔

''اٹس اوکے آپ جا سکتے ہیں!'' وہ سب پہلے سے ہی جانتے تھے۔ تبھی مسکراتے ہوئے اسے اجازت دی اور وہ ایش کمال کے ساتھ رخصت ہو گیا۔ رحمہ نے ایش کمال کی وہائٹ کرولا کو بہت دور تک دیکھا تھا۔

''لیٹس موو..... ہمارا پروگرام قطعی تبدیل نہیں ہوگا.....!'' وہ بولی تھی اور پھر ان تمام لوگوں کے ساتھ

ہنسی مذاق کے ساتھ وہ مجیدے کے ہوٹل کی جانب بڑھنے لگی تھی۔

''یار ڈیٹ واز ناٹ فیئر ۔ بلماز کو عین درمیان سے راہ نہیں بدلنی چاہیے تھی.....!'' حسن نے اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے یکدم کہا تھا۔

''ہاں مگر وہ اب تو راہ تبدیل کر چکا.....!'' وہ بہت بے ساختہ بولی تھی اور پھر عابد کی کسی بات پر یکدم ہی کھلکھلا کر ہنسنے لگی تھی۔

☆.....☆.....☆.....☆

کراچی کے موسم کا بھی کچھ اعتبار نہیں دن بھر موسم یکسر مختلف تھا۔ دن بھر سورج چمکنے کے بعد اچانک ہی بارش ہونے لگی تھی۔

وہ جو اپنے کمرے میں تھی۔ عینی کے اطلاع دینے پر کہ بارش ہو رہی ہے فوراً ہی باہر آ گئی تھی اور لان کی جانب جانے والی محدود اسٹیئرز پر بیٹھتے ہوئے ستون کے ساتھ ٹیک لگا گئی تھی اور بارش کو بغور دیکھنے لگی تھی شفاف شفاف پانی کے قطرے سبزے پر گرتے ہوئے جیسے ایک حسین ساز چھیڑ رہے تھے۔ اس کے پیروں پر کئی چھینٹے گر رہے تھے۔ بلا ارادہ ہی اس گھڑی ہاتھ بڑھا کر ان شفاف قطروں کو ہتھیلیوں پر لے کر دیکھنے لگی دل پوری شدت سے یکدم مچلا کہ وہ اس برستی پھوار میں بھیگے اور تب اس نے جانے کیوں فوراً ہی دل کی مان لی تھی اور دوسرے ہی پل اٹھ کر کھلے آسمان تلے آن کھڑی ہوئی تھی۔ آسمان کی طرف گردن اٹھا کر وہ کتنے ہی لمحوں تک پانیوں کو اپنے چہرے پر گرتے ہوئے محسوس کرتی رہی تھی یہ پہلا موقع تھا۔ جب وہ شعور کی عمر میں قدم رکھنے کے بعد ایسی کوئی بچکانہ حرکت کی مرتکب ہو رہی تھی۔ ورنہ تو شاید اس کے بچپن میں ہی ایسی شرارتوں کی فہرست درج تھی۔

بارش قدرے تیز ہو چکی تھی۔ مگر اسے جیسے اندازہ نہ تھا یا شاید احساس نہ تھا عجب بے خودی کے عالم میں وہ سرشاری برستے ساون سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔

''رحمہ ہوش میں تو ہو کیا ہو رہا ہے یہ؟'' وہ بند آنکھوں سے جیسے کسی اور جہاں میں تھی جب اچانک ہی ایک مانوس آہٹ ایک مدھم دھیمی آواز اسے ہوش کی دنیا میں واپس کھینچ لائی اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو بلماز حیدر عین اس کے روبرو تھا۔

''پاگل لڑکی یہ کیا حماقت ہے۔ جانتی ہو۔ اس موسم کی بارش بھیگنے کے لیے بالکل بھی نہیں ہوتی!'' کہنے کے ساتھ ہی اس کا ہاتھ تھام کر وہ اسے برآمدے کی طرف لے آیا۔ بارش سے ہٹی تو یکدم ہی اسے سردی کا شدید ترین احساس ہوا۔ ستون کے ساتھ ٹیک لگا کر وہ یکدم ہی کانپنے لگی۔

''اوہ مائے گاڈ!'' بلماز نے فوراً اپنا کوٹ اس کے شانوں پر ڈالتے ہوئے اس کے گرد اپنا بازو حمائل کیا اور اس لمحے جیسے رحمہ کو کوئی کرنٹ چھو گیا!

وہ فوراً ہی پیچھے ہٹی اور اپنے گہرے براؤن آنچل کو جو کہ پہلے ہی پھیلا ہوا تھا یونہی بے دھیانی میں

دوبارہ درست کرنے لگی۔ دل کے اندر یکدم ہی جیسے ایک ہلچل سی مچ گئی۔ اتنے سرد موسم میں بھی اسے لگا جیسے اس کے وجود کو کوئی دہکتا ہوا انگارہ چھو گیا۔ وہ قدرے دور تک کر دونوں بازو آگے کی طرف لپٹتے ہوئے جانے کیوں اس گھڑی بلماز حیدر کی سمت نہ دیکھ سکی۔

''مجھے نہیں پتہ تھا۔ تم اب بھی بچوں کی طرح اس موسم کو بھیگ کر انجوائے کرتی ہو.....!'' وہ عام سے انداز میں گویا تھا اور تب وہ یکدم ہی سنبھلتے ہوئے اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔ بولی کچھ نہیں تھی۔

''اب اندر چلو۔ شوق کو پایہ تکمیل تک تو یقیناً آپ پہنچا چکی ہیں۔ آئی تھنک اٹس ان نف باقی کا موسم پھر کبھی انجوائے کر لیجئے گا۔

فی الحال اتنا ہی بہت ہے۔ دل زیادہ چاہے تو دور سے ہی نظارہ کر لیجئے گا کمرے کی کھڑکی بہترین ذریعہ ہے وہ قدرے طنز سے پرانداز میں بولا تو وہ کپکپاتے ہوئے ہونٹوں کو ایک دوسرے میں پیوست کرتی ہوئی بامشکل اپنی کپکپاہٹ پر کنٹرول کرتی ہوئی تیزی سے اندر کی جانب بڑھ گئی پھر وہ چینج کرنے کے بعد باہر نہیں نکلی۔ اپنے کمرے میں رہی۔

''مجھے پکا یقین تھا آپ اب باہر تشریف لانے کے قابل نہیں ہوں گی۔ تبھی آنٹی انکل سے گپ شپ مارنے کے بعد یہاں چلا آیا۔''

کمرے میں بہت دھیمے سروں میں بلی مورس کی آواز گونج رہی تھی۔

کس دی رین.....!

ہیلو کین یو ہیئر می.....!

وہ جانے کیوں مسکرا دیا۔

''لڑکیاں چاہے کتنی بھی پڑھ لکھ جائیں۔ خوابوں کے جزیروں سے اپنا ناطہ نہیں توڑ سکتیں!'' بہت بھرپور تجزیہ کرتے ہوئے ریموٹ اٹھا کر اس نے سی ڈی پلیئر آف کر دیا تھا۔

''چاہے ان کا واسطہ ہائی سپر اپر کلاس سے ہو یا پھر مڈل یا لوئر مڈل کلاس سے ان کی سوچ کے زاویے ایک ہی نقطے کے گرد بنتے ہیں۔ وہی احساس وہی جذبات وہی محسوسات وہی گھروندے بنانا وہی خیالی پیکر تراشنا اور.....!'' وہ جانے کیوں ہنسنے لگا۔

وہ خاموشی سے چند پل اسے دیکھتی رہی پھر سر اثبات میں ہلانے لگی۔

''بات یہ نہیں بلماز حیدر کہ لڑکیوں کی سوچ یکساں ہے۔ بلکہ بات یہ ہے کہ لڑکیوں کی قوم اسی ایک اماں حوا سے وابستہ ہے جو فطری جذبات رکھتی تھی۔ لڑکی کا نام ہی فطری جذبات کی.....تصویر ہے۔ آپ جذبات واحساسات کو ایک لڑکی سے ہٹا کر قطعی نہیں دیکھ سکتے آپ کی بات میں صد فی صد صداقت ہے۔ لڑکیاں عام ہی ہوتی ہیں چاہے۔ اپر کلاس کی ہوئی ہائی اپر کلاس کی ہوں۔ سپر کلاس کی ہوں یا ہائی سپر کلاس کی یا پھر مڈل یا لوئر مڈل کلاس کی ان کی سوچوں میں ویسی ہی یکسانیت ملے گی آپ کو وہی معصوم کانچ سے نازک خوابوں کے محل وہی

کچے گھروندے وہی بارشوں میں بھیگ کر ہنسنا مسکرانا خوش ہونا وہی جذبوں کے ہار انجانے پیکر کے لیے پرونا وہی کسی ان دیکھے وجود کو تلاشنا وہی حساسیت وہی فطری حسن کی متلاشی نظریں وہی دردمند دل وہی جذبے کلاسز کے فرق سے ان میں کہیں کوئی گیپ نظر نہیں آتا.....!''

''بے وقوف قوم جو ٹھہری!'' وہ محفوظ ہو کر ہنسا۔

تبھی ماما نے رحمت کے ہاتھ کافی بھجوا دی۔ وہ گرم گرم کافی کے سپ لیتے ہوئے جیسے بہت راحت محسوس کر رہی تھی۔ کمرے میں بہت دیر خاموشی رہی تھی۔ وہ بالکل چپ تھا اور آج جیسے رحمہ کے پاس بھی کوئی بات نہ تھی یا جیسے وہ اس کے کچھ بولنے کا انتظار کر رہی تھی۔

کچھ دیر کمرے میں خاموشی رہی پھر بالآخر وہ بولا۔

''باہر چلیں.....؟''

''لانگ ڈرائیو.....؟'' وہ اس کی بات سمجھ کر برا سا منہ بناتے ہوئے مسکرائی۔''نہ بابا.....!'' وہ ہنس دی۔

''بس اتنی سی بہادر تھیں.....!''

''بات بہادری کی نہیں۔ میں ایسا کوئی کارنامہ سرانجام دینا نہیں چاہتی جس کے بعد میری خیریت شریت مشکوک ہو جائے!'' وہ مسکراتی ہوئی بولی تو وہ ہنس دیا۔

''سوچ لو گولڈن چانس ہے۔ جہاں کہو گی ڈنر کراوں گا!'' اس نے بھرپور آفر دی۔

''لالچ دے رہے ہو؟'' وہ مسکرائی۔

''جو بھی سمجھ لو.....!''

''آں' ہاں! کہاں لے جا سکتے ہو.....؟''

''تم کہو تو چاند پر لے چلوں۔ کہکشاؤں پر قدم رکھ دوں!'' وہ چھیڑتے ہوئے مسکرایا اور وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔

''آ گئے نا ٹپیکل اپروچ پر!''

''سیریسلی چلو ڈرنے کی بات نہیں گاڑی میں ہیٹر آن رکھیں گے۔ تم کمبل ساتھ لے سکتی ہو احتیاطاً!''

اس نے پھر چھیڑا وہ مسکرا دی' پھر کچھ سوچتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا۔

''او کے تم چلو میں تھوڑی دیر میں آتی ہوں!''

☆.....☆.....☆.....☆

جب سے وہ ایش کمال سے وابستہ ہوا تھا اس روز سے وہ بہت کچھ فراموش کرنے لگا تھا۔

آج اس کا برتھ ڈے تھا۔ مگر سارا دن میں وہ اسے کہیں نظر نہیں آیا تھا۔ نہ یونیورسٹی میں نہ گھر پر۔ نہ ہی کوئی پیغام نہ ہی کوئی دیگر رابطہ۔

اور اگرچہ اسے پروا نہیں تھی اس بات کی مگر اس کے باوجود کئی بار اس کا ذہن اس جانب گیا تھا۔ کئی

ہار سوچوں کے زاویے اس جانب جا کے الجھے تھے۔

اور کئی بار وہ خود کو اس فعل سے باز رکھنے کی تلقین کے باوجود خود کو بے بس محسوس کر رہی تھی۔ سارا دن وہ خود کو مصروف رکھے رہی تھی مگر.....!''

پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ وہ ہمیشہ رات میں اسے وش کیا کرتا تھا مگر اب.....!''

کہتے ہیں اندھیرے میں تمام رنگ سیاہ دکھائی دیتے ہیں۔

ہم اگر منفی راہ پر قدم رکھ کر اپنے سوچوں کے زاویوں کو ٹٹولیں۔ یا پرکھیں تو بننے والا ہر نقش سیاہ نظر آنے لگتا ہے۔ وہ ساری باتیں جو اگر عام حالات میں دیکھے تو مثبت لگیں۔ اس وقت وہ بھی انتہائی منفی محسوس ہوتی ہیں اور اسے بھی اسی طرح لگ رہا تھا جیسے بلماز حیدر ایش کمال کے بعد بدلا ہو۔ حالانکہ ہو تو یہ بھی سکتا تھا کہ وہ اپنی کسی مصروفیت کے باعث یاد نہ رکھ پایا ہو۔ یا پھر کوئی اور وجہ ہو۔ مگر باوجود کوشش کے اس کی سوچوں کی ڈور اسی سے بندھی ہوئی تھی حالانکہ وہ کتنی بار دھیان بٹانے کے جتن کرتی ہوئی سر جھٹک چکی تھی۔ مگر جیسے ہر خیال ذہن سے چپک کر رہ گیا تھا۔

وہ تمام تر کوششوں میں ناکامی کے بعد بالآخر ٹیرس پر آ گئی تھی اور یونہی کھلے آسمان کو دیکھنے لگے تھی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے مسحور کرنے لگے تھے۔ وہ جیسے تر و تازہ ہونے لگی تھی کہ اسی لمحے اس کے قریب قدموں کی چاپ ابھری اور پھر اس کے پاس آ کر جیسے ختم ہو گئی۔

''ہیلو.....!'' بڑے ہی ہشاش بشاش لہجے اور انداز میں مخاطب کیا گیا۔

وہ چونکہ جان چکی تھی اور کسی بھی طرح کا احساس دلانا اسے مقصود نہیں تھا تبھی بہت نارمل سے انداز میں وہ اسے دیکھ کر جواباً مسکرائی تھی۔

''ہیلو.....!''

اور تب اس نے پشت سے ہاتھ نکالتے ہوئے بہت خوب صورت اور نفیس سا بوکے اس کے سامنے کر دیا تھا۔

''ہیپی برتھ ڈے ٹو یو اینڈ مینی مینی ہیپی ریٹرن آف دی ڈے.....!''

اور تب وہ جانے کیوں بہت دیر تک خالی خالی نظروں س اس کی جانب دیکھتی رہی تھی۔

''آئی ایم سوری بٹ آئی ایم ناٹ ٹو مچ لیٹ۔ ابھی بارہ بجنے میں اور آج کی تاریخ بدلنے میں کافی لمحے باقی ہیں۔''

وہ مسکراتا ہوا بولا تھا' اور شاید وہ کچھ مزید ابھی کہنا چاہتا تھا وضاحت میں مگر اس نے تھینک یو کہتے ہوئے بوکے تھام لیا تھا۔

''کارڈ نہیں دیکھو گی؟'' وہ مسکراتے ہوئے پوچھنے لگا تھا اور تب وہ بوکے کے ساتھ..... کارڈ کو ہاتھ میں لے کر کھولنی لگی تھی۔ بہت خوب صورت سا کارڈ تھا اور لفظ بھی شاندار تھے۔

''تھینک یو.....!'' وہ بہت رسمی سے انداز میں مسکرا دی۔

''اپنا گفٹ نہیں لو گی!'' وہ جیسے حیران ہوتا ہوا پوچھنے لگا آج سے پہلے کے تمام موقعوں پر وہ بہت دھڑلے سے اس سے اپنی برتھ ڈے کا گفٹ نکلوایا کرتی تھی۔ مگر آج جب وہ لایا بھی تھا تو جیسے وہ پوچھنا ہی بھول گئی تھی۔ اس کے یاد دلانے پر جیسے چونکی تھی۔

''ہاں کیا لائے ہو۔ میرا مطلب ہے کہاں ہے میرا گفٹ.....؟'' اور تب وہ ہنس دیا تھا۔

''بیسٹ فرینڈ یو آر ریئلی ویری کنی گرل!'' وہ اکثر اسے یہی جملہ کہا کرتا تھا۔ سو اب بھی کہنا نہ بولا اور وہ دھیمے سے مسکرا دی۔

''تم سے کچھ نکلوانا آسان نہیں اب جب کہ موقع بھی ہے تو کیوں بخشوں!'' اور تب اس نے بہت چھوٹی اور کیوٹ سی مخملی ڈبیا اس کے سامنے کر دی تھی۔ اس کی چوڑی مضبوط ہتھیلی پر اس سیاہ کلر کی مخملی ڈبیا کو دیکھ کر وہ قدرے چونکی تھی۔ وہ تو فرض کر رہی تھی حسب حال کوئی پرفیوم ہوگا مگر' اس نے حیرت کے تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے بدستور اس کی ہتھیلی کو گھورا تھا۔

''یا اللہ بیسٹ فرینڈ آج تمہیں کیا ہو گیا.....؟''

اس کے کھوئے کھوئے سے انداز پر وہ حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور تب اس کے ساتھ پر سے ڈبیا اٹھاتے ہوئے وہ مسکرا دی تھی۔

''حاتم طائی کی قبر پر خوب لات ماری ہے تم نے۔ میں یہی سوچ کے سمندر میں غوطہ زن تھی۔'' یہ کہتے ہوئے ڈبیا کھول لی۔ بہت ہی چھوٹا اور نفیس سا لاکٹ اس کے سامنے تھا۔ قیمتی پتھر جگمگا رہا تھا۔ آب و تاب کمال کی تھی قیمت کا اندازہ باخوبی کیا جا سکتا تھا۔ وہ جیسے ساکت رہ گئی۔

''بلماز حیدر.....!'' اس کی چیخ بہت حیرت سے نکلی اور وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگا تھا۔

''میں نے سوچا تم جب اپنی زندگی کے حسین ترین بائیس سال مکمل کر رہی ہو تو کیوں نہ گفٹ بھی اسی مناسبت سے شاندار دے دیا جائے!'' وہ جیسے احسان جتانے والے انداز میں بولا۔ اس نے ایک ہاتھ کا مکان بنا کر اس کے چوڑے مضبوط شانے پر جڑ دیا۔

''ہاں ایسے ہی تو حاتم طائی ہو نا تم۔'' وہ بولی پھر ہنس پڑی۔ ''خیر اپنے اس فعل سے تم نے واقعی حاتم طلائی کی قبر پر زبردست قسم کی لات رسید کر دی ہے۔ بائے دی وے ماموں کی تجوری سے روپے اڑائے تھے یا آنٹی کی زنبیل سے؟'' وہ مسکراتی ہوئی پوچھنے لگی تو وہ ہنس دیا۔

''جب آم سامنے ہو تو فقط کھانے سے غرض رکھنی چاہیے پیڑ گنے سے نہیں!''

''اور اگر آم کھانے کے بعد آم کا دعوے دار کوئی بن کر آ جائے تو.....!'' وہ چھیڑنے سے باز نہ رہی!

''ایسی نوبت نہیں آئے گی!'' وہ بولا تو ایک بار پھر بغور اس ننھے منے لاکٹ کو دیکھنے لگی۔

''تھینک یو بہت خوب صورت ہے!''

''بی ایف تم جانتی ہو مجھے۔ یہ فارمیلٹیز قطعی پسند نہیں۔ سو پلیز ڈونٹ بی فارمل.....!'' وہ جب بہت موڈ میں ہوتا تھا۔ اسے بی ایف (بیسٹ فرینڈ) کہہ ہی مخاطب کرتا تھا اور تب وہ مسکرا دی تھی۔

''او کے ٹریٹ دینے کا وقت تو نکل چکا.....!''

''مجھے تم سے امید بھی نہیں تھی!'' اس نے چھیڑا۔

''بکو نہیں ہر بار تو ٹھونستے ہو۔ اس بار تو قصور تمہارا اپنا ہے۔ کیوں وقت پر نہیں آئے؟''

''اب تو آ چکا ہوں.....!'' اس کے شکوے پر وہ بہت مطمئن سے انداز میں مسکراتے ہوئے بولا تو وہ اس پل جانے کیوں اسے دیکھ کر رہ گئی۔

''کبھی کبھی وقت بہت اہم ہو جایا کرتا ہے بلماز حیدر وقت کے ساتھ ہماری طلب کی شدت جڑی ہوئی ہوتی ہے جب طلب شدید ترین ہو اور وقت مہربان رہے تو پھر جیسے وہ شدت پر پہنچا ہوا طلب کا گراف یکدم ہی نیچے کی طرف حرکت کرنے لگتا ہے۔ طلب کی رسد اگر وقت پر نہ ہو تو پھر طلب مر جایا کرتی ہے بالکل ایسے ہی جیسے شدید پیاس کے وقت آپ کو پانی کی شدید ترین طلب ہو اور آپ کو ایک قطرہ بھی نہ ملے اور جب پیاس مر جائے شدت دم توڑ جائے۔ اچانک ایک سمندر ہاتھ لگ جائے۔ مگر طلب اس وقت صفر ہو مٹ چکی ہو تو پھر سب جیسے بیکار اور فضول ہو جایا کرتا ہے۔'' اس کے دھیمے دھیمے لہجے پر وہ اسے دیکھنے لگا تھا۔

''محترمہ رحمہ جہانگیر اصل معاملہ یہ ہے کہ اکنامکس کا بھوت آپ کے دماغ پر مکمل طور پر قابض ہو چکا ہے اور کیفیت اتنی انتہا پر ہے کہ اب تدارک ناممکن ہے یہ مجبوری کا فعل ہے جو ہر صورت سرانجام دینا ہے۔'' وہ بولا تو وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگ۔

''آج کا دن تو کیا ہاں کل تمہیں ٹریٹ دے سکتی ہوں.....!''

''بہت شکریہ بہت بہت مہربانی!'' وہ مشکور ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

تب وہ مسکراتے ہوئے خاموش ہو گئی اور پھر اس کے بعد ان کے درمیان کئی لمحوں تک خاموشی حائل رہی دونوں کے پاس جیسے تمام لفظوں کا ذخیرہ ختم ہو گیا رسمی باتوں کا تمام منقطع ہو گیا اور جب وہ اس طویل ترین خاموشی سے اکتا کر وہ اسے نیچے چلنے کی آفر کرنے والی تھی۔ تبھی وہ یکدم بول پڑا۔

''رحمہ آئی ایم ان لو!'' بلماز حیدر کی زبان سے ادا ہونے والا جملہ جیسے بازگشت ہو گیا.....!

رحمہ بہت چونک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔ حالانکہ اسے چونکنا بالکل بھی نہیں چاہیے تھا مگر اس لمحے کے محسوسات بہت فطری تھے وہ اسے اسی طرح تک رہی تھی جب وہ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے سر اٹھا کر کھلے روشن ستاروں سے بھرے آسمان کو تکنے لگا تھا۔

''یہ سچ ہے رحمہ میں ایش کمال کے خیالوں کے حصار میں مکمل جکڑا جا چکا ہوں۔ وہ جب میرے پاس نہیں بھی ہوتی۔ تب بھی وہ میرے اردگرد ہی کہیں موجود ہوتی ہے۔ میری سوچوں پر چھائی رہتی ہے۔ پہلے پہلے میں اس کیفیت کو کوئی نام نہیں دے سکا تھا کہ محبت پر کبھی میرا یقین رہا ہی نہیں تھا!'' وہ دھیمے انداز میں

مسکرایا تھا پھر بنا اس کی طرف دیکھنے بولنے لگا تھا۔

''فقط قصّوں خیالوں اور کتابوں کی باتیں لگا کرتی تھیں سب۔ مگر بالآخر مجھے یقین کرنا پڑا کہ محبت کا وجود بھی ہے اور اس کا نام محبت ہے!'' وہ یکدم اس کی جانب دیکھتے ہوئے مسکرایا تو وہ بھی دھیمے انداز میں مسکرا دی۔

''وش یو بیسٹ آف لک!''

''تھینکس!'' وہ دھیمے انداز میں مسکرایا۔ ''ڈو یو بلیو ان لو.....!''

وہ نظریں جھکائے ہاتھوں میں تھمے مہکتے ہوئے بوکے کو دیکھنے لگی۔

''آؤ نیچے چلیں!'' بالآخر وہ بولی تھی اور پھر اس کی جانب دیکھنے لگی تھی اور تب بلماز حیدر نے مسکراتے ہوئے اس کے ساتھ قدم بڑھا دیئے تھے۔

☆.....☆.....☆.....☆

زندگی کا بھی اپنا ایک معمول ہے۔

روکنے سے رکتی نہیں اور ٹھہرانے سے ٹھہرتی نہیں۔

اس کا اپنا ایک تسلسل ہے۔ ہر رات کے بعد ایک نیا دن اور اس نئے دن کا ایک ڈھلتے سورج کے ساتھ اختتام اور پھر ایک سیاہ رات کے بعد نیا دن!

انسان انہی دنوں کے ساتھ بندھا جیسے مسلسل بھاگتا رہتا اور وقت گزرتا چلا جاتا ہے۔ کبھی کبھی تو ہمیں وقت کے اس قدر پل تیزی سے گزرنے کا گمان تک نہیں ہوتا۔ مگر جب کبھی رکتے ہیں اور پلٹ کر دنوں کا اعداد و شمار کرتے ہیں تو ل بھر کو حیران رہ جاتے ہیں بہرحال وقت کا نام ہی گزرنا ہے اور گزرتے جانا ہے۔ مگر اسی وقت کے تیزی سے گزرنے کے باعث رحمہ جہانگیر کی فکر دو چند ہو گئی تھی کہ بھاگتے دوڑتے وقت کی رفتار کے باعث ان کے فائنل ایئر کے فرسٹ سمسٹر کے ایگزام سر پر آن پہنچے تھے۔ وہ ہر طرح کی سوچ کو اور فکر کو ایک طرف ڈالتی ہوئی ان دنوں صرف اور صرف کتابوں میں مگن پائی جا رہی تھی۔ دنیا میں کیا ہو رہا ہے کیوں ہو رہا ہے۔ اس کو ان سب باتوں سے قطعی کوئی سروکار نہ تھا۔ حتی کہ ان دنوں اس کا دھیان بلماز حیدر کی طرف بھی نہ جاتا تھا۔ وہ نظر آ جاتا تو ہی ہیلو ہائے کر لیتی اور نظر نہ آتا تو ملنے پر قطعی دریافت نہ کرتی۔ دریافت تو وہ پہلے بھی قطعی نہیں کرتی تھی۔ مگر یہ ضرور تھا کہ وہ باتوں ہی باتوں میں احساس ضرور دلا جایا کرتی تھی۔ مگر ان دنوں تو جیسے وہ لاتعلق ہو چکی تھی۔

اور اسی بے خبری کے عالم میں اس نے سنا کہ ماموں اور آنٹی رابعہ نے بلماز حیدر کے لیے اسے مانگا ہے اس نے خبر سنی تو جیسے حواسوں پر ایک بجلی سی گر پڑی۔

''آئی ایم ان لو آئی ایم ان لو!'' بلماز حیدر کی بازشت جیسے از سر نو اس کے اردگرد گونجنے لگی اور تب وہ یکدم ہی نفی میں سر ہلانے لگی تھی یہ سب بہت غیر متوقع تھا' وہ تو ان سب باتوں کے لیے تیار ہی نہیں تھی اور اب سب کچھ غیر متوقع طور پر واقعی ہو چکا تھا۔ ماما نے جب اسے آگاہ کرنے کے بعد اس کی رائے مانگی تو جیسے اس

کی بولنے کی صلاحیت مفقود ہوگئی۔ وہ سب خالی خالی نظروں سے دیکھتی رہ گئی تھی۔

''اگرچہ معاملہ گھر کا ہے۔ بلماز دیکھا بھالا ہے مگر ہم کوئی بھی فیصلہ کرنے سے قبل تمہاری مرضی معلوم کرنا ضروری سمجھتے ہیں.....!'' ماما نے بتایا تھا اور پھر شاید سوچنے اور فیصلہ کرنے کا وقت دے کر کمرے سے چلی گئی تھیں اور وہ جیسے سوچوں کی گہری کھائی میں جا پڑی تھی۔

☆.....☆.....☆.....☆

طلب کی منزل نہیں آسان طلب کے راستے ہیں
پتھروں کے طویل صدیوں کے جیسے ہوں گے تمام لمحے مسافتوں کے!
انہی پر ہم نے کیا نچھاور جو اپنے جیون کی خوشی کو
کبھی نچھاور کئے تھے ہم پر جنہوں نے لمحے رفاقتوں کے
تمام رستے لہو طلب ہیں، سنبھل کے چلنا میرے رفیقوں
بچھا دیئے ہیں قدم قدم پر کسی نے کانٹے کدورتوں کے!

طلب کی منزل آسان نہیں۔ اس کے تمام راستے واقعی پتھروں کے ہوتے ہیں، کہ چلتے چلتے پاؤں چھلنے لگتے ہیں۔ جانے کیسے پھوٹتی ہے یہ طلب دل میں اور کیسے اپنے آپ ہی قدم راہوں پر جا پڑتے ہیں۔ کیسی غیر مرئی سے کوئی قوت کارفرما نظر آتی ہے اس سارے عمل میں! کہ نظریں دیکھتے ہوئے بھی نہیں دیکھتیں۔

ذہن جیسے کچھ سمجھتے ہوئے بھی نہیں سمجھتا۔

سب کچھ جیسے بے اختیار ہو جاتا ہے۔

یہ جانے بغیر کہ اس کا انجام کیا ہوگا؟

یہ سوچے بغیر کہ سودا کتنے سود و زیاں کا ہے۔

اس میں سکھ کتنے کم اور راحتیں کتنی محدود ہیں۔

اس کا قیاس کیے بغیر کہ دکھ کے کتنے سمندر عبور کرتے ہوں گے۔ آگ کے کتنے دریا راہ میں حائل ہوں گے پاؤں کتنے نگاہوں پر پڑیں گے۔

کتنی سسکیاں اور آہیں دل کے اندر ہی دبانا ہوں گی.....!

اور کتنے آنسو یونہی پینے ہوں گے.....!

درد کے کتنے اتھاہ سمندر ہوں گے.....!

کتنے کم ثواب اور کتنے زیادہ عذاب.....!

وہ کتنی دیر تک اسی نہج پر سوچتی رہی تھی۔ شاید تمام شب گزر گئی تھی۔ مگر نیند آنکھوں سے جیسے کوسوں دور تھی۔ مگر وہ ایک اہم فیصلے کے بعد بستر پر آ گئی تھی۔ پھر زبردستی آنکھیں میچ کر جیسے سونے کی کوشش کرنے لگی تھی اور جانے کب وہ اس کوشش میں کامیاب ہوئی تھی۔ البتہ جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ آنکھیں کھولے کتنی ہی دیر

کھڑکی کے شیشے سے چھن کر آنے والی سورج کی پرتپش روشنی کو دیکھتی رہی تھی۔ پورا وجود جیسے کسی پھوڑے کی مانند دکھ رہا تھا۔ وہ بھی اٹھ کر بیٹھ رہی تھی جب ماما نے دروازہ کھول کر جھانکا۔

''اٹھ گئیں تم.....!''

''آپ نے مجھے اٹھایا کیوں نہیں!'' وہ بہت مدھم لہجے میں پوچھ کر دونوں ہاتھوں سے پشت پر بکھرے ہوئے بال سمیٹنے لگی۔

''میں صبح آئی تھی تمہارے کمرے کی طرف مگر تمہیں سوتا دیکھ کر سوچا رات رات بھر جاگ کر اور کتابوں میں سر کھپا کھپا کر تم نے اپنا حشر کر لیا ہے۔ سو آج آرام کر لو!'' ماما نے اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے انتہائی فکرمندی سے کہا! تو وہ آہستہ سے مسکرا دی۔

''یہ ماؤں کی محبت بھی عجیب ہوتی ہے۔ بچے اچھے خاصے بھی ہوں مگر انہیں ہمیشہ ان کے متعلق فکر لاحق رہتی ہے!''

''اولاد چیز ہی ایسی ہیں!'' ماما اس کے چہرے کو تھپتھپاتے ہوئے مسکرائیں۔

''میں تمہارے لیے ناشتا بنانے جا رہی ہوں!'' ماما کہتے ہوئے اٹھیں تبھی اس نے انہیں پکار لیا۔

''ماما.....!''

''ہوں!'' ماما نے یکدم رک کر اسے دیکھا۔ وہ سر جھکائے بیٹھی بہت متفکر سی نظر آ رہی تھی۔ چہرے پر ایک عجیب سا جال تنا تھا۔ وہ دوبارہ بیٹھ گئیں۔

''کہو میری جان!'' انہوں نے اس کا ہاتھ ہاتھ میں لیتے ہوئے نہایت محبت اور فکر مندی سے دریافت کیا اور تب وہ ان کی سمت دیکھتی ہوئی سر جھکا..... گئی۔

''ماما' میں..... میں بلماز حیدر سے کسی قسم کا تعلق استوار نہیں کرنا چاہتی!'' ضبط کے تمام سمندر پاٹتے ہوئے بالآخر وہ بول گئی۔ ماما اس لمحے اسے ساکت سی تکتی رہیں اور تب آہستہ سے اٹھ کر وہ واش روم میں گھس گئی تھی۔

☆.....☆.....☆.....☆

اور پھر شام میں جب وہ بہت مطمئن سی اپنی بہت سی فیورٹ سی ڈیز پھیلائے عینی کے ساتھ ہنسی مذاق کرتی ہوئی برائن ایڈم کو سنتے ہوئے محفوظ ہو رہی تھی۔ جب اچانک ہی وہ چلا آیا اور وہ جو کارڈ نمبر نائن پر مکمل جھومتے ہوئے ساتھ ہی گنگنا بھی رہی تھی۔ اسے دیکھ کر لمحہ بھر کو چونکی پھر مسکرا دی۔

''بائے کیسے ہو.....؟'' باقاعدہ خوش اخلاقی سے دریافت کیا۔ مگر اس کے چہرے کے تاثرات بے حد مختلف تھے۔ چہرے پر ایک عجیب سا تناؤ اور آنکھوں میں ایک گہرا اضطراب تیر رہا تھا۔ اس کو جواب دیئے بغیر وہ بہت آہستہ قدموں سے چلتا ہوا اس کے قریب آن رکا تھا اور تب اس نے ریموٹ اٹھا کر سی ڈی پلیئر آف کر دیا تھا ساتھ ہی عینی سے بولی تھی۔

''عینی اب آپ جا کر اپنا ہوم ورک کیجئے.....!'' اس نے فلور کشن پر اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے عینی

کی طرف دیکھتے ہوئے جیسے اس کے جانے کا انتظار کیا تھا پھر جیسے ہی وہ باہر نکلی تھی۔ وہ اس کی جانب دیکھنے لگا تھا اور وہ جانے کیوں اس پل اس کی سمت نہیں دیکھ سکی تھی سر جھکا کر یونہی کارپٹ کو دیکھنے لگی تھی۔ جیسے اس کے بولنے کی یا کچھ کہنے کی منتظر ہو کہ قصے کو وہ چھیڑے اور وہ اس سے آگے کی کوئی بات کرے۔ مگر جیسے اس کے پاس بھی آغاز گفتگو کا حوصلہ نہ تھا۔ وہ بہت ہولے سے سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی تھی۔ پھر بہت دھیمے سے انداز میں مسکرا دی تھی۔

''ہیلو بی ایف بہت پریشان لگ رہے ہو۔ کیا تمہاری تمام ایکس گرل فرینڈز نے تمہارے خلاف کوئی یونین بنانے کا اعلان کر دیا ہے؟''

بہت پرمزاح اور شگفتہ انداز میں وہ کہہ کر اس کی جانب دیکھنے لگی تھی اور تب وہ اس کی سمت دیکھنے لگا تھا۔

''بی ای تم جانتی ہو ایش کمال میرے لیے کیا ہو گئی ہے وہ میرے لیے بہت اہم ہستی ہے۔''

اس کے تمام لفظ جیسے رحمہ جہانگیر کے دل میں برچھیوں کی مانند پیوست ہوتے چلے گئے۔ وہ لمبا چوڑا مرد جو اس وقت اس کے سامنے حوصلہ ہارے ناتواں سا بیٹھا تھا۔ کتنا بے بس نظر آ رہا تھا۔ اپنی محبت اپنے پیار کو پانے کے لیے۔ ایک بااختیار ہستی تھا وہ مختار کل! مگر کتنی عجیب بات تھی اس لمحے وہ اس کے سامنے بیٹھا اپنا مدعا گوش گزار کر رہا تھا وہ یقیناً یہی چاہتا تھا کہ وہ اس معاملے میں کوئی اسٹینڈ لے اور وہ خود مکمل طور پر بری الذمہ ہو جائے دو خاندانوں میں نہ تو کوئی دراڑ آئے نہ تعلقات کی کوئی ڈور الجھے نہ کسی پر الزام آئے اور وہ دل کی مراد بھی پا جائے اور وہ تو اس کے کچھ کہنے سے بھی قبل قدم اٹھا چکی تھی۔ اگر وہ اسے اپنی بیسٹ فرینڈ سمجھتا تھا تو اسے کسی قسم کی کوئی بات دہرانے کی ضرورت کہاں تھی۔ اسے کتنی ہی دیر تک وہ خاموشی سے تکتی رہی تھی پھر دھیرے سے مسکرا دی تھی' اپنا نازک سا ہاتھ بڑھا کر اس کے مضبوط ہاتھ پر رکھ دیا تھا۔

''کوئی بات نہیں مجھے یقین ہے کہ میں یہ مسئلہ حل کر لوں گی'' وہ یکدم چونک کر دیکھنے لگا تھا اور تب وہ نظریں پھیر کر یکدم دوسرے جانب دیکھنے لگی تھی۔

''جو کچھ بھی ہوا مجھ سے پوچھے بنا ہوا۔ ورنہ اس بات کی نوبت نہ آتی.....!''

''او کے.....!'' وہ ہنس دی۔ ''مگر پلیز اب اپنا منہ ٹھیک کر لو۔ ایک تو ہمیشہ بی ایف کہتے ہو اور پھر ہر بات کی وضاحت بھی پیش کرنا چاہتے ہو۔ بھئی دوستی کا تو نام ہی انڈر اسٹینڈ کرنا ہے اور اگر ہم ایک دوسرے کی پرابلمز کو سمجھیں گے نہیں جانیں گے نہیں تو پھر ہم بہترین دوست تو قطعی نہ ہوئے نا!'' وہ مسکراتے ہوئے بولی تو وہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔

''کم آن بی ایف یار اتنے لمبے چوڑے مرد ہو۔ یوں بچوں کی طرح روتی صورت لیے قطعی اچھے نہیں لگ رہے۔ یقین نہ آئے تو آئینہ دیکھ لو!'' وہ کہتے ہوئے ہنسی تو وہ اس کی جانب دیکھتا رہا پھر دھیرے سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ پھر اپنا دوسرا ہاتھ بھی اس پر رکھتے ہوئے لبوں تک لے گیا۔ بہت آہستہ سے چھوتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

''یو آر رئیلی گریٹ ون.....!'' اور وہ یکدم ہی کھلکھلا کر ہنسنے لگی تھی۔

''اب زیادہ مکھن مت لگاؤ۔'' اپنا ہاتھ اس کے ہاتھوں سے کھینچتے ہوئے وہ بولی پھر یونہی سامنے بکھری سی ڈیز کو دیکھنے لگی۔

''تم بہت اچھی ہو رحمہ بہت اچھی۔ یقیناً جس کی زندگی میں قدم رکھو گی اس کی حیات مہک اٹھے گی۔ تم میں اتنی کوالٹیز ہیں کہ تم کسی کا بھی خواب ہو سکتی ہو تمہیں اپنانے والا یقیناً خوش قسمت ہو گا!''

وہ اس کی جانب دیکھتا ہوا بہت دھیمے انداز میں بولا تو وہ ہنس پڑی۔

''وہ خوش قسمت تم بھی تو ہو سکتے تھے.....!'' وہ بولی تھی۔ پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی اور اس پل وہ اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

''میں واقعی بہت بیڈ لک ہوں۔ جانے مجھے تم سے ویسی لگاوٹ اور محبت کیوں نہ ہوئی!'' بلمباز حیدر کا لہجہ افسردہ تھا جیسے اسے اس بات کا بہت قلق ہو بہت افسوس ہو اور وہ اس لمحے جانے کیوں ہنسنے لگی تھی۔

''شاید اس لیے کہ میرے آنکھوں کا رنگ نیلا یا ہرا نہیں یا پھر میرے بال خوبصورت اور سنہری نہیں!'' اور اس کے شگفتہ سے جملے پر وہ دھیرے سے مسکرا دیا تھا۔

''تم ان تمام لوازمات کے بغیر بہت خوب صورت ہو!'' وہ بولا تھا اور وہ یکدم کھلکھلا کر ہنسنے لگی تھی۔

''رئیلی۔ میں حیران ہوں مجھے اب تک تم سے محبت کیوں نہ ہوئی.....!'' وہ مسکراتا ہوا بولا تو وہ ہنس رہی تھی۔ یکدم ہونٹ بھینچ گئی۔ پھر دھیرے سے مسکرا دی۔

''شاید اس لیے کہ محبت زبردستی کا سودا نہیں! اسے ایک خاص وقت پر خاص فرد سے ہونا مقصود ہوتا ہے۔ محبت وہ شے نہیں کہ پہلی فرصت میں جو سامنے آ جائے اسی سے واقع ہو جائے نہ ہی یہ ارادی فعل ہے کہ زبردستی کی جائے۔ یہ تو ایک جذبہ ہے جو خود بخود دل میں پھوٹتا ہے کسی خاص فرد کو دیکھ کر اگرچہ وہ خاص فرد فقط ہمارے لیے خاص ہوتا ہے۔ بظاہر عام سا انسان ہماری سوچوں اور نظروں کے لیے خاص بن جاتا ہے یہ اضطراب تو بہت ہولے ہولے بے قرار کرتا ہے ہم سوچیں اور کہیں کہ ہمیں فلاں بندے سے محبت کرنی چاہیے یا کرنی ہے تو یہ بالکل فضول سی سوچ ہے۔ کیوں کہ یہ سوچنے سے ہوتی نہیں اور چاہنے سے ملتی نہیں تبھی تو غالب نے کہا ہے۔

عشق وہ آتش ہے غالب۔

جو لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بجھے!

وہ کھوئے کھوئے سے لہجے میں بولی تو وہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔

''فلسفہ اچھا بگھارنے لگی ہو مگر اس کا یہ قطعی مطلب نہیں نکلتا کہ مجھے تم سے محبت نہیں بلاشبہ میں تم سے محبت کرتا ہوں!''

''ہاں جیسی مجنوں کو لیلیٰ سے تھی یا ہیر سے رانجھا کو تھی؟'' وہ چھیڑتے ہوئے ہنسی وہ مسکرا دیا۔

''اوں ہوں ویسی ٹیپکل قسم کی محبت قطعی نہیں جو کچھ میں تمہارے لیے محسوس کرتا ہوں اسے کوئی نام نہیں دے سکتا۔تم اسے ایک خاص طرح کی عقیدت بھی کہہ سکتی ہو!'' آخر میں وہ شوخی سے ہنسا تو وہ بھی مسکرا دی۔

''ہاں میں تمہاری گرو ہوں نا؟''

''ہاں کہہ سکتے ہیں اینی وے میں واقعی بہت شرمندہ ہوں۔اگر ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔مگر میرا ارادہ تمہارے نسوانی وقار کو کسی قسم کا دھچکا لگانے کا قطعی نہیں تھا!'' وہ بولا تو وہ قدرے سنجیدہ سی ہو کر اس کی طرف ایک نظر دیکھ کر دوسری سمت دیکھنے لگی اور وہ شاید سمجھ گیا تھا کہ وہ اس موضوع پر مزید کچھ سننا نہیں چاہتی تھی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''آؤ لانگ ڈرائیو پر چلیں باہر موسم اچھا ہو رہا ہے.....!'' اور تب وہ بہت ہولے سے مسکرا دی تھی۔

''اوں ہوں باہر کے موسموں کے روابط کبھی کبھی اندر کے موسموں سے میل نہیں کھاتے آج موڈ نہیں!'' اور بلمازحیدر نے لمحے بھر کو اسے دیکھا تھا پھر اس کے بال بکھراتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

''آئی تھینک یو آر کریزی گرل!''

''یو کین سے بی ایف!'' وہ جیسے تسلیم کرتی ہوئی مسکرائی تھی۔

☆.....☆.....☆.....☆

پھر سمسٹرز شروع ہوئے تو وہ اس طرف مصروف ہو گئی۔کلاس کے تمام لوگوں کا ارادہ مطالعاتی دورے پر جانے کا تھا جو کہ ایگزیم کے بعد آنے والے وقفے میں تھا اس کا پورا گروپ بھی تیار تھا سمیت بلمازحیدر کے۔ مگر اس نے سب کے پوچھنے کے باوجود بھی اپنا کوئی ارادہ ظاہر نہیں کیا تھا جس دن آخری پیپر تھا۔اس دن سب لان میں بیٹھے خوش گپیوں کے دوران اسی ٹاپ پر ڈسکس کر رہے تھے۔وہ اگرچہ ان کے ساتھ موجود تھی مگر اس موضوع پر قطعی بات نہیں کر رہی تھی۔

''محترمہ آپ نے کیا چپ کا روزہ رکھا ہوا ہے؟'' حسن نے دریافت کیا وہ مسکرا دی۔

''نہیں میں تھک گئی ہوں!'' عابد ہنس دیا۔

ہاں ان محترمہ کے بقول۔

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

''خدانخواستہ یار ایسی باتیں تو مت کرو۔میری اکلوتی پیاری سی کزن ہے۔'' بلمازحیدر نے فوراً سائیڈ لی۔

''ہاں مریں رحمہ کے دشمن!'' صبا جل کر بولی تو حسن ہنس پڑا۔

''عابد صبا کا اشارہ تمہاری طرف ہے!'' وہ بولا تو سب ہنسنے لگے۔تبھی وقار بولا۔

''یار جلدی سے پروگرام ترتیب دو.....!مگر یہ طے کر لو جانا سب نے ہے.....!''

''مجھے اس فہرست سے نکال دو.....!'' رحمہ فوراً بولی۔

''کیوں آپ کا پروگرام چیچوں کی ملیاں جانے کا ہے ان چھٹیوں میں.....؟'' عابد نے ہنستے ہوئے چھیڑا۔

''افسوس مجھے تمہارا علاقہ دیکھنے کا کوئی خاص شوق نہیں.....!'' وہ کہہ کر یونہی گھاس سے کھیلنے لگی۔

''رحمہ تم چلو گی.....!'' بلماز نے حتمی انداز میں کہا۔ مگر تب وہ کچھ نہ بولی' کافی دیر تک وہ لوگ بیٹھے اسی موضوع پر بحث کرتے رہے۔ پھر مجیدے کے ہوٹل کی طرف جانے کا پروگرام بن گیا۔ آئیڈیا آج بلماز حیدر کا تھا عابد اور حسن ہنسنے لگے۔

''یار سوچ لو کہیں پھر آج دغا مت دے جانا.....!'' اور اس لمحے اچانک ہی رحمہ کی نظر اس سے ملی تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلانے لگا تھا۔ پھر اس دن سارا دن وہ واقعی ان کے ساتھ رہا تھا۔ بلکہ واپسی میں بھی وہ رحمہ کے ساتھ تھا۔ رحمہ اس کی بدلی ہوئی کیفیت پر چونکی ضرور تھی مگر کچھ دریافت نہیں کیا تھا پھر چھٹیوں میں وہ واقعی ان کے ساتھ نہیں گئی بلکہ سائبر کیفے جوائن کر لیا اور اپنی کورس آؤٹ لائن کے مطابق مختلف انفارمیشن حاصل کرنے لگی وہ لوگ چلے گئے۔ پروگرام تو دس پندرہ روز کا تھا۔ مگر انہوں نے اپنے پرسنل انرسٹ پر شاید دورانیہ بڑھا لیا اور جب بیس دن بعد وہ لوٹے تو تب گھر پر ہی تھی۔ بلماز حیدر اس سے ملنے آیا تو کتنی ڈھیروں باتیں تھیں اس کے پاس کتنی بہت سی تصویریں پھیلائے وہ اسے ان حسین ترین دنوں کے متعلق بتا رہا تھا اور اس کی نگاہیں اس کے ساتھ ہر تصویر میں موجود مسکراتی ہوئی ایش کمال پر تھیں۔ وہ اسے شمالی علاقہ جات کے متعلق آگاہ کرنے لگا۔

''ہم لوگوں نے بہت بہت انجوائے کیا۔ مجھے لگا کہ واقعی دنیا بہت حسین ہے۔ پھول' خوشبو' بادل' ندیا اور ٹھنڈی ہوائیں بھی انسان کی زندگی میں خوب صورتی کا رنگ بھرنے کے لیے بے حد معاون ہیں ان تمام وادیوں میں گھومتے ہوئے مجھے تم بے تحاشا یاد آئیں بی ایف اور تب میں نے ہر ہر پل سوچا کہ کاش تم بھی میرے ساتھ ہوتیں تو کتنا اچھا لگتا۔ رئیلی رحمہ میں نے تمہیں بہت مِس کیا۔ تم میرے ساتھ کیوں نہیں تھیں؟''

وہ بچوں کے سے ضدی لہجے میں پوچھتا ہوا اسے اس وقت جانے کیوں بہت مختلف لگا اور تب وہ دھیرے سے ہنس دی۔

''کیونکہ میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں.....!''

''تم میرے ساتھ ہو سکتی تھیں اگر تم نے کوشش کی ہوتی.....!'' وہ لمبا چوڑا شخص اپنی منوانے پر بضد تھا اور تب اس نے البم کے صفحات پلٹتے ہوئے ہونٹ بھینچ لیے تھے ایک بہت کلوز تصویر میں ایش کمال بلماز حیدر کے شانے پر سر رکھے کسی بات پر بے تحاشا ہنستے ہوئے دوسرے ہاتھ سے جیسے ہنسی دبانے کی کوشش کرتی ہوئی وہ بہت دلفریب لگ رہی تھی۔ وہ یکدم سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

''نہیں بلماز حیدر کبھی کبھی کوششیں کرنے سے بھی کچھ نہیں ہوتا۔ یہ راستے بڑے کٹھن۔ مشکل اور مختلف ہیں۔ ان راستوں پر ٹرائے اگین' اینڈ اگین کا کھیل نہیں کھیلا جا سکتا ان راستوں پر کبھی تو کوئی ساتھ ہوتا ہے اور کبھی کوئی نہیں ہوتا کوئی مشق نہیں کہ آپ بار بار کی کوششوں سے وہ کام کرنے کے قابل ہو جائیں یا

تجربات کے ذریعے اہل ثابت ہو جائیں یہ زندگی کی وہ سچائی ہے جسے آپ کو کھلی آنکھوں سے دیکھنا اور قبول کرنا پڑتا ہے۔ اس میں سب ہوتا ہے جو ہونا ہوتا ہے۔ جو لکھا ہوتا ہے زندگی کوئی شماریات کا سوال نہیں کہ جس میں فرض کر کے حل نکال لیا جائے یا بار بار کی کوششوں سے آپ اس عمل کو صحیح کرنے کے قابل ہو جائیں۔ نہ ہی یہ کوئی الجبرا کی کوئی پرابلم ہے۔ اٹس اے آل اباؤٹ فیکٹ.....!'' اس کا کھویا کھویا انداز دیکھ کر بلماز حیدر لمحہ بھر کو مبہوت رہ گیا۔

''رحمہ جہانگیر.....!''

اور تب چونک کر یکدم ہی کھلکھلا کر ہنسنے لگی تھی اور اس سے قبل کہ وہ حیرت سے پر چہرہ لیے اس سے کچھ دریافت کرتا وہ اس تصویر پر انگلی رکھتے ہوئے بولی تھی۔

''ایش کمال بہت خوب صورت ہے۔ تم دونوں کا پیئر بہت زبردست لگا رہا ہے.....!''

''ہاں اور یہاں معلوم ہے کیا ہوا تھا۔ اس سے کچھ لمحے قبل محترمہ ایک گہری کھائی میں گرتے گرتے بچی تھیں۔ پاؤں پھسل جانے کے باعث اچانک ہی توازن بگڑ گیا تھا اور جب میں نے یکدم ہی ہاتھ تھام کر کھینچ لیا اور اس حرکت پر ڈانٹا تو وہ بے تحاشا ہنسنے لگی تھی۔ پاگل ہے قدرے کسی شے کو سیریس لیتی ہی نہیں حتیٰ کہ زندگی تک کو فقط ایڈونچر اور تھرل سمجھتی ہے اور انجوائے کرنا چاہتی ہے!'' وہ بولا تو رحمہ دھیرے سے مسکرا دی۔

''پھر تو وہ تم جیسی ہے تم بھی تو ایسے ہی ہو.....!''

''ہاں.....!'' وہ دھیمے سے ہنس دیا۔

''مگر تم جانے کیوں مشکل ہوتی جا رہی ہو.....؟'' وہ جانے کیوں بولا تھا۔

''میں.....؟'' وہ یکدم حیرت سے تکنے لگی تھی۔

''ہاں پتہ نہیں کیوں آج کل تم میری سمجھ سے بالاتر ہوتی جا رہی ہو۔'' وہ صاف گوئی سے بولا تو وہ ہنس دی۔

''تو قصور تو پھر تمہاری سمجھ کا ہوا نا.....!''

''رحمہ جہانگیر۔ آئی ایم سیریس رائٹ ناؤ.....!''

''اوکے' آئی ایم ٹو.....!'' وہ ہنس دی۔ پھر یکدم البم میں لگی تصویر پر تبصرہ کرنے لگی۔

''اور یہ موٹو عابد وہاں بھی اسی رفتار سے ٹھونس رہا ہے۔ اسے کب یہ بات سمجھ میں آئے گی کہ اسے بیلنس ڈائٹ کی ضرورت ہے.....!'' عابد کے زیادہ کھانے پر وہ باقاعدہ تبصرہ کرتی ہوئی بولی تو وہ تب اسے دیکھ کر رہ گیا۔

''کیا تیر مارا ہے ان دنوں میں.....؟'' بغور دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔

''کچھ خاص نہیں بس کمپیوٹر اور انٹرنیٹ سائبر کیفے جاتی ہوں۔ پھر کچھ گھر داری سیکھ رہی ہوں۔ آج کل ماما کے ساتھ کچن کے کام بھی کرنے لگی ہوں۔ بلماز تمہیں حیرت ہوگی میں نے کئی طرح کی ڈشز بھی بنانا

سیکھ لی ہیں۔''

''ڈیٹس گریٹ مگر ان ڈشوں کو خود بھی کھایا ہے؟'' اس نے چھیڑا۔

''کیا مطلب ہے؟'' وہ فوراً اس کے کہنے پر سیدھی ہو کر بیٹھتی ہوئی اسے گھورنے لگی۔

''ماما پاپا اور عینی سے تم تصدیق کر سکتے ہو۔ میں واقعی بہت اچھے اور مزے دار کھانے بناتی ہوں.....!''

''او کے بابا او کے.....!'' وہ جیسے ہار مانتے ہوئے مسکرایا تھا۔

☆.....☆.....☆.....☆

آنکھوں کو کیسے مل سکے خوابوں پہ اختیار!
قوس قزح کے رنگ کہیں ٹھہرتے نہیں
منظر بدلتے جاتے ہیں نظروں کے ساتھ ساتھ
جیسے کہ اک دشت میں لاکھوں سراب ہوں
جیسے کہ اک خیال کی شکلیں ہوں بے شمار

ڈیڑھ ماہ کی چھٹیاں جیسے دنوں میں گزر گئیں۔ فائنل ایئر کے سیکنڈ سمسٹر کا آغاز ہوا تو زندگی جیسے پھر اسی نہج پر آ گئی۔ تقریباً تمام پیپرز کی رزلٹ شیٹ نوٹس بورڈ پر آویزاں ہو چکی تھیں۔ حسب معمول اس کا رزلٹ ٹاپ پر رہا تھا وہ خوش اور مطمئن تھی۔ شاید کامیابی انسان کو یونہی خوش اور مسرور کرتی ہے۔

''تم بہت لکی ہو رحمہ حسب معمول پوزیشن تمہاری ہی بن رہی ہے.....!'' اس کی ایک کلاس فیلو نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ دھیمے انداز میں مسکرا دی۔

''جیت کے لیے بھی میدان مخصوص ہوتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ ایک میدان کا فاتح کسی دوسرے میدان میں بھی فاتح ٹھہرے!'' اس کا انداز نہ سمجھ میں آنے والا تھا۔

''شاید یہ وہ میدان ہے جہاں محنت کام آ جاتی ہے۔ کارگر ہو جاتی ہے اور ایک بات شاید یہ بھی ہے کہ اس میدان میں ہمارے سامنے کچھ مقاصد ہوتے ہیں جنہیں ہمیں حاصل کرنا ہوتا ہے اور حدف کو سامنے رکھتے ہوئے ہی ہم خود کو تیار کرتے ہیں جبکہ دوسری طرف زندگی کا میدان بھی ہے۔ جہاں ایسا کوئی سلسلہ نہیں۔ اس تقدیر کام کرتی ہے اور اسی کے باعث ہار جیت کا فیصلہ ہوتا ہے۔ کوئی اپنے مقدر سے فاتح قرار پاتا ہے اور کوئی شکست خوردہ اور.....''

''اور یہ کہ باقی تمام لوگ باہر کوریڈور میں کھڑے آپ کے یعنی محترمہ رحمہ جہانگیر کے منتظر ہیں۔ اگر آپ اپنے عمدہ قسم کے فلسفے کا بگھار لگا چکی ہوں تو باہر چلیں!'' بلمار حیدر اچانک اس کے سامنے آ کر کھڑا ہوتا ہوا بولا تو وہ مسکرا دی۔

پھر اس کلاس فیلو کو ہاتھ ہلاتی ہوئی اس کے ساتھ باہر آ گئی۔

''یہ تمہیں ہوتا کیا جا رہا ہے؟'' اس کے ساتھ چلتا ہوا وہ برہمی سے پوچھنے لگا۔ وہ کچھ دیر تو یونہی سر جھکائے خاموش رہی پھر دھیمے سے مسکرا دی۔

''پتہ نہیں شاید پاگل ہو رہی ہوں.....!''

''شاید نہیں رحمہ جہانگیر تم واقعی پاگل ہو رہی ہو.....!'' وہ جلے ہوئے انداز میں بولا تو وہ ہنس دی۔

''اچھا.....!''

پھر جب وہ لوگ کوریڈور میں ہی کھڑے تھے اور یونہی ہنسی مذاق میں مصروف تھے تبھی ایش کمال آ گئی۔

''لو بھئی بلماز حیدر صاحب آپ کی سبز پری تو آ گئی.....!'' عابد نے ڈارک گرین جدید تراش خراش کے سوٹ میں ایش کمال کو سامنے سے باوقار انداز میں آتا دیکھ کر مسکراتے ہوئے آگاہ کیا اور جو بلماز حیدر کی اس طرف پشت تھی وہ فوراً ہی مڑ کر مسکراتے ہوئے دیکھنے لگا۔

اک سبز پری میرے خوابوں میں آتی ہے چلی جاتی ہے!

وقار دھیمے سروں میں مسکراتے ہوئے گنگنانے لگا۔ حسن نے بھی ادھر دیکھنا ضروری خیال کیا اور صبا وغیرہ کے مسکرانے پر جانے کیوں وہ اس جانب کوئی خاص توجہ نہ دے سکی۔ غیر ارادی طور پر ہی اس کے چہرے کا زاویہ لابی کی جانب سے ہٹ کر دوسری جانب ہو گیا تھا۔ ایش کمال کے قریب پہنچنے سے قبل ہی بلماز حیدر ان لوگوں کو ایکسکیوزمی کہتا ہوں اس کے قریب تھا۔

''کہاں ہو تم نظر ہی نہیں آ رہے ان دنوں!'' وہ لوگ ان سے کچھ ہی قدم کے فاصلے پر تھے۔ ایش کمال کا ایک ادا سے کیا جانے والا شکوہ باخوبی ان سب کے کانوں تک پہنچا تھا اور وہ سبھی مسکرانے لگے تھے۔

''لگتا ہے محترمہ کی قریب کی نظر کمزور ہے۔ بھئی محترم..... سامنے کھڑے ہیں۔ پھر بھی فرما رہی ہیں نظر نہیں آ رہے ان دنوں.....!'' عابد کو یکدم ہی اعتراض ہوا۔

''بھئی ہو سکتا ہے آنکھوں میں لگے کونٹیکٹ لینس کوئی پرابلم کر رہے ہوں.....!'' حسن بھی کہاں پیچھے رہنے والا تھا۔

''اور یہ بھی تو ہو سکتا ہے نا کہ آج ان محترمہ نے کونٹیکٹ لینس ویئر ہی نہ کیے ہوں!'' صبا نے اپنی دانست کے مطابق بتانا ضرور خیال کیا۔

''محترمہ آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ اپنی ویک آئی سائٹ کے گلاسز نکال کر فوراً لگا لیجئے کیونکہ محترمہ ایش کمال کی آنکھیں آج سبز رنگ کی جوت لیے پوری آب و تاب سے چمک رہی ہیں!'' وقار کو ہمیشہ بے تکی ہانکنے کی عادت تھی۔ رحمہ ان سب کی باتوں سے قطع نظر گردن گھمائے ایڈمنسٹریشن بلاک کی جانب دیکھتی ہوئی جانے کیا تلاش رہی تھی۔ ان سب کی نظریں اب بھی ایش کمال اور بلماز حیدر پر تھیں جانے دونوں ہولے ہولے کیا باتیں کر رہے تھے آوازیں ان تک قطعی نہ پہنچ رہی تھیں۔

چلو کہیں دور یہ سماج چھوڑ دیں
دنیا کے رسم و رواج چھوڑ دیں

عابد نے اپنی بھونڈی آواز میں اس لمحے گنگنانا بے حد ضروری جانا بلماز حیدر اسی لمحے پلٹا پھر ان سے معذرت کرتا ہوا ایش کمال کے ساتھ رخصت ہو گیا۔

''لو بھئی ہیرو تو گیا......!'' عابد کی نظریں ان دونوں پر ہی تھیں۔

''تمہیں کیوں افسوس ہو رہا ہے......؟'' حسن نے مسکراتے ہوئے دریافت کیا۔تو سب ہنسنے لگے۔

وہ برا سا منہ بنا کر رہ گیا۔

''چلو میڈم نجمی کی کلاس ہے......!'' تبھی رحمہ ریسٹ واچ کی جانب دیکھتی ہوئی بولی تو ان سب نے سر ہلاتے ہوئے کلاس روم کی جانب قدم بڑھا دیئے۔

☆......☆......☆......☆

میری زندگی میں بس اک کتاب ہے اک چراغ ہے اک
خواب ہے اور تم ہو
یہ کتاب و خواب کے درمیان جو منزلیں ہیں میں
چاہتا تھا
تمہارے ساتھ سفر کروں
وہی کل اثاثہ زندگی ہے اسی کو زاد سفر کروں
میرے دل جادہ خوش خبر پہ بجز تمہارے کبھی کسی کا
گزر نہ

ہو
مگر اس طرح کہ
تمہیں بھی اس کی خبر نہ ہو!

اس شام وہ اس کی طرف آیا تو بہت شکستہ حال سا تھا۔رحمہ اسے دیکھ کر چونک سی گئی ''خیریت؟''

''ممی ڈیڈی جانے کیوں میری بات سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہے!'' وہ کہتا ہوا اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

''کیا ہوا......؟'' وہ جیسے کچھ اخذ کرنے کے خیال کے تحت بولی۔مگر وہ اس پل نفی میں سر ہلانے لگا۔

''زندگی کی ہر خواہش پوری کرنے والی ہستیاں جانے ان لمحوں میں اتنی کٹھور کیونکر بن جاتی ہیں!''

''ہوا کیا ہے؟'' وہ فکرمندی سے بولی۔

''ممی ڈیڈی یہ نہیں سمجھ رہے کہ ایش کمال میری زندگی کی اہم ترین ضرورت ہے......!''

اوہ تو اس کا قیاس کسی قدر درست تھا۔وہ پرسوچ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''تم سچوایشن کو آرام سے ہینڈل کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا!''

''رحمہ ان کے خیال میں میرے لئے بہترین انتخاب تم تھیں! وہ کسی اور کو اس زاویے سے دیکھنے کو کسی طور تیار ہی نہیں ان کا خیال یقیناً یہی ہے کہ اس طرح کا کوئی اقدام یقیناً یہی ظاہر کرے گا کہ تم کو ٹھکرا کر یقیناً تم سے کوئی اعلیٰ ہستی کو ترجیح دی گئی.....!'' وہ قدرے جذباتی انداز میں بولا تو وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔ پھر کچھ سوچتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔ میں ماموں اور آنٹی سے بات کروں گی۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ماموں خصوصاً میری بات نہیں ٹالیں گے.....!'' اس نے دلاسا دینے کو اس کے ہاتھ پر دھیرے سے اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ وہ اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اور جانے کیوں اس پل وہ اس کی سمت سے نظریں چرا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

''مگر آنٹی اور ماموں کو راضی کرنے سے قبل کیا تم نے ایش کمال کو بھی ہم خیال کیا ہے میرا مطلب ہے کہ ایسا نہ ہو اس کی فیملی کی طرف سے کوئی رکاوٹ آئے.....!'' اس نے دور اندیشی کا ثبوت دیتے ہوئے کہا تو وہ اس کی طرف دیکھتا ہوا مسکرا دیا۔

''یور آر ریئلی ویری کوئیک سائٹ!'' اور وہ جواباً مسکرا دی۔ پھر بولی۔

''بلماز حیدر رشتے جوڑنا کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے آنٹی اور ماموں اسی باعث سوچ کر تمہیں باز رکھ رہے ہوں کہ وہ اسٹیٹس میں تم سے کہیں زیادہ ہے.....!''

''ہوسکتا ہے لیکن میرا خیال ہے۔ ایسی بات نہیں ہے.....!'' وہ سر ہلاتا ہوا بولا تو وہ اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''پھر بھی تمہیں ایش کمال سے اس سلسلے میں بات ضرور کرنی چاہیے۔ تاکہ بعد میں کوئی پریشانی اٹھانا نہ پڑے.....!''

پھر وہ کافی دیر تک اس کو اسی نہج پر سمجھاتی رہی۔ دوسرے دن وہ ماموں کی طرف بھی گئی وہ اس سے بہت پیار کرتے تھے۔ اس لیے اسے یقین تھا کہ وہ اس کی بات قطعی نہیں ٹالیں گے اور واقعی جب اس نے بہت سلیقے سے بات کی تو ماموں نے نیم رضا مندی ظاہر کر دی تھی اور وہ اس وقت ایک اطمینان بھری گہری سانس خارج کرتی ہوئی وہاں سے لوٹ آئی تھی۔ پھر جیسے اس کے خیال میں سب کچھ ٹھیک ہو گیا تھا۔ کیونکہ بلماز حیدر کے چہرے پر ان دنوں مکمل طور پر سکون ہی سکون تھا اور اسے دیکھ کر کسی قدر وہ بھی مطمئن تھی۔

☆.....☆.....☆.....☆

میرے شانوں پر سر رکھ کے
آج
کسی کی یاد میں وہ جی بھر کے رویا!

زندگی کبھی کبھی جانے کیسے رنگ دکھاتی ہے کہ سب تدبیریں دھری رہ جاتی ہیں اور جیسے سارے بندھ ٹوٹ جاتے ہیں۔

زندگی کا ایک المیہ یہ بھی ہے کہ یہ مرضی کے ہمیشہ مخالف سمت سفر کرتی ہے۔ انسانی خواہشات جس جانب گامزن ہوں۔ اس سمت یہ کبھی بھی سفر نہیں کرتی۔ بلکہ اس سے دوسری طرف ہمیشہ اس کا بہاؤ رہتا ہے۔

زندگی میں بہت سے لوگوں کو بہت کچھ بن مانگے ہی مل جایا کرتا ہے اور بہت سوں کی ریاضتیں بھی جیسے ناکافی پڑ جاتی ہیں۔ اس نے صدق دل سے اس شخص کے لیے دعا مانگی تھی کہ اسے اس کی منزل مل جائے اور بلاشبہ مکمل ایمانداری کے ساتھ اور سچے دل کے ساتھ وہ مامون کی طرف بھی گئی تھی مگر کچھ مرحلے تقدیر بھی طے کرتی ہے اور اس لمحے تقدیر پھر مخالف سمت سفر کر رہی تھی۔ اس لمبے چوڑے شکستہ حال شخص کو لمحہ بھر..... اپنے سامنے کھڑا دیکھ کر جیسے اس کا دل مٹھی میں آ گیا تھا۔ ذہن و دل میں لمحہ بھر کو ہی خطرے کی کئی گھنٹیاں بج اٹھی تھیں۔

''بلماز حیدر.....!'' وہ خشک زبان کو بامشکل تر کرتے ہوئے فقط یہی کہہ سکی تھی اور بلماز حیدر نے اس لمحے دو قدم کا فاصلہ عبور کرتے ہوئے آگے بڑھ کر اس کے شانے پر بہت ہولے سے اپنا سر رکھ دیا تھا اور پھر اس کے اندر کا بہت سا گرم گرم لاوا رحمہ جہانگیر کے کمزور ناتواں شانے پر بہہ کر پھیلنے لگا تھا۔

اس گھڑی۔ رحمہ جہانگیر نے اس سے کچھ دریافت نہیں کیا تھا۔ ایک لفظ بھی پوچھے بغیر جیسے وہ تمام حقیقت کی تہہ تک جا پہنچی تھی۔ بلماز حیدر کے درد پر جیسے اس کا دل چھلنی ہو گیا تھا۔ بہت مشکل سے جیسے وہ خود پر بند باندھتی ہوئی اس لمبے چوڑے شخص کو سنبھالنے لگی تھی۔

مگر تسلی کے لیے نہ تو اس کی زبان پر کوئی حرف تھے۔ نہ ہی کوئی سوال! نہ شکایت..... نہ ملامت۔

بس اس نے اپنا نازک سا ہاتھ اس کے شانے پر رکھ دیا تھا۔

☆.....☆.....☆.....☆

کئی دن تک بلماز حیدر اسی کیفیت میں اپنے کمرے میں بند رہا تھا۔ پھر رفتہ رفتہ صورتحال معمول پر آنے لگی تھی۔ ہر درد کا مداوا جیسے موجود ہے۔ ہر درد تھم جاتا ہے۔ وقت سب سے بڑا مرہم ہوتا ہے۔ وہ لمبا چوڑا شخص سنبھل رہا تھا اور اس میں بہت دخل اس کی کوششوں کا بھی تھا۔ کتنے مخلص لفظ تھے۔

کتنے حوصلے تھے۔

کتنی چھوٹی چھوٹی باتیں تھیں۔ جو اس شخص کو اس ناتواں کمزور سی لڑکی سے ملی تھیں اور قدم قدم پر اس کا حوصلہ بندھاتے ہوئے جانے کیوں ہر پل یہی سوچتی تھی کہ ایش کمال نے بلماز حیدر جیسے چاہنے کے قابل شخص کو کیوں ٹھکرا دیا۔

پیار کے تو پل دو پل ہی کافی ہوتے ہیں اور بلماز حیدر تو اپنا پورا جیون ایش کمال کو سونپ دینا چاہتا تھا۔ ایک محبت کا سمندر اس کے پاس تھا۔

ایک جذبوں کا جہاں اس کی مضطرب آنکھوں میں مقید تھا۔ ایک خوشبوؤں کا خوبصورت جزیرہ اس

کے دل میں فقط اس کے لیے آباد تھا۔ پھر جانے کیسے وہ منکر ہوگئی۔

اسے دلربائی سے انگلی تھام کر۔ آگے تک لے گئی اور پھر جسٹ فرینڈ شپ کا نام دے کر ہاتھ واپس کھینچ لیا۔

اس نے سنا تھا بے وفائی ہمیشہ مرد کا شیوہ رہی ہے۔ عورت وفا کی پتلی ہے۔

وفاؤں کی جیتی جاگتی تصویر ہے اور اس لمحے وہ اس لاجک کو سمجھنے میں مکمل طور پر ناکام رہی تھی۔ شاید یہ معاملہ مس انڈر اسٹینڈنگ کا ہو۔ یا کسی طرح کی مس پرسپشن کا۔ بہرحال وہ کئی دنوں تک اسی نہج پر سوچتی رہی تھی۔ پھر انہی دنوں اس کے فائنل سمسٹرز کے ایگزیم سر پر آن پہنچے تو وہ خود کو بہت مشکل سے اسٹڈی کی طرف لائی۔

اور اس دن جب وہ پیپر دے کر نکل رہی تھی۔ تو اس روز اچانک ہی ایش کمال سے اس کا سامنا ہوگیا۔

''ہیلو۔ نائس گرل..... ہاؤ آر یو..... واٹس گوئینگ آن؟'' اس کے ساتھ پرتپاک انداز سے ملتے ہوئے وہ مسکراتی ہوئی پوچھنے لگی۔ تب وہ بھی دھیرے سے مسکرا دی۔ پھر ادھر ادھر کی کئی نارمل قسم کی باتیں ہوتی رہیں۔

''کہاں جا رہی ہو۔ آؤ میں چھوڑ دوں!'' اس نے فوراً پیشکش کی تو وہ نفی میں سر ہلانے لگی اور تب وہ اسے چھوڑ کر آگے بڑھ گئی۔ اور جیسے اس لمحے اس کے ذہن پر ایش کمال کی آنکھیں چپک کر رہ گئیں..... گہری نیلی آنکھیں۔

نیلی آنکھوں والے بے وفا ہوتے ہیں!

جانے کب کا سنا ہوا جملہ اس کے ذہن میں یکدم ہی گونج گیا..... اور تب وہ سر جھٹکتے ہوئے سوچنے لگی۔

ہوسکتا ہے ایشن کمال کی فطری دوستانہ طبیعت کے باعث سب کچھ ہوا ہو..... جو کچھ بلماز حیدر نے محسوس کیا۔ فقط اس کا یکطرفہ جذبہ ہو..... اور وہ سمجھ رہا ہو کہ ایش کمال بھی اسے چاہتی ہے مگر درحقیقت ایسا نہ ہو..... وہی مس پرسپشن والا معاملہ! اور جانے یہ معاملہ کیا تھا..... وہ سمجھتے سمجھتے جیسے خود الجھنے لگی تھی۔

پھر جس روز ان کا آخری پیپر تھا۔ وہ ساری کلاس کے لوگوں کے ساتھ مل کر دیر تک انجوائے کرتے رہے تھے۔ پیپر دینے کے بعد لان میں بیٹھ کر اور پھر لابی میں بیٹھ کر انہوں نے کتنا ہلا گلا کیا۔ کتنے اوٹ پٹانگ سونگز گائے تھے۔ پھر مل کر الوداعی ملاقات پر کیک کاٹا گیا تھا۔ اور پھر اس کے بعد آخری بار پوری کلاس کے لوگ مل کر مجیدے کے ہوٹل پر پلاسٹک اور سلور (کانسی) کی پلیٹوں اور چمچوں میں بریانی اور نہاری کھانے کے لیے بطور خاص گئے تھے۔

سارا دن ہنسی مذاق میں گزرا تھا۔ کتنی تصویریں بنائی گئی تھیں۔ پورا دن جیسے بہت بڑی یادگار کے طور پر گزارا گیا تھا۔ واپسی میں وہ سب مل کر واپس ڈیپارٹمنٹ میں آئے تھے' سب کے ساتھ فون نمبر اور دیگر اہم اشیاء کے تبادلے ہوئے تھے۔ ایک دوسرے سے بطور خاص نوٹ بکس پر لکھوایا گیا تھا۔ کوئی اچھا جملہ کوئی الوداعی فقرہ۔

اور اس دن بلماز حیدر بھی بہت مسرور نظر آ رہا تھا اور اسے مسکراتا دیکھ کر جیسے وہ بھی اپنے اندر ایک

سکون سا اترتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔

اس روز وہ شام ڈھلے یونیورسٹی سے نکلے تھے۔ ہر شے کو جیسے حسرت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے۔ پھر اپنے گروپ کے لوگوں اور کلاس فیلوز سے مل کر جب وہ واپسی کے لیے نکل رہے تھے تب ہی بلماز حیدر بولا تھا۔

''بچھڑتے ہوئے اتنا دکھ کیوں ہوتا ہے۔ جیسے روح جسم سے جدا ہو رہی ہو۔ یا جیسے جان نکل رہی ہو۔''

اور تب اس کے کھوئے کھوئے سے انداز پر وہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''جدائی کا نام ہی درد ہے۔ اس لفظ کے سنتے ہی جیسے ایک گہرا کرب اندر تک سرایت کرنے لگتا ہے۔ دراصل ہم اپنے دوستوں اپنے عزیزوں سے بچھڑنے کا حوصلہ نہیں رکھتے۔ انہیں نظروں سے دور جاتا ہوا نہیں دیکھ سکتے۔ جنہیں ہم چاہتے ہیں انہیں سدا نظروں کے قریب اور دل میں رکھنا چاہتے ہیں۔'' وہ بولی تھی۔

''مگر ایسا ہوتا کیوں نہیں..... جب ہم اتنا چاہتے ہیں تو پھر وہ ہم سے کھو کیوں جاتے ہیں۔'' وہ بولا تو جیسے وہ تڑپ کر رہ گئی۔ اس کی بات کا یقیناً اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ تب ہی وہ گردن کا رخ پھیر کر دوسری جانب دیکھنے لگی تھی۔

پھر ان دنوں جب وہ فارغ تھی۔ انہی دنوں ربیعہ آنٹی کا لیٹر آ گیا۔ وہ ان دنوں مری میں مقیم تھیں۔ نائٹین گریڈ آفیسر۔ اس کی جواں سال خالہ ہمیشہ سے اس کی آئیڈیل رہی تھیں۔ بے حد حسین اور اسمارٹ۔ مگر تیس پینتیس برس کے طویل عرصے کے گزر جانے کے باوجود بھی جانے انہوں نے شادی کیوں نہ کی تھی۔ وہ رحمہ سے بے حد محبت کرتی تھیں اور اس کے بچپن کی کئی ویکیشنز انہی کے ساتھ گزری تھیں۔ اب بھی جب ان کو پتہ چلا تو نا صرف انہوں نے لیٹر لکھ کر اسے اپنے پاس بلوایا۔ بلکہ بطور خاص فون پر بھی کہا اور تب وہ سامان پیک کرنے لگی۔ ان دنوں یوں بھی اس کے پاس کرنے کو کچھ نہ تھا۔ پھر جیسے اس تمام ماحول سے کچھ دنوں تک وہ بھی فراغت چاہتی تھی۔ تبھی ان کے پاس چلی آئی۔

پھر کتنے دنوں تک وہ ان کے ساتھ رہی۔ ربیعہ آنٹی نے اس پر مکمل توجہ دی۔ چھٹیاں لے کر وہ بہت سے خوبصورت علاقوں کی سیر کو نکلیں..... ہرنائی..... کاغان..... سوات..... ٹھنڈیانی اور اس جیسے بہت سے علاقے۔

''تم میرے ساتھ کیوں نہیں تھیں.....؟''

ہر ہر جگہ پر قدم رکھتے ہوئے بلماز حیدر کی آواز اس کا تعاقب کرتی رہی اور وہ ہر بار کی طرح ہر تصور کو توڑنے کے لیے اور فراموش کرنے کے لیے سر جھٹکتی رہی۔

پھر جب وہ واپس مری لوٹی۔ تب پتہ چلا کہ بلماز حیدر نے اسے کس قدر فون کیے ہیں۔ ملازم کے بتانے پر وہ سر ہلاتی ہوئی اوور کوٹ پہن کر باہر نکل گئی اور پھر جب لمبی واک کے بعد واپسی کے لیے گھر کی طرف جا رہی تھی تو تب ہی بارش شروع ہو گئی۔

وہ تقریباً بھاگتی ہوئی کالج کے گیٹ تک پہنچی اور اس اندھیرے میں گیٹ کے باہر کھڑے بلماز حیدر کو

دیکھ کر جیسے وہ ساکت رہ گئی۔ وہ جہاں تھی وہیں رک گئی۔ بارش کی شدت میں اضافہ ہو چکا تھا۔ اور وہ مکمل طور پر بھیگ چکی تھی مگر اس پل جیسے اسے احساس ہی نہ ہوا تھا۔

بلماز حیدر اسے دیکھ کر تیزی سے آگے بڑھا تھا اور ایک دیوانگی کے عالم میں اسے تھام کر اپنے ساتھ لگاتے ہوئے جیسے بے خود ہو گیا تھا۔

''کہاں چلی گئی تھیں تم..... مجھے چھوڑ کر..... جانتی ہو۔ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ تمہاری دوری سے مجھے لگا کہ میں ادھورا ہوں۔ تمہارا وجود میری مکمل زندگی کا حصہ ہے۔ پھر کیوں تم نے مجھے تنہا چھوڑ دیا'' لفظ جیسے بے خودی کا مکمل غماز تھے..... اور رحمہ جہانگیر کے لیے وہ لمحہ جیسے خواب تھا۔ اس کی گرفت سے خود کو آزاد کراتے ہوئے اس نے بہت حیرت سے اس کی سمت دیکھا تھا۔ اس کی گہری مضطرب نظریں اس کے چہرے پر تھیں۔

اس سرد اور منجمد کر دینے والے موسم میں بھی۔ جیسے ان آنکھوں سے بجلیاں سی کوند رہی تھیں۔ اس کا سارا وجود جیسے جلنے لگا تھا۔ پگھلنے لگا تھا اور تب جیسے اس کے لیے وہاں ٹھہرنا محال ہو گیا تھا۔ وہ نظریں جھکاتی ہوئی یکدم ہی اس کے قریب سے ہوتی ہوئی اندر کی جانب بڑھ گئی تھیں اور پھر کمرے میں آ کر دروازہ بند کر کے کتنی ہی دیر تک وہ گہرے گہرے سانس لیتی رہی تھی۔

پورا وجود جیسے ایک تپش کے حصار میں تھا۔

☆.....☆.....☆.....☆

کبھی کبھی جن باتوں کا احساس ہمیں بہت قریب رہ کر نہیں ہو پاتا۔ ان کا احساس کچھ پل کی دوری سے ہو جاتا ہے۔ مگر ضروری نہیں کہ تب لمحے بھی ہماری گرفت میں ہوں۔ وہ قطعی طور پر سمجھ نہیں پاتی تھی کہ کل تک ایش کمال سے محبت کا دم بھرنے والا بلماز حیدر اس بات پر سوچتے ہوئے حیران ہونے والا کہ

''مجھے تم سے محبت کیوں نہ ہوئی۔'' آج اس سے کیسے اظہار الفت کر رہا ہے۔

اس نے سنا تھا۔ محبت لامتناہی سلسلہ ہے۔ جو کسی ایک مقام تک ٹھہرتی نہیں رکتی نہیں۔ کسی ایک نقطے پر منجمد نہیں ہوتی۔

یہ سرد برف کی طرح نہیں ہوتی کہ اس کا کوئی نقطہ انجماد مخصوص ہو۔ یہ تو سیال مادے کی طرح پھیلتی ہے۔ اور بڑھتی اور پھیلتی چلی جاتی ہے۔ پرتپش دہکتی ہوئی، جلتی بجھتی محبت۔

اپنے دہکتے ہوئے احساس اور پرتپش جذبوں سمیت۔

ایک پرحرارت احساس کا نام۔

جو بدن میں دوڑتے خون کی مانند ہو۔

مگر.....!

یہ بھی تو ہے کہ وقت ہمیشہ گرفت میں نہیں رہتا۔ لمحے بھاگتے دوڑتے تسلسل کا نام ہیں اور گئے لمحے بہت کچھ دیتے ہیں تو لے بھی جاتے ہیں۔

اگر آج کوئی شے آپ کی گرفت میں ہے تو ضروری نہیں کہ اس سے اگلے پل بھی وہ آپ کی گرفت میں رہے۔

بہت سی چیزوں کو پکڑنے اور انہیں گرفت میں رکھنے کو وقت کے ساتھ ساتھ چلنا پڑتا ہے۔

اور پھر یہ بھی تو ہے نا کہ وقت گزرنے کے بعد طلب مر جاتی ہے۔

ایسے ہی جیسے شدید پیاس ہو اور آپ کو قطرہ بھر پانی بھی نہ ملے۔

اور جب پیاس کی شدت ٹوٹ جائے تو ایک سمندر آپ کے پاس چلا آئے اور تب آپ کو پیاس ہی نہ ہو۔

زندگی کسی معاشی قانون کے تحت کاربند نہیں.....

نہ ہی کسی معاشی اصطلاح کے گرد گھومتی ہے۔ مگر کچھ سچائیاں زندگی کی بھی ہوتی ہیں۔

جو اپنی مکمل سچائیوں سمیت وقوع پذیر ہوتی ہیں۔

اور جنہیں بہر طور ماننا بھی پڑتا ہے۔

یقیناً یہ وہ وقت تھا..... جب وہ چاہتی تو ہاتھ بڑھا کر سمندر گرفت میں لے سکتی۔

مگر اب وقت جیسے وہ تھا۔

جب پیاس مر جاتی ہے۔

شدت ٹوٹ جاتی ہے۔

پھر چاہے سامنے سمندر ہو.....

بلماز حیدر اور وہ ایک ساتھ کراچی واپس لوٹے تھے..... یہاں آ کر اسے علم ہوا کہ اس نے حسب روایت آنرز کی طرح اپنی فرسٹ پوزیشن کا اعزاز برقرار رکھا ہے۔

اور یہ جیسے متوقع فتح تھی۔ تب ہی جب اس نے اس خبر کو سنا بھی تو کسی خاص خوشی یا تاثر کا اظہار نہیں کیا..... حالانکہ ماما پاپا نے اس خوشی پر ایک پارٹی کا اہتمام کیا اور اس کے تمام دوستوں کو مدعو کیا اور وہ اتنی پذیرائی کے باوجود بہت رسمی سے انداز میں مسکراتی رہی۔ پھر اپنے ہی ڈیپارٹمنٹ میں اسے اپوائنٹ کر لیا گیا۔ بحیثیت لیکچرار تدریسی سرگرمیاں انجام دیتے ہوئے جیسے وہ کسی حد تک مگن سی ہو گئی۔ دل جیسے بہلنے سا لگا۔ اپنی خوبصورت اور دیدہ زیب پرکشش پرسنالٹی کے باعث وہ اپنے اسٹوڈنٹس کی موسٹ فیورٹ لیکچرار تھی۔ بلماز حیدر بھی اپنے ڈیڈی کے بزنس کو سنبھالتے ہوئے آج کل خاصا مصروف سا تھا۔ وہ اب بھی اسی طرح بہت اچھے دوست تھے۔ اکثر فرصت کے لمحات میں مل کر بیٹھتے تو کئی گزری باتوں کو یاد کرتے ہوئے تادیر محظوظ ہوتے رہتے۔ اگرچہ فقط ایک سال کا عرصہ گزرا تھا مگر پلٹ کر..... دیکھتے تو لگتا عرصہ دراز بیت چکا ہے۔

پھر انہی دنوں رحمہ جہانگیر نے سنا کہ بلماز حیدر نے اسے ایک بار پھر پروپوز کیا ہے اور اس بار

ماموں اور آنٹی ایک بار پھر یہ مدعا لے کر حاضر ہوئے تھے۔ ماما نے ایک بار پھر اس کی مرضی معلوم کرنا ضروری خیال..... کیا.....!

اور تب اس نے سر ایک بار پھر نفی میں ہلا دیا۔

''فی الحال تو قطعی نہیں ماما..... میں ہائیر اسٹڈی کے لیے برٹین جا رہی ہوں۔'' اس کا لہجہ بے حد قطعی تھا۔ ماما کتنی ہی دیر تک اسے دیکھتی رہی تھی۔ اور پھر کچھ کہے بغیر واپس لوٹ گئی تھیں۔

پھر جب بلمازحیدر کو پتہ چلا تھا تو وہ پہلی ہی فرصت میں اس کے مقابل تھا۔

''تم مجھے اس طرح نہیں توڑ سکیں رحمہ جہانگیر..... تم جانتی ہو تم میرے لیے بہت اہم ہو..... میرے دل میں ہمیشہ ہی تمہارے لیے بہت گنجائش رہی ہے۔ تم تو بنا کہے میری ہر ضرورت جانتی تھیں۔ بنا کہے سب جان جاتی تھیں۔ پھر تمہیں باور کرانے کی ضرورت مجھے آج کیونکر پیش آ گئی.....!؟'' اس کے شانوں پر اپنے مضبوط ہاتھ رکھے اسے تقریباً جھنجوڑتے ہوئے وہ دریافت کر رہا تھا۔ اس کے ہاتھوں کی گرفت جیسے اس کے نازک شانوں پر ایک اضافی بوجھ تھا۔ تب ہی بہت آہستہ سے اس کی جانب دیکھے بغیر اس نے اس کے ہاتھ ہٹا دیئے تھے اور پھر وہاں سے ہٹ گئی تھی اور بلمازحیدر بے بس سا اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

☆.....☆.....☆.....☆

یہ تو سچ ہے کہ ہم کو بچھڑ جانا ہے
تم کو مڑنا ہے، مجھ کو ٹھہر جانا ہے
ساتھ یہ پل کا عمر بھر کا نہیں
ہم ملیں گے کبھی بھی آئندہ نہیں
تو چلو یوں کریں
آخری بار کھل کر ایسے ملیں
زخم سارے ملیں
پھر کبھی بھی ملیں جب تو کوئی بھی عکس
اپنی آنکھوں میں، چہرے پر، آواز میں
جاگتا ہی نہ ہو
اور دل پھر سے ان ہی گئی ساعتوں کو
مانگتا ہی نہ ہو
تو چلو یار من.....!
آج آخری بار کھل کے باتیں کریں
اور کبھی نہ ملیں.....!

اور اس روز جب اسے جانا تھا۔ وہ دن بھر اس کے ساتھ رہا تھا۔ عینی وہ اور بلماز کتنے مقامات پر گئے تھے۔ کتنی ڈھیر ساری شاپنگ کی تھی اور پھر آخری بار سورج کو غروب ہوتے ہوئے دیکھتے ہوئے جیسے اس کی نگاہیں منجمد ہوگئی تھیں۔

''کتنا دلکش منظر ہے نا یہ.....!'' وہ کھوئے کھوئے سے انداز میں بولی تھی۔ بلماز حیدر نے اس کی طرف ایک نظر دیکھا تھا۔ پھر دھیرے سے ایک گہرا سانس خارج کرتے ہوئے اس کے ہاتھ پر اپنا مضبوط ہاتھ دھر دیا تھا۔

''مجھے یہ منظر قطعی اچھا نہیں لگتا۔ بلکہ مجھے یہ منظر ہمیشہ ایک پر درد کیفیت کا اظہار کرتا نظر آیا ہے۔ مجھے جدائی کی گھڑیاں اچھی نہیں لگتیں..... بچھڑنے والے لمحے اچھے نہیں لگتے یہ وہ لمحہ ہوتا ہے جب ایک دن جدا ہوتا ہے اور پھر اس کے بعد جیسے طویل شب کا کرلاتا ہوا اندھیرا.....!''

''مگر یہ تو قانون قدرت ہے۔ ملنا بچھڑنا تو ریت ہے۔'' وہ بہت ہولے سے بولی تھی۔

''ہاں مگر..... جیسے جسم سے جان سی نکلتی ہے اس ایک گھڑی میں!!!'' وہ بہت دھیمے انداز میں بولا تھا اور اس لمحے رحمہ اسے ایک نظر دیکھتی ہوئی دوبارہ اسی منظر کو بغور تکنے لگی۔ تب ہی وہ بہت ہولے سے بولا تھا۔

''مت جاؤ..... رک جاؤ نا.....!!''

اور تب وہ یکدم ہی اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔ جانے کیا تھا اس کی نظروں میں کہ وہ زیادہ دیر دیکھ نہ سکی تھی اور نظریں جھکا گئی تھی۔ تب ہی وہ بولا تھا۔

''مجھے اس بات کا خود احساس نہ تھا کہ میری ضرورت تم ہو۔ میرے لیے تمہارا وجود ضروری ہے۔ حیرت ہے تم اتنا عرصہ میرے پاس رہیں۔ ساتھ ساتھ رہیں اور میں کبھی اس حقیقت کو سمجھ ہی نہ سکا۔ جان ہی نہ پایا کہ میرے اندر تو ہمیشہ سے تم تھیں..... ایش کمال کی چمکتی دمکتی شخصیت کی جانب میری توجہ کا مبذول ہونا۔ ایک فطری قدم تھا۔ مگر مجھے آج لگتا ہے وہ محبت نہیں تھی شاید..... میں تم سے جب بھی دور ہوا ہوں میں نے ہمیشہ تمہارے متعلق ہی سوچا ہے۔ ارادی یا غیر ارادی طور پر تمہارا تصور میرے ذہن کے ساتھ چپکا رہا ہے۔ تب بھی جب میں اسٹڈی ٹور پر تھا۔ ایش کمال میرے ساتھ ساتھ تھی..... میں تمہارے متعلق سوچ رہا تھا اور آج بھی جب کبھی تم سے دور ہو کر آنکھیں بند کرتا ہوں تو بنا سوچے فقط تمہاری صورت ہی آنکھوں کے پردوں پر کھنچ جاتی ہے۔ میں نے بہت دیر میں جانا..... بہت دیر میں سمجھا۔'' بہت دھیمے دھیمے لہجے میں کہتا ہوا جانے اس لمحے وہ اس قدر شکستہ کیوں لگا۔ وہ بہت غیر ارادی طور پر اس کی طرف دیکھتی چلی گئی تھی۔

''میں جانتا ہوں رحمہ۔ یہ ضروری نہیں کہ اب اگر میں تمہاری جانب پلٹا ہوں تو تم بھی میری پذیرائی کرو۔ تمہارے اس رویے کا یقیناً میں اہل ہوں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں۔ محبت زبردستی کا سودا نہیں اس لیے میں تمہیں زبردستی قید یا پابند بھی نہیں کروں گا۔ یقیناً تم ہر فعل و عمل کے لیے آزاد ہو۔ مگر میں اتنا ضرور جانتا ہوں۔ تم کہو نہ کہو مگر ہم ایک دوسرے کی ضرورت رکھتے ہیں! ہم ایک دوجے کی ضرورت ہیں۔ میں اس وقت کا انتظار

کروں گا جب تم میری طرف لوٹ سکو۔''

''نن نہیں.....!!'' وہ یکدم بول گئی تھی۔

''میں تمہیں ایسا سنہرا خواب سونپ کر جانا نہیں چاہتی۔ دنیا محدود نہیں۔ کسی اچھے ساتھی کو چن کر اپنی نئی خوشگوار زندگی کا آغاز کر دینا۔ زندگی میں ضرورتیں صورتیں بدلتی رہتی ہیں۔ ضرورت محبت کی ہوتی ہے۔ بس اسے ختم یا کم نہیں ہونا چاہیے۔''

''مگر محبت کے لیے بھی تو کسی خاص فرد کی ضرورت باقی بچتی ہے۔'' وہ یکدم بولا تو وہ کوئی جواب دیئے بغیر اٹھ کھڑی ہوئی۔ ساحل کی گیلی گیلی ریت پر چلتی ہوئی جانے کیوں اس لمحے وہ بہت تھکی ہوئی لگ رہی تھی۔ ہر اٹھتا ہوا قدم جیسے بہت بھاری تھا۔ بلمازحیدر نے اسے ایک نظر دیکھا تھا۔ پھر سگریٹ سلگانے لگا تھا۔

کبھی یوں ہوا تم رکے میں چلا
کبھی یوں ہوا تم چلے میں رکا
کبھی ہم تم اک ساتھ ہوں
سانجھے اپنے دن رات ہوں
ایسا کیوں نہ ہوا
آنکھیں ہیں سوکھی باتیں ہیں روکھی
ہم تم رہے ساتھ ہی اے میری زندگی
دن ڈھل گئے راتیں گئیں.....
لب جل گئے باتیں گئیں.....
مل کے بھی ہم کیوں نہ ملے.....
ایسا کیوں نہ ہوا.....!!
کبھی یوں ہوا تم رکے میں چلا.....
خوابوں کے بادل کتنے ہی چھائے.....
لیکن رہی دھوپ ہی اے میری زندگی.....
ہر موڑ تھا اک سائباں.....
ہر گام تھا بڑا مہرباں.....
منزل مگر کیوں نہ ملی.....
ایسا کیوں نہ ہوا.....
کبھی یوں ہوا تم رکے میں چلا
کبھی یوں ہوا تم چلے میں رکا

کبھی ہم تم اک ساتھ ہوں......

ساتجھے اپنے دن رات ہوں......

ایسا کیوں نہ ہوا......

کبھی یوں ہوا تم رکے میں چلا......

کبھی یوں ہوا تم چلے میں رکا......!

اور جب وہ اپنا سامان پیک کر رہی تھی تب ہی پاپا آ گئے۔ وہ سمجھ گئی تھی۔ کسی خاص بات کے لیے وہ تشریف لائے ہیں تب ہی تمام کام چھوڑ کر مکمل توجہ سے ان کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ وہ ہمیشہ ڈائریکٹ بات کہنے کے عادی تھے۔ تب ہی بنا کوئی تمہید باندھے فوراً بولے تھے۔

''بیٹا میرا کوئی بیٹا نہیں اور مجھے کبھی اس کا قلق رہا بھی نہیں۔ میری سوچ اس عام ٹپیکل اپروچ سے بہت ہٹ کر ہے۔ میرے لیے میری دونوں بیٹیاں ہی میرے بیٹے ہیں۔ اسی لیے میں نے آپ کو ہر طرح کا اعتماد سونپتے ہوئے مکمل اختیار اور آزادی دی۔ تاکہ آپ دونوں کی شخصیت میں کسی قسم کی کوئی کمی نہ رہ جائے اور اپنی اس کوشش میں بلاشبہ کامیاب رہا ہوں۔ آپ دونوں بلاشبہ ہمارا فخر ہیں۔ مگر بیٹا جس طرح آپ کی تعلیم و تربیت کی ذمے داری ہم پر عائد ہوتی تھی۔ اسی طرح آپ کی ایک اہم ذمے داری ہم پر عائد ہوتی ہے۔ آپ کی مرضی کو توقیت دینا ہمارا فرض ہے۔ یقیناً یہ آپ کا حق ہے۔ اپنے متعلق فیصلہ کرنے کا۔ مگر بیٹا ہم چاہتے ہیں آپ خوش رہیں۔ بلماز حیدر یقیناً اچھا لڑکا ہے۔ سب سے بڑی بات آپ کو انڈراسٹینڈ کرتا ہے۔ یہ سیکنڈ ٹائم ہے کہ ان کی طرف سے کوئی پیغام آیا ہے۔ آپ کی ماما نے دوسری بار ہمیں آپ کے متعلق آگاہ کیا تو ہمیں حیرت نہیں ہوئی کیونکہ زندگی میں ضروری نہیں کہ نظروں کے سامنے نظر آنے والی ہر شے کو اپنی زندگی میں شامل کر لیا جائے۔ مگر بیٹا!......'' اور تب اس نے بہت ہولے سے ان کے سینے پر اپنا سر رکھ دیا تھا اور کتنے ہی گرم گرم آنسو آنکھوں سے بہہ نکلے تھے اور جیسے یہ آنسو ہی اس کا جواب تھے۔ وہ کچھ نہیں بولی تھی اور تب پاپا جیسے بہت کچھ سمجھتے ہوئے بہت ہولے ہولے اس کا سر تھپکنے لگے تھے۔

اور پھر جب سب سی آف کرنے ایئرپورٹ پر تھے تو سب سے ملتے ہوئے یکدم ہی اس کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔ یہ پہلی بار تھا کہ وہ ان سے الگ ہو کر اتنی دور جا رہی تھیں۔

واقعی کتنا درد ہوتا ہے۔ جب اپنوں سے چھڑا جائے۔

بچھڑنے کی گھڑی واقعی بہت پر درد ہوتی ہے۔

سب سے ملنے کے بعد وہ بھیگی پلکیں لیے اس کے سامنے آن رکی تھی۔

اور وہ اس لمحے کتنی ہی دیر تک اسے کچھ کہے بغیر ساکت نظروں سے دیکھتا رہا تھا۔ آج جانے کیوں اس نے بھی نظریں نہ چرائیں تھیں۔ جانے کیوں آج اس نے چہرے کا رخ تبدیل نہ کیا تھا۔ بس ایک ٹک دیکھتی رہی تھی۔

اور تب بلماز حیدر نے بہت ہولے سے اس کے ہاتھ پر اپنا دھر دیا تھا۔

''آئی ول بی رائٹ ہیئر ویٹنگ فار یو.....!! اس کا لہجہ پرتپش دہکا ہوا اور نظریں.....!!

اس لمحہ رحمہ جہانگیر کو لگا تھا وہ کچھ دیر اور یہاں ٹھہری تو جیسے اس کا سارا وجود پگھلنے لگے گا اور بہہ جائے گا۔

تب ہی وہ جلدی سے اس پل مڑی تھی اور تیزی سے ڈیپارچر لاؤنج کی سمت بڑھنے لگی تھی۔ بنا پیچھے دیکھے۔ جیسے رکے گی یا مڑ کر واپس دیکھے گی تو پتھر کی ہو جائے گی۔

مگر اس تمام کوشش کے باوجود بھی جانے کیوں اس پل اسے لگا تھا! جیسے بہت کچھ وہ یہیں بھولے جا رہی ہو۔

اپنا بہت کچھ اسی نگری میں چھوڑے جا رہی ہو۔

جیسے نظر.....!

جیسے خیال.....!

جیسے روح' جیسے جان.....!!

اسی ایک نظر میں الجھ گیا ہو.....!!

آنکھوں میں یکدم ہی بہت سا پانی آن ٹھہرا تھا۔

دل جیسے کرلانے لگا تھا۔

روح پر جیسے ایک کرب اترنے لگا تھا۔

مگر اس کی ایک گھڑی میں لاکھ چاہنے کے باوجود وہ آگے قدم نہیں بڑھا سکی۔ وہ پلٹ آئی تھی بلماز حیدر کی محبت کی وجہ.....

میں محبت اور تم

آشنائی کی یہ ہلکی سی جھلک بھی کیوں ہے
یوں گزر جاؤ کہ جیسے کبھی دیکھا ہی نہ تھا
تجھ کو کھو بیٹھے تو یاد آیا کہ تو اپنا تھا
تجھ کو پانے کا تو ہم نے کبھی سوچا ہی نہ تھا

شدید بارش میں وہ تقریباً بھیگتی ہوئی دسویں بار گیٹ تک آئی تھی مگر پچھلی نو بار کی طرح اس بار بھی وہ ذات شریف کہیں نظر نہ آئی تھی۔ جتنی گالیاں اسے ازبر تھیں۔ ان سب سے اسے نوازتی ہوئی وہ پاؤں پٹختی ہوئی اندر کی طرف واپس پلٹی تھی۔

ایک ایک کر کے اس کی تمام دوست رخصت ہو چکی تھی۔ اس کا بس نہ چل رہا تھا کہ اس شخص کو کہیں سے لا کر اپنے سامنے کھڑا کرے اور پھر شوٹ کر ڈالے۔ اگر اس کے پاس الہ دین کا چراغ ہوتا تو یقیناً وہ ایسا کر گزرنے میں دیر نہیں کرتی۔

انتہائی جلتے کڑھتے ہوئے اس نے کلائی پر موجود ریسٹ واچ کی طرف دیکھا تھا اور ایک بار پھر گیٹ کی طرف آئی تھی۔

''بیٹا آپ اندر بیٹھو جب کوئی آپ کو بلائے گا تو ہم بتا دے گا.....!'' بوڑھے چوکیدار نے کہا تو وہ اثبات میں سر ہلاتی ہوئی واپس پلٹ گئی۔

دل پوری شدت سے چاہا تھا کہ اس ''غیب شدہ'' شخص کا سر پھاڑ ڈالے۔ موسم کا کچھ بھروسا نہ تھا..... تیور خراب ترین ہو رہے تھے۔ آسمان سے پوری رفتار سے پانی برس رہا تھا۔

غصہ اس پر آ رہا تھا جب اس انتہائی غیر ذمے دار شخص کو واپسی پر لینے کو کہہ دیا تھا۔ اس پر اعتبار تو اسے کبھی بھی نہ رہا تھا مگر اس پل جب وہ اسے انسٹی ٹیوٹ کے گیٹ پر چھوڑ رہا تھا تو جانے اس کے چہرے پر ایسی کیا بات تھی کہ وانیہ وقار علی خان نے پہلی فرصت میں ہی اس پر اعتبار کر لیا تھا اور اب وہ اس لمحے کو کوس رہی تھی۔

کوئی پچاس سویں بار اس نے اپنی نازک سی رسٹ واچ کو گھور کر دیکھا تھا۔

''اب اگر تم نہیں ٹپکے تو میں نکل کھڑی ہوں گی۔ چاہے مجھے کتنی ہی خواری کیوں نہ ہو اور کتنا اچھا ہوتا اگر میں نے تم پر آج بھی اعتبار نہ کیا ہوتا تھا۔'' اس نے باآواز بلند کہنے کے ساتھ اپنا فیروزی آنچل پکڑ کر نچوڑا تھا جو گیٹ کے چکر کاٹنے کے باعث بھیگ کر اسے کوفت میں مبتلا کر رہا تھا اور بھیگ تو وہ پوری کی پوری ہی چکی تھی وہ تن تنہا ایک بینچ پر بیٹھی مسلسل گیٹ کی طرف دیکھ رہی تھی اگر موسم اس قدر خراب نہ ہوتا تو یہاں کا منظر شاید معمول کی طرح نظر آتا جس طرح کہ عام دنوں میں چہل پہل ہوتی تھی مگر موسم کی برہمی کو دیکھتے ہوئے کسی نے یہاں رکنا گوارا نہ کیا تھا۔

اور وہ اب سوچ رہی تھی۔ ردا جو صبح ٹوک رہی تھی آنے سے قبل تو اسی کی مان لی ہوتی اور وہ ثناء نے بھی تو اسے دیکھتے ہی کہا تھا۔

''وانیہ! موسم بہت زبردست ہے گھر میں رہو۔ مل کر خوب انجوائے کریں گے۔'' مگر اس نے فوراً ہی نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

''بہت ضروری ہے آج جانا۔''

''موسم کا کچھ اعتبار نہیں.....!'' غلمان علی خان نے اسے بغور دیکھتے ہوئے اطلاع بہم پہنچائی تھی۔ لائٹ فیروزی کلر کے جدید تراش خراش کے کاٹن کے سوٹ میں وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ شولڈر کٹ بالوں کو کلپ میں مقید کیے بنا کسی میک اپ کے بھی وہ دل میں اتری جا رہی تھی۔

''اعتبار تو تمہارا بھی کچھ نہیں ہے مسٹر غلمان علی خان.....!'' وہ جواباً جل کر بولی تھی۔

''ڈیئرسٹ وانیہ علی خان کبھی کبھار کسی شخص پر اعتبار کر بھی لیا کرتے ہیں۔'' سلائس پر بٹر لگاتے ہوئے وہ بولا۔

''میں ساری دنیا پر اعتبار کر سکتی ہوں مگر محترم غلمان علی خان پر..... نیور.....'' وہ اس طرح سے بولی کہ ردا' ثناء' فارحہ' اصفہان اور دیگر سب ہنسنے لگے تھے۔

''یار اتنا برا بھی نہیں ہے یہ بندہ۔ کیوں تم اس کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑی رہتی ہو؟'' طاہر نے اس کی بھرپور طرف داری کی۔

''میں اور ان موصوف کے پیچھے پڑوں گی۔ میرا دماغ چل گیا ہے کیا.....؟'' وانیہ نے غلمان کی طرف ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ غلمان علی خان جواب میں اسے گھورنے لگا تھا مگر وہ بنا اس کی پروا کیے پاپا سے مخاطب ہوئی تھی۔

''پاپا! مجھے چھوڑ دیجئے گا۔ آج وین نہیں آئے گی۔''

''مگر بیٹا مجھے تو ایک ضروری کام سے جانا ہے۔ یہ غلمان آپ کو چھوڑ دیں گے۔'' انہوں نے ذمے داری غلمان علی خان کے کاندھوں پر ڈال۔

''جی.....'' وہ انتہائی حیرت کے ساتھ یوں چونکی جیسے کسی نے تیسری جنگ عظیم کے شروع ہونے کی خبر دے ڈالی ہو۔ البتہ اس کے ساتھ ہی وہ غلمان علی خان کے چہرے پر رقصاں فاتحانہ مسکراہٹ بھی بخوبی دیکھ سکتی تھی۔ وہ کچھ مزید کہے بغیر جھک کر ناشتا کرنے لگی تھی۔ گویا اب اسے ہر حال میں اسی کے ساتھ جانا تھا۔ پھر مجبوراً وہ اس کے ساتھ اس کی انتہائی پھٹیچر سی بائیک پر سوار ہوئی تو اس کی گہری ہوتی مسکراہٹ کو دیکھ کر اس کا دل چاہا ہاتھ میں پکڑی ہوئی فائل اس شخص کے سر پر دے مارے۔

وہ سیٹی پر بڑی شوخ سی دھن بجا رہا تھا۔ اس نے بہت آہستگی کے ساتھ اس کے شانے پر ہاتھ دھرا تھا۔

''مضبوطی سے پکڑو اگر گر گرا گئیں تو میرے ذمے داری نہیں ہوگی۔''

''میری ذمے داری یوں بھی آپ پر عائد ہرگز نہیں ہوتی مسٹر غلمان علی خان!'' وہ نخوت سے گیا ہوئی تھی۔

بارش کا ہے موسم

چلے ٹھنڈی ہوا۔

وہ زیر لب گنگنانے لگا۔ ساتھ ہی اسپیڈ بھی بڑھا دی اور وہ جو موسم کے حسین رخ کو دیکھ رہی تھی یکدم ہی چیخ پڑی۔

''آہستہ چلاؤ۔ مجھے ابھی مرنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ یوں بھی میری زندگی بہت قیمتی ہے۔''

مگر اس نے جیسے سنا ہی نہیں۔ بائیک ہوا سے باتیں کر رہی تھی۔

''اگر تم نے اسپیڈ کم نہیں کی تو میں چھلانگ لگا دوں گی۔'' اس نے دھمکی دی تبھی اس نے اسپیڈ کم کرنے کے ساتھ ہی بائیک روک دی۔

''اگر اس طرح کی بے وقوفی کی باتیں مزید فرمائیں تو باخدا میں خود تمہیں اس بائیک سے دھکا دے ڈالوں گا۔ بغیر آپ کے قیمتی ہونے کی پروا کیے۔ سمجھی آپ محترمہ وانیہ وقار علی خان۔'' وہ اسی کے انداز میں ایک ایک لفظ چبا چبا کر بولا۔ تو وانیہ اس کو دیکھ کر رہ گئی۔ پھر بولی۔

''اب چلاؤ بھی۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔'' وہ گردن موڑ کر سامنے کی طرف دیکھنے لگا۔

''سوچ لو۔ میں نا قابل اعتبار ہوں۔''

''وہ تو تم ہو.....!'' وہ اسی تیور سے بولی۔ وہ پلٹ کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ غصے سے پھولا پھولا چہرے لیے وہ کوئی معصوم سی بچی لگ رہی تھی۔ وہ یکدم ہنس دیا۔ وہ کھولتی ہوئی اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''اب چلاؤ گے یا میں کوئی ٹیکسی وغیرہ کر لوں؟''

''محترمہ مانا میری یہ پھٹیچر سی موٹر سائیکل آپ کے ان ہونے والے سرتاج صاحب کی مرسڈیز کے سامنے پانی بھرتی ہے مگر پھر بھی اس میں اتنی سکت ضرور ہے کہ وہ تمہیں تمہاری ''وقتی منزل'' تک پہنچا دے۔''

اس نے کہنے کے ساتھ ہی چہرے کا رخ پھیر لیا اور موٹر بائیک اسٹارٹ کر دی تھی۔ اس نے اس کے شانے پر ایک ہاتھ کا ایک مکا بنا کر مارا تھا۔

''انتہائی بری شے ہو تم.....!''

اور وہ جانے کیوں مسکرا دیا تھا۔

پھر جب وہ اسے گیٹ پر اتار رہا تھا تو یکدم ہی بولا تھا۔

''واپسی میں میرا انتظار کرنا میں لینے آؤں گا۔'' اور اس کے لہجے میں جانے اس وقت کیا تھا کہ وہ اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی تھی اور اب۔

اس نے طویل ترین انتظار سے گھبرا کر گیٹ کی طرف قدم بڑھائے تھے تبھی وہ وہائٹ گاڑی میں بیٹھا اسے نظر آ گیا تھا۔ اس نے اسے دیکھ کر شکر کا ایک گہرا سانس لیا تھا۔

اس نے گاڑی گیٹ کے سامنے روکی تو وہ فوراً ہی پر فائل رکھتے ہوئے گاڑی تک آ گئی۔ غصہ اس قدر شدید تھا کہ وہ کچھ بولی نہیں تھی مگر اس کے پھولے ہوئے چہرے کو دیکھ کر وہ تمام صورت حال جان گیا تھا۔ تبھی پہلی فرصت میں ہی اس نے کہا تھا۔

''آئی ایم سوری۔'' مگر اس نے اس کی طرف دیکھا نہیں تھا۔ چہرے کا رخ پھیرے باہر کی سمت دیکھتی رہی تھی۔ بھیگتے منظر کو دیکھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں بھی یکدم ہی پانی بھر کر چھلکنے لگا تھا۔

''او مائی گاڈ..... آئی ایم سوری یار..... کہہ تو رہا ہوں۔ مصروف تھا۔ مجھے یاد بھی تھا..... مگر.....'' اس نے وضاحت پیش کی۔

مگر اس طرف سے کوئی جواب نہیں تھا۔

''یار ایک باہر بارش ہے ایک اندر..... کچھ مجھ غریب پر رحم کرو۔ مجھے تو تیرنا بھی نہیں آتا.....'' اس نے چھیڑنے والے انداز میں کہا مگر وہ پھر بھی دوسری سمت دیکھتی رہی اور آنکھیں چھلکتی رہیں۔

''آئی ایم ایکسٹریملی سوری۔'' اس نے دھیرے سے اس کے ہاتھ کو چھوا۔

''بات مت کرو مجھ سے..... تمہیں پتا ہے کس قدر کوفت اٹھانا پڑی ہے مجھے۔ وہاں فقط میں تھی موسم اس قدر خراب تھا کہ کوئی بھی نہ تھا..... اور تم.....''

''سوری.....'' وہ قدرے مسکرا کر بولا۔ تو وہ یکدم چپ ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ پانیوں سے لبالب بھری آنکھیں..... اس قدر حسین تھیں کہ دنیا کے تمام حسین نظارے ان کے سامنے ہیچ سے تھے۔ دنیا کے تمام خزانے ان پر لٹائے جا سکتے تھے۔ تخت و تاج چھوڑے جا سکتے تھے..... جان تک ہاری جا سکتی تھی۔ روح تک واری جا سکتی تھی۔ وہ یکدم ہی چہرے کا رخ پھیر کر ونڈ اسکرین کی جانب دیکھنے لگا تھا۔ اندر جیسے ایک تلاطم سا برپا ہو گیا تھا۔ قلب و جان میں جیسے ایک ہلچل سی برپا ہو چکی تھی۔ مگر وہ انتہائی مضبوطی کے ساتھ اسٹیئرنگ سنبھالے ڈرائیو کرنے لگا تھا۔ بنا کچھ کہے' بنا کچھ بولے۔

ونڈ اسکرین پر وائپر تیزی سے چل رہے تھے اور وہ لبوں کو سختی سے بھینچے بھیگتے ہوئے تمام مناظر کو یکتا..... برستی طوفانی بارش میں راستہ بناتا ہوا کسی بہت ہی گہری سوچ میں گم لگ رہا تھا۔ وانیہ نے ایک نظر اس

کی سمت دیکھا تھا۔ اپنی غلطی کا یکدم ہی احساس ہوا تھا مگر جانے کیوں وہ کچھ بولی نہیں تھی۔ چہرے کا رخ پھیر کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی تھی۔

☆.....☆.....☆

ٹی وی لاؤنج میں حشر سا برپا تھا۔ باہر موسم اپنی تمام تر جولانیوں پر تھا۔ آج بھی بادل برس رہے تھے مگر بہت سبک' بہت مدھم' ہلکی ہلکی پھوار برس رہی تھی۔ کبھی تیز کبھی ہلکی۔ باہر جانے کا پروگرام بن رہا تھا۔ آدھے لوگ مخالفت کر رہے تھے اور آدھے جانے کی فیور میں تھے۔ تبھی طاہر نے غلمان کو مخاطب کیا۔

''تم بھی تو کچھ بولو ایسے بت بنے کیوں بیٹھے ہو؟'' احسن نے غلمان کو چھیڑا۔

ہے کچھ تو بات مومن کیوں چھا گئی خاموشی.....!
کس بت کو دے دیا دل' کیوں بت سے بن گئے ہو

غلمان کی نظریں یکدم ہی اس کی طرف اٹھ گئی تھیں جو ردا اور فارحہ کے ساتھ بیٹھی جانے کون سے راز و نیاز میں مصروف تھی۔

''او یار اس منہ پر بارہ کیوں بجے ہیں؟'' طاہر نے اس کے بازو پر ہاتھ مارتے ہوئے دریافت کیا تھا مگر وہ نفی میں سر ہلانے لگا۔

فیضی نے تبھی اس کی طرف انتہائی شرارت سے دیکھا۔

نہ ہووے اسے جگ میں ہرگز قرار
جسے عشق کی بے قراری لگے

اس کے لہجے میں ایسی آہ تھی کہ سبھی بے ساختہ ہنسنے لگے تھے۔ وانیہ بھی یکدم ہی متوجہ ہو گئی تھی

''کیا ہوا بھئی؟'' فارحہ نے یکدم پوچھا تھا۔

''خاتون! اگر آپ کو فیشن حاضرہ اور دیگر موضوعات سے فرصت مل گئی ہوتی تو آپ سنتی کہ یہاں کسی پر کیا قیامت بپا گئی ہے۔'' احسن نے انتہائی ڈرامائی انداز میں کہا تو سب بے ساختہ ہنسنے لگے اور جس پر مسلسل چوٹ کی جا رہی تھی وہ یکسر لاحق سا نظر آ رہا تھا۔

''ہوا کیا ہے.....؟'' ردا نے کریدا۔

''او یار لوگ بت بن گئے ہیں.....! نظر نہیں آتا تمہیں.....؟'' اس نے کھوئے کھوئے سے غلمان پر چوٹ کی تھی۔ تبھی وہ ان کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

خلقت شہر میں جس ہار کے چرچے ہیں بہت
میں وہ بازی کبھی کھیلا بھی نہیں تھا شاید

غلمان نے دھیرے سے کہا تھا اور سب واہ..... واہ کرنے لگے تھے۔

جب تنہائی میسر ہو تو پل بھر سوچنا.....!

لوگ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس سے ہٹ کر سوچنا
اس طرح گزریں گے کیسے زندگی کے روز و شب
تم سے ملنا کچھ نہ کہنا اور شب بھر سوچنا

طاہر نے اس کی طرف انتہائی شرارت سے دیکھتے ہوئے اشعار پڑھے۔ وہ یکسر لاتعلق بنتا ہوا دوسری سمت دیکھنے لگا۔

''یہ قصہ کیا ہے۔ ہماری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا.....؟'' ردا نے الجھتے ہوئے دریافت کیا۔

''لو سیدھی سی تو بات ہے تمہاری سمجھ میں کیوں نہیں آ رہی؟''

''یہ مشاعرہ ہو رہا ہے.....؟'' فارحہ نے بھولپن سے دریافت کیا۔

''واہ' یہاں کسی کی جان پر بنی ہوئی ہے اور تمہیں ہری ہری سوجھ رہی ہے.....'' احسن نے اسے ٹوکا۔

''لو..... کس کی جان پر بنی گئی؟'' ثناء کو تشویش ہوئی جو ابھی ابھی چائے اور دیگر لوازمات لے کر ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوئی تھی۔

''تمہیں نہیں پتا.....'' فیضی نے کہہ کر تجسس پھیلایا۔'' ارے اپنے غلمان علی خان صاحب کو عشق ہو گیا ہے.....!''

''کیا.....؟'' سب چیخے۔

وہ انتہائی اطمینان کے ساتھ چائے کے سپ لینے کے ساتھ پکوڑے بھی نوش فرما رہا تھا۔

''ہائے غلمان تم نے ہمیں تو نہیں بتایا.....! کون ہے وہ.....؟'' ردا نے یکدم ہی حیرت سے پوچھا تھا۔

قرب میسر ہو تو پوچھیں درد ہو تم یا دماں ہو.....!
دل میں تو آن بسے ہو لیکن مالک ہو یا مہماں ہو

اس کی جگہ فیضی نے بھرپور انداز میں جواب دیا تھا تمام لڑکیاں اسے گھورنے لگیں تھیں۔

''تم تو چپ رہو۔ ہاں غلمان تم بتاؤ کون ہے وہ؟''

''کتنی بے وقوف ہو تم لڑکیاں بھی۔ بھئی ظاہر ہے کوئی مہ وش پری وش ہی ہو گی۔ اپنے غلمان کا ٹیسٹ بہت اعلیٰ ہے۔ کیوں غلمان.....؟'' اس نے سموسہ اٹھا کر منہ میں رکھتے ہوئے کہا تو غلمان اسے فقط مسکراتے ہوئے دیکھ کر رہ گیا۔

کچھ ہی فاصلے پر بیٹھی وانیہ بنا کچھ کہے جو اس کی سمت تک رہی تھی یکدم ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اے وانیہ علی خان' مستقبل کی ناکام مجسمہ ساز۔ کہاں جا رہی ہو.....؟'' فیضی نے اسے جاتا دیکھ کر پکارا۔ وہ پلٹ کر دیکھنے لگی۔ بولی کچھ نہیں غلمان جو اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔ لمحہ بھر کو آنکھیں ملیں۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا پھر جیسے نگاہیں اجنبی ہو گئیں۔

''سنو وانیہ تم فقط مجسمے بنا سکتی ہو ان میں جان نہیں ڈال سکتیں؟'' طاہر نے اسے کلائی سے پکڑا اور کھینچ

کر بٹھا لیا۔

''جان سونپنا تو فقط خدا کے اختیار میں ہے۔'' اس نے دھیرے سے لب وا کیے۔

''غلمان تم بتاؤ نا۔ کون ہے وہ.....؟'' ردا کا تجسس جوں کا توں برقرار تھا۔

''یار کوئی نہیں ہے۔ اس گھونچو کی عادت ہے چھوڑنے کی۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''مگر تمہاری خاموشی میں بھی بہت سے بھید چھپے ہیں۔'' ثناء نے کہا تو وہ یکدم ہنسنے لگا۔

''یار تم جانتے ہو۔ زندگی میں سب کچھ کرنے کے لیے میرے پاس وقت ہے' نہیں ہے تو فقط عشق و محبت کے لیے ہی نہیں ہے۔ کچھ نہیں ہے یہ۔ آج کے دور میں تو کچھ بھی نہیں اور اگر ہے بھی تو اپنی جان کا عذاب اور مجھے اپنا آپ بہت پیارا ہے۔ خود کو کسی بھی آگ میں جلانا نہیں چاہتا.....! عشق محبت اور میں۔ کانوں کو ہاتھ لگتا ہوں۔'' اس نے باقاعدہ کانوں کو ہاتھ لگائے تو وہ مشکوک نظروں سے اسے دیکھنے لگے۔

''پھر تم کھوئے کھوئے سے کیوں ہو.....؟'' ردا نے پکڑا۔

''کھوئے رہنا عشق کی علامت ہے کیا؟'' غلمان جل کر بولا۔

''اچھا جانے دو' اور وہ آؤٹنگ کے پروگرام کا کیا ہوا۔ کسی کو یاد بھی ہے کہ نہیں؟'' تبھی ردا نے یاد دلایا۔

''اسے کل پر اٹھا رکھو۔ موسم اتنی جلد بدلنے والا نہیں۔'' غلمان نے ''کلائمکس'' پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

''تم لوگ انتہائی بور ہو.....!'' فارحہ نے حتمی طور پر رائے دی۔

''شکریہ مگر سوچ لو..... تمہیں ہمارے سنگ ہی گزارہ کرنا ہے۔'' فیضی نے طاہر کی طرف ایک آنکھ دبا کر دیکھتے ہوئے کہا تو وہ کانوں تک بلش ہو گئی۔ تبھی دو چار پکوڑے اکٹھے مٹھی میں بھر کر اسے کھینچ مارے۔

''شکریہ..... اتنی دور تک واقعی میرا ہاتھ نہیں پہنچ رہا تھا۔ آپ کتنی مہربان ہیں..... بھا.....!'' اس نے چھیڑا۔ سب ہنسنے لگے۔ فارحہ سے سر نہ اٹھایا گیا۔

''کیا بات ہے تم دونوں میں کوئی ناراضگی ہے؟'' طاہر نے وانیہ اور غلمان کو مخاطب کیا۔

اور دونوں یکدم نفی میں سر ہلانے لگے تھے۔

میری آنکھوں میں سمائی اک لڑکی وہی تو میرا دل لے گئی۔

وہی تو میرا دل لے گئی.....!

فیضی ٹی اسپون اور کپ کے ساتھ جلترنگ بجاتے ہوئے با آواز بلند گانے لگا۔ انداز غلمان کو چھیڑنے والا تھا۔

''او یار تیری سوئی وہیں کیوں اٹک گئی ہے؟'' غلمان نے مسکراتے ہوئے پوچھا تھا۔ مگر وہ اس سے زیادہ زور و شور سے گانے لگا تھا۔

وہی تو میرا دل لے گئی

وہی تو میرا دل لے گئی

وہ کانوں پر ہاتھ پر رکھتا ہوا نفی میں سر ہلانے لگا تھا۔ طاہر..... احسن وغیرہ بھی چھیڑنے لگے۔

''اب بتا ہی دے یار۔ سب اس قدر اصرار کر رہے ہیں۔''

''کوئی ہو تو بتاؤں۔ اب فرضی قصے تو گھڑنے سے رہا۔ چلو وعدہ رہا جب ایسی کوئی بات ہوئی باقاعدہ اعلان کرواؤں گا۔'' غلمان نے یقین دلاتے ہوئے کہا تھا۔

☆.....☆.....☆

وہ ٹیرس پر کھڑا دھوئیں کے مرغولے بنا رہا تھا۔ جب وہ بنا آہٹ کیے کافی کے کپ تھامے اس کے قریب آن کھڑی ہوئی تھی۔

''ناراض ہو.....؟'' کافی کا کپ تھماتے ہوئے وہ بولی تھی اور اس نے چونکے بغیر پلٹ کر کپ تھامتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

''جھوٹ مت بولو۔''

''تم جانتی ہو میں جھوٹ نہیں بولتا۔ اعتبار نہ کرو تو یہ الگ بات ہے۔'' وہ دھیمے انداز میں مسکراتے ہوئے بولا۔ وہ اس کی طرف دیکھتی ہوئی دھیرے سے مسکرا دی۔

''آئی ایم سور.....!'' وہ شرمندہ سے لہجے میں بولی۔

''ڈونٹ وری..... اٹس اوکے.....!''

''اچھا یہ بتاؤ تمہیں کیسے پتا چلا میں ہوں تم چونکے نہیں حالانکہ میں بالکل اچانک آ کر تمہارے قریب رکی تھی۔!'' وہ دوستانہ انداز میں مسکرا کر پوچھنے لگی تو وہ بغور اس کی طرف دیکھنے لگا۔ کچھ کہنا چاہا۔ پھر دھیرے سے مسکراتے ہوئے جیسے ارادہ ملتوی کر دیا اور سگریٹ سلگا لیا۔

''اتنی کثرت سے اسموکنگ کیوں کرنے لگے ہو۔ جانتے ہو کس قدر نکوٹین ہوتی ہے اس میں.....!'' اس نے غلمان کو مسلسل اسموکنگ کرتے دیکھ کر ٹوکا تھا اور وہ جانے کیوں کچھ کہے بغیر مسکرا دیا تھا۔ پھر کافی کا سپ لیتے ہوئے اس کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

''تمہیں دادی اماں بننے کے اتنا شوق کیوں ہے۔'' اس نے نصیحت کرنے پر کہا تھا۔

''دوست ہو تمہارے اچھے برے کی فکر تو کرنا پڑتی ہے نا.....!'' وہ سنجیدگی سے بولی تو وہ مسکرا دیا۔

''چلو شکر ہے تمہیں یاد تو رہا کہ ہم دوست بھی ہیں.....!''

''کیا مطلب..... میں نے اس بات کو فراموش کب کیا تھا؟''

''اعتبا بھی تو نہیں کرتی ہو.....!''

''ہاں وہ تو میں اب بھی نہیں کرتی ہوں!'' وہ ہنستی ہوئی بولی تو وہ بھی مسکرا دیا۔

''ایک بات پوچھوں.....؟''

''ہوں.....!'' غلمان نے جواباً کہا۔

''جو سب تمہیں چھیڑ رہے تھے شام میں۔ اس میں کتنی صداقت ہے؟''

غلمان نے اس کی طرف دیکھا پھر زیر لب مسکرا دیا تھا۔

''سو فی صد۔''

''ہیں..... کیا واقعی.....؟'' وہ بے حد چونک پڑی۔ ''پھر تم مکر کیوں رہے تھے۔ چھپے رستم ہو کم از کم مجھے تو بتا دیا ہوتا۔ بائے دی وے نام کیا ہے۔ کون ہے۔ کہاں رہتی ہے۔ ملوا کب رہے ہو؟'' اس نے ڈھیروں سوال ایک ساتھ کر دیئے۔ اس نے ایک گہرا کش لے کر سگریٹ ایک طرف مسلی۔ پھر مکمل توجہ سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں حد درجہ شرارت اور چمک رہی ہوئی تھی۔ وہ کچھ سمجھے بغیر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''بتا دوں.....؟'' اس نے اس کی آنکھوں کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں.....!'' اس کا تجسس ابھرا۔

''جاننا چاہتی ہو تم.....؟'' وہ اسی انداز سے بولا۔

''ہوں..... یقیناً..... اب بتا بھی دو نا.....!'' اس نے انتہائی بے صبری سے کہا۔ تبھی وہ انتہائی شرارت سے مسکرانے لگا۔ اس کی آنکھوں کی چمک مزید بڑھ گئی تھی اور اس نے شہادت کی انگلی اس کی طرف کر دی تھی۔

''تم..... صرف تم!''

''غلمان کے بچے.....'' وہ کپ ایک طرف رکھتے ہوئے یکدم ہی ہاتھوں کے مکے بنا کر اس کے سینے پر برسانے لگی تھی اور وہ ہنستا چلا گیا تھا۔

''اٹس ٹو مچ..... یور آر ریئلی اسٹوپڈ.....!'' اس نے تھک کر کہا تھا اور غلمان نے اس کے ہاتھوں کو مسکراتے ہوئے اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔

اب میرے طرز تخاطب سے پریشان کیوں ہو
میں نہ کہتا تھا مجھے چپ رہنے دو

وہ چھیڑنے سے پھر بھی باز نہ آیا تھا۔

''غلمان علی خان! تم قتل ہو جاؤ گے میرے ہاتھوں سے۔'' وہ بگڑتے ہوئے بولی تھی۔ ''ایک تو تم پہاڑ سے ہو۔ میرے تو ہاتھ بھی دکھنے لگے ہیں۔ اب اگر مزید تنگ کیا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔'' اس نے اس کے آہنی ہاتھوں سے اپنے نازک ہاتھ آزاد کراتے ہوئے کہا تو وہ ہنس دیا۔

''تم سے برا یوں بھی کوئی نہیں ہے دانیہ علی خان.....!'' پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ ''اور تم مجھے اتنا بے وقوف سمجھتی ہو کہ میں اپنی شامت کو خود آواز دوں۔''

''کیا.....؟'' وہ مصنوعی خفگی سے گھورنے لگی تو وہ ہنسنے لگا۔

''میں جانتا ہوں تمہیں رضا حسن کے سوا کوئی اور نظر نہیں آتا۔ بندہ خوش قسمت ہے۔'' وہ دور آسمان

پر دیکھتے ہوئے بولا تو وہ اسی گھڑی اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''اور تم.....؟''

''کبھی سوچا نہیں.....'' اس نے شانے اچکائے۔

''کیوں.....؟''

''فرصت ہی نہیں ملی کبھی.....!'' غلمان کا انداز کھویا کھویا سا تھا۔

''ان چیزوں کے لیے فرصت کی ضرورت تو نہیں ہوا کرتی!''

''پتا نہیں..... شاید ابھی وقت نہیں۔ یوں بھی میں ایسی چیزوں پر یقین نہیں رکھتا اور وہ شاعر نے بھی کہا ہے نا۔

کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا

''مگر اس کے بغیر زندگی بالکل ادھوری ہے۔ پتا جب تک میں رضا سے نہیں ملی تھی۔ تب تک میں بھی ایسا ہی سوچتی تھی مگر اس کی محبت نے مجھے ایک نئے زاویے سے سوچنے پر مجبور کیا اور تب مجھے واقعی یقین آنے لگا۔ محبت ہے۔ ہر جگہ..... ہر وقت یہ ضروری ہے۔ زندگی کے لیے اس کے بغیر وجود خالی ہے۔'' وہ ٹھہرے ٹھہرے سے لہجے میں گویا تھی۔ غلمان جو اس کی طرف دیکھ رہا تھا یکدم ہی نظریں ہٹا کر دوسری سمت دیکھنے لگا۔

''اے' کیا تمہیں محبت پر یقین نہیں؟'' اس نے شرارت سے مسکراتے ہوئے اس کا شانہ بجایا۔

''ہاں' میں ایسی باتوں پر یقین نہیں رکھتا۔'' وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے ہنس پڑا۔

''تم واقعی بے وقوف ہو۔'' وانیہ نے جیسے افسوس کیا پھر بولی۔ ''بائے دی وے تم یہ خلاؤں میں کیا ڈھونڈ رہے ہو.....؟''

''اپنے نصیب کا ستارہ۔'' وہ دھیمے دھیمے اور کھوئے ہوئے انداز میں بولا۔

ستارا ڈھونڈنا ہے
ستاروں سے بھرے اس آسماں کی وسعتوں میں
مجھے اپنا ستارا ڈھونڈنا ہے
فلک پر کہکشاں در کہکشاں اک بے کرانی ہے
نہ اس کا نام ہے معلوم' ناں کوئی نشانی ہے
بس اتنا یاد ہے مجھ کو
ازل کی صبح جب سارے ستارے
''الوداعی گفتگو کرتے ہوئے رستوں پہ نکلے تھے
تو اس کی آنکھوں میں اک اور تارا جھلملایا تھا
اسی تارے کی صورت کا

میری بھیگی ہوئی آنکھوں میں بھی اک خواب رہتا ہے
میں اپنے آنسوؤں میں اپنے خوابوں کو سجاتا ہوں
اور اس کی راہ تکتا ہوں
سنا ہے گمشدہ چیزیں
جہاں پہ کھوئی جاتی ہیں
وہیں سے مل بھی جاتی ہیں
مجھے اپنا ستارا ڈھونڈنا ہے

اس کی نظریں وسیع ستاروں سے بھرے آسمان میں جیسے الجھ سی گئی تھیں۔ وانیہ نے اسے دیکھا تھا پھر مسکراتے ہوئے اس کا شانہ بجایا تھا۔

''مسٹر غلمان علی خان..... اختر شماری کا شوق پھر کسی وقت کے لیے اٹھا رکھیے فی الحال نیچے چلنے کی سوچیے۔ رات کافی بیت بھی چلی ہے اور بھیگ بھی۔'' وہ بولی تو اس نے اس کے ہمراہ زینے کی جانب پیش قدمی کر دی تھی۔

☆.....☆.....☆

وہ تمام کزنز بیٹھی جانے کس جہاں کے راز و نیاز کر رہی تھیں کہ فیضی نے آکر سارا تسلسل توڑ ڈالا۔

''ہیلو گرلز..... میرے پاس ایک بہت فنٹاسٹک نیوز ہے۔''

''کیوں تمہارا پرائز بانڈ نکل آیا ہے؟'' ردا نے سے گھورتے ہوئے کہا۔

''جی نہیں.....! اس سے بڑھ کر۔''

''کیا تمہارا فیورٹ جون بون جووی۔ کانسرٹ کرنے کراچی آ رہا ہے؟'' فارحہ نے فیضی کی دکھتی رگ کو پکڑا۔

''کاش.....! مگر ایسی کوئی بھی نہیں ہے۔''

''پھر کیا ہے اب بتا بھی چکو نا۔'' ثناء کو اس کے تجسس پھیلانے پر الجھن سی ہوئی۔

''گیس کرو نا.....!'' اس نے چھیڑا۔

''جنون کا کوئی کانسرٹ.....؟'' ردا نے مکمل اشتیاق سے دریافت کیا تھا۔

''اوبس..... یو آر رونگ لیڈی۔ ٹوٹلی رونگ۔''

''تو پھر بتا دوں نا.....!'' اب کے وانیہ نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا تھا۔

''تم لڑکیوں میں سے کسی ایک کے خلاف انتہائی شدید قسم کی منصوبہ بندی ہو ہی ہے۔ انتہائی باخبر ذرائع کی رپورٹ ہے یہ۔'' فیضی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب.....؟'' ردا نے بھولپن سے پوچھا تھا۔

''او بے وقوف لڑکی تم چپ رہو۔'' فارحہ نے اسے ٹوکا۔ پھر فیضی کی طرف دیکھنے لگی۔ ''ہاں تم بتاؤ۔ تمہیں کیسے پتا چلا.....؟'' ''کچھ شرم کرلو..... یہ منصوبہ بندی تمہارے لئے بھی ہوسکتی ہے۔ کیا زمانہ آ گیا ہے۔ دیدوں کا تو پانی ہی مر گیا ہے۔'' اس نے خاص تائی جان کے اسٹائل سے کہا تو ردا' ثناء اور وانیہ ہنسنے لگیں تھیں جبکہ فارحہ خجل سی ہو کر رہ گئی تھی۔

فیضی ان کو اطلاع دے کر دوسری ہی جست میں کمرے سے باہر تھا اور وہ سب حیرت سے ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگیں تھیں۔

''مجھے صد فی صد یقین ہے کہ فارحہ کے متعلق ہی بات ہو رہی ہوگی۔'' ثناء نے سوچتے ہوئے کہا تھا۔

''اور مجھے یقین ہے بات وانیہ سے متعلق ہوگی۔''

''جی ہرگز نہیں ابھی مجھے ''SCULPTURE'' کی سند حاصل کرنی ہے۔'' وانیہ نے فوراً ہی اپنا دفاع کیا تھا۔ تبھی سب کی نظریں ثناء پر ٹک گئیں تھیں۔

''خبردار جو تم لوگ بولیں۔ میرا ارادہ قطعی قربانی کا بکرا بننے کا نہیں ہے۔'' اس کا انداز اس قدر خوف زدہ تھا کہ وہ یکدم ہی ہنسنے لگیں تھیں۔

اور پھر وہ لوگ شام بلکہ رات گئے تک یہ جاننے کی ٹوہ میں رہیں تھیں کہ بزرگوں نے کس کے متعلق کیا فیصلہ کیا ہے مگر باوجود کوشش کے وہ کچھ بھی نہ جان پائیں تھیں۔ پھر فیضی کو کوستی ہوئی سبھی سونے کے لیے کمروں میں چلی گئیں تھیں۔

وہ کاغذ پھیلائے اپنا انتہائی ضروری کام سرانجام دے رہا تھا جب وہ عین اس کے سر پر پہنچ گئی۔

''تمہیں کچھ خبر ہے گھر میں کیا ہو رہا ہے؟''

''کیا ہو رہا ہے.....!'' اس نے جواب دینے کی بجائے' الٹا سوال داغ دیا۔ البتہ وہ متواتر پرچوں پر جھکا رہا تھا۔

''یونو ایم ویری Scared رائٹ ناؤ۔''

''وائے.....؟'' اس نے قلم چلانے کا سلسلہ جاری رکھا۔ پھر بولا۔ ''ڈیٹ تو فارحہ اور طاہر کی شادی کی فکس ہوئی ہے۔''

''تمہیں یقین ہے۔'' اس نے یقین کرنے کو پوچھا۔

''بے وقوف! میں وہاں موجود تھا۔''

''تھینک گاڈ.....!'' وانیہ نے شکر کا ایک گہرا سانس خارج کیا۔ غلمان نے اسے فقط دیکھا۔ کہا کچھ نہیں۔

''ایسے کیوں دیکھ رہے ہو.....؟''

''دیکھ رہا ہوں رضا کی آنکھیں کس قدر خوبصورت ہیں۔'' اس کی بات پر وہ یکدم ہی ہنس پڑی۔

''میرے چہرے پر رضا کی آنکھیں کہاں سے آگئیں.....؟''

وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔

''محبت کرتی ہو اور اس کے اسرار و رموز سے بھی واقف نہیں ہو۔'' اس کے چہرے کی مسکراہٹ یکدم معدوم ہوگئی۔

''تم جانتے ہو محبت کے متعلق؟''

''تم جانتی ہو میں محبت پر یقین نہیں رکھتا۔'' وہ ہمیشہ کی طرح مسکرا رہا تھا۔

''مجھے اس پر یقین نہیں۔'' اور وہ یکدم ہی اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگی تھی پھر جانے کیوں دوسرے ہی پل نظریں چرا گئی تھی۔ ''دنیا میں ہر شخص محبت کے حصار کو مانتا ہے۔ اس کے وجود کو مانتا ہے۔ پھر تم کیسے انکاری ہو۔ تم ضرور مجھے بے وقوف بنا رہے ہو۔ جانتے ہو جو لوگ محبت سے انکاری کرتے ہیں اصل میں وہی محبت کے سب سے بڑے پیروکار ہوتے ہیں۔ وہ محبت کے بھید کو پا چکے ہوتے ہیں مگر خود کو جھٹلانے کے لیے اپنے اندر کے تمام احساسات کو نظر انداز کرتے ہوئے مسلسل ضدی انداز اختیار کیے رکھتے ہیں۔ تم یا تو محبت کر چکے ہو..... یا.....''

''یا.....؟؟'' وہ دلچسپی سے اس کے چہرے کو تکنے لگا۔

''تم مجھے بے وقوف کیوں بناتے ہو.....؟'' وہ کچھ دیر اسے یونہی چپ چاپ دیکھنے کے بعد الجھ کر بولی تو وہ یکدم مسکرا دیا تھا۔

''تم جانتی ہو میں ایک انتہائی اہم کرنٹ افیئر پر آرٹیکل لکھ رہا تھا جس کا عنوان یقیناً ''محبت'' نہیں تھا۔'' وہ کچھ دیر کھڑی اسے دیکھتی رہی پھر بولی۔

''جانتے ہو میں عنقریب تمہارا مجسمہ بنانے والی ہوں۔ یونو یو آر لائک اے اسٹون۔ مجھے تو اس مستقبل قریب کی شخصیت پر ترس آ رہا ہے جو تمہاری زندگی میں شامل ہوگی۔ چچ چچ..... بے چاری.....'' وانیہ نے باعدہ افسوس کیا۔

وہ منہ پھیر کر مسکرانے لگا۔ وانیہ نے دیکھا وہ سینے پر ہاتھ باندھے جیسے اس کی بے وقوفی پر محظوظ ہو رہا تھا۔

پتھروں کے ضم پگھلا نہیں کرتے
پتھروں سے باتیں کیا نہیں کرتے

غلمان علی خان نے یکدم ہی ہنستے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''تم پاگل ہو.....!'' اس نے جیسے افسوس کیا۔ غلمان کھلکھلا کر ہنسنے لگا۔

''کہتا ہوں تو تم مانتی نہیں ہو۔ انکاری ہوتا ہوں تو یقین نہیں آتا تمہیں سمجھانا واقعی بہت مشکل ہے۔''

اس نے بھرپور شرارت سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''کیا.....؟'' وہ یکدم چونک کر دیکھنے لگی تھی۔

''مجھے تم سے پیار ہے۔''

اور جواب میں وہ تقریباً کھا جانیوالے انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''یہ سچ ہے۔'' وہ مسکرا رہا تھا۔

''غلمان علی خان!!'' اس کے ضبط کی آخری حد تھی جیسے یہ۔ مگر وہ بولتا جا رہا تھا۔

''اور تمہیں پتا ہے میرا دل کیا چاہتا ہے۔ تمہیں زمانے سے چرا کر کہیں دور لے جاؤں کسی اور دیس' کسی اور نگر۔ جہاں کوئی نہ ہو۔ ویران جزیرہ جہاں صرف محبت آباد ہو اور جہاں تمہارا وہ بھالو نما ہونے والا شوہر عرف شوفر بھی نہ آسکے۔ بولو چلوگی میرے ساتھ اس جزیرے پر؟'' آنکھوں میں انتہائی شرارت سمیٹے وہ اس کی طرف جھک کر بولا تو وہ انتہائی غصے کے ساتھ اسے دیکھنے لگی۔

''تم ضرور کسی روز میرے ہی ہاتھوں مرو گے غلمان علی خان.....!''

''کسی روز کیوں..... آج کیوں نہیں؟'' وہ مزید شریر ہوا۔ اور اس نے یکدم ہی ہاتھ بڑھا کر پیپر ویٹ اٹھا لیا۔

''غلمان کے بچے۔ مار ڈالوں گی۔''

مگر وہ ہنستا چلا گیا تھا اور وہ جلتی بھنتی' پیر پٹختی ہوئی کمرے سے نکل گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

خوشبو ایک آوارہ جھونکا' اس جھونکے کو گھیرے کون!
کیسے دنیا کو بتلاؤں' تم ہوتے ہو میرے کون!!

وہ جانتا تھا..... وہ ناراض تھی۔

اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اسے وہ کس طرح منا سکتا تھا۔ تبھی جب وہ اسکول آف آرٹ کے گیٹ سے باہر نکلی تو وہ وہاں پر گاڑی لیے پہلے سے موجود تھا۔

''آؤ بیٹھو.....!''

''میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی۔'' وہ یکسر لاتعلقی سے گویا تھی۔

''مگر میں تو تمہیں ساتھ لے کر ہی جاؤں گا۔'' وہ اپنائیت اور دوستانہ انداز میں مسکراتا ہوا بولا مگر وہ جیسے نظر انداز کر گئی..... اور ٹیکسی یا رکشے وغیرہ کے لیے نظریں ادھر ادھر دوڑانے لگی۔

''اے دانیہ..... دانیہ..... پلیز گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔ لوگ دیکھ رہے ہیں کیوں مجھ شریف سے شخص کو پٹوانا چاہتی ہو۔'' وہ قدرے مسکراتے ہوئے بولا تھا مگر وہ جیسے دیکھ ہی نہ رہی تھی۔

''میں تم سے بات نہیں کرنا چاہتی۔''

''تو مت کرنا..... مگر گاڑی میں تو بیٹھ جاؤ۔''

''میں تمہارے ساتھ کہیں نہیں جاؤں گی۔''

''وانیہ..... دیکھو لوگ متوجہ ہو رہے ہیں۔ کم از کم اتنا اعتبار تو کر لو کہ میں تمہیں لے کر کہیں فرار ہرگز نہیں ہوں گا۔'' یکدم ہی اس کا انداز بدلا تھا۔ وانیہ نے اسے ایک نظر دیکھا تھا۔ پھر فرنٹ ڈور کھول کر احسان کرنے والے انداز میں سیٹ پر براجمان ہو گئی تھی۔ وہ دوسری طرف سے گھوم کر آ کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تھا اور انتہا رش انداز میں ڈرائیو کرنے لگا تھا۔

''اب آہستہ تو چلاؤ' مجھے مارنا چاہتے ہو کیا؟''

مگر اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

''یہی سزا دینے کے لیے مجھے ساتھ لائے تھے؟''

''چپ بیٹھی رہو۔ تم تنہا نہیں مرو گی میں بھی ساتھ مروں گا۔''

''یا اللہ' انتہائی برے شخص ہو تم۔'' وہ کوسنا چاہتی تھی مگر پھر جیسے ارادہ ملتوی کرتے ہوئے اسے دیکھا۔ راستے یکسر تبدیل ہو رہے تھے۔

''اب کہاں جا رہے ہو؟''

''بے فکر ہو کر بیٹھی رہو' اغوا کرنے کا فی الحال میرا کوئی ارادہ نہیں ہے۔''

''فی الحال۔'' یعنی مستقبل قریب میں کوئی ایسا ارادہ رکھتا تھا۔ اس نے یقین کرنے کو اس کی طرف دیکھا تھا۔

''ہر بات کا یوں ہی الٹا جواب دینے کی تم نے قسم کھا رکھی ہے؟'' اس نے سلگ کر دریافت کیا تھا مگر اس نے جواب دیئے بغیر ہاتھ بڑھا کر کیسٹ پلیئر آن کر دیا تھا۔

وانیہ نے ہونٹ بھینچ کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ وہ قطعی متوجہ نہ تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر پلیئر سے کیسٹ نکال دیا تھا۔

''تمہاری چوائس بھی تمہاری طرح بری ہے۔ وہ جیسے اپنی پسند کی کوئی کیسٹ تلاش کرنے لگی تھی۔

کہہ دو جو بھی من میں آئے
ایسا نہ ہو خاموشی میں
سننے والا ہی کھو جائے
کہہ دو جو بھی من میں آئے

جنید جمشید کی روح تک میں سرایت کر جانے والی آواز ماحول میں پھیل کر جیسے ایک فسوں طاری کرنے لگی تھی۔ غلمان خان نے بلا ارادہ ہی اس کی طرف نظر کی تھی۔ سفید کلر کے کاٹن کے سادہ سے سوٹ میں وہ لاتعلق بنی ایک طرف دیکھتی بہت دلکش لگی رہی تھی۔

من جنگل میں آگ لگے تو
من ہی نہیں تن بھی جل جائے
کتنے زمانے بیٹھے رہو
پھر ساون کی آس لگائے
ساون کا کیا آئے نہ آئے
آئے نہ آئے .....!
کہہ دو جو بھی من میں آئے
ایسا نہ ہو ہم جائیں تو.....!
تن سلگے اور من تڑپائے
کہہ دو جو بھی من میں آئے

غلمان علی خان نے ایک بار پھر دیکھا تو وہ یکسر لاتعلق بنی' کھوئی کھوئی سی کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ غلمان کی نظروں کی تپش تھی یہ شاید کہ وہ یکدم سی چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ پھر یکدم ہی نظر چرا گئی تھی اور چہرے کا رخ دوسری سمت پھیر لیا تھا۔

من کی باتیں کہہ دینے سے
چین آئے گا نیند آئے گی
روٹھے ہوئے ان جائیں گے
سپنے لیے رات آئے گی

رات آئے گی

کہہ دو جو بھی من میں آئے

ایسا نہ ہو

خاموشی میں سننے والا ہی کھو جائے
کہہ دو جو بھی من میں آئے

جنید کی آواز میں جیسے ایک اصرار تھا جو اظہار چاہتا تھا۔ اظہار پر جیسے مائل کر رہا تھا۔ مجبور کر رہا تھا۔ ایک فسوں جو جذبات میں ہلچل سی برپا کر رہا تھا خاموشیوں کو توڑنے اور کچھ بولنے پر اکسا رہا تھا۔

جانے کیا ہوا تھا غلمان علی خان نے ہاتھ بڑھا کر کیسٹ پلیئر یکدم ہی آف کر دیا تھا۔ دانیہ نے اسے فقط دیکھا تھا۔ کہا کچھ نہیں تھا۔ اس نے بنا کچھ کہے گاڑی ساحل سمندر پر جا روکی تھی اور گاڑی کا دروازہ کھول کر گاڑی سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا تھا اور سامنے اٹھاہ گہرائیاں لیے شوریدہ سمندر پر نگاہیں جمائے جانے کیا تلاشنے کی کوشش کرنے لگا تھا۔ دانیہ نے اسے انتہائی الجھے ہوئے انداز میں کھڑے دیکھا تھا پھر وہ دروازہ کھول کر باہر

نکل آئی تھی۔ کچھ دیر اس کے قریب کھڑی وہ اسے یونہی دیکھتی رہی تھی پھر بولی تھی۔

''عجیب شخص ہو تم۔ ناراض مجھے تم سے ہونا چاہیے تھا بلکہ میں تم سے ناراض بھی تھی اور تم یہ جانتے ہوئے بھی بجائے مجھے منانے کے الٹا منہ پھلا کر کھڑے ہو گئے ہو۔''

غلمان نے گردن کا رخ پھیر کر دیکھا تھا۔ اس کے چہرے پر دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔

''اب ایسے دیکھ کیا رہے ہو' مجھے مناؤ۔'' اس نے پوری دھونس سے کہا تو وہ اس کی طرف دیکھے گیا۔

''پکے کمینے ہو اب پتا ہے نا اگر منا لیا تو جیب ڈھیلی کرنا پڑے گی۔'' اس نے مکا بنا کر اس کے شانے پر مارا۔

''تم مجھے کیوں پریشان کرتی ہو۔'' اس کا جملہ بہت سے معنی لیے ہوئے تھا۔ بہت سی کہانیاں ایک ساتھ لبوں سے ادا ہوئی تھیں مگر جانے کیوں وہ تمام کہانیاں' تمام پہیلیوں جیسی تھیں جنہیں جاننا اور بوجھنا جیسے بہت دشوار تھا' مقابل کے لیے۔ تبھی شاید وہ بھی بنا چونکے بنا دھیان دیئے' بنا کھوج لگائے۔ بنا گہرائی میں پہنچے یکدم ہی کھل کھلا کر ہنسنے لگی تھی اور وہ اسے فقط دیکھ کر رہ گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

گھر میں فارحہ اور طاہر کی شادی کے ہنگامے جاگ اٹھے تھے۔ تمام لڑکیوں کو ہمیشہ کی طرح اپنے کپڑوں کی فکر تھی اور وہ ان تمام باتوں سے بے نیاز فون پر رضا حسن سے باتوں میں مصروف تھی۔ اس نے کلرتے ہوئے یونہی اس کی طرف دیکھا تھا۔ تبھی اس کی نگاہ بھی اس پر پڑ گئی تھی۔

''تمہیں یاد تو تب کروں جب بھولوں۔ لو یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے؟'' دوسری جانب سے جانے کیا دریافت کیا گیا تھا کہ وہ یکدم ہی کھل کھلا کر ہنسنے لگی تھی۔

''تم نیویارک سے کب واپس آ رہے ہو۔ ہاں آنٹی کا فون آیا تھا۔ وہ کہہ رہی تھیں اسلام آباد سٹی تمہارے بغیر سونی ہے۔'' وہ مسکراتی ہوئی بولی تھی۔

''کیا کراچی؟ اب تم مجھ سے کیا سننا چاہتے ہو!'' وہ ریسیور کے تار سے کھیلتی ہوئی یونہی مسکرا دی۔

دوسری جانب سے پھر کچھ کہا گیا تھا۔ تبھی وہ یکدم کھل کھلا کر ہنسنے لگی تھی۔ اردگرد جیسے جلترنگ سے بج اٹھے تھے۔ غلمان یکدم ہی چونک کر دیکھنے لگا تھا۔

''فقط تم آ جاؤ' میرے لیے یہی بہت ہے۔'' وہ بولی تھی تبھی اس کی نگاہ غلمان سے ٹکرائی تھی۔ وہ مسکرا دی تھی۔

مگر غلمان جانے کیوں مسکراہٹ کا جواب مسکراہٹ سے نہ دے سکا تھا اور دوسرے ہی پل پلٹ کر طاہر سے بات کرنے لگا تھا۔ اس کی بے توجہی پر وانیہ نے اسے دیکھا تھا پھر رضا حسن کو خدا حافظ کہہ کر اسی طرف چلی آئی تھی۔

''ہیلو خیریت' تمہارے کیا گائے چوری ہو گئی ہے؟'' انتہائی شوخ انداز میں اس نے چھیڑا تھا مگر وہ

فقط دیکھ کر رہ گیا وہ مزید کچھ کہنا چاہتی تھی۔ مگر تبھی تائی جان (غلمان کی امی) نے اسے آواز دے کر بلا لیا تھا اور وہ مجبوراً ان کی طرف بڑھ گئی تھی۔

''کیا بات ہے' منہ پر بارہ تو تمہارے یوں بج رہے ہیں جیسے یہ شادی میری بجائے تمہارے ہو رہی ہو۔'' طاہر نے اسے چھیڑا تو وہ پھر بھی نہ مسکرایا تھا۔

''خیریت..... وانیہ سے بھی تم نے ڈھنگ سے بات نہ کی اور اب کے بدستور تمہارے تیور قائم و دائم ہیں۔ قصہ کیا ہے۔ اینی پرابلم؟'' طاہر نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر دوستانہ انداز میں دریافت کیا تو وہ نفی میں سر ہلانے لگا تبھی طاہر کہنے لگا۔

''تم جانتے ہو تمہاری شوخیاں دن بہ دن معدم ہو رہی ہیں۔''

''کوئی خود بھی معدوم ہو رہا ہے۔'' وہ بہت دھیمے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

''تمہیں کیا خبر' تمہیں کیا پتا۔''

ہمیشہ فریش اور ہشاش بشاش نظر آنے والے غلمان علی خان کی گہری نظروں میں دور دور تک ویرانیاں ہی ویرانیاں تھیں۔

پیاس ہی پیاس۔

جیسے تھل ہو کوئی۔

طاہر نے اس کا شانہ تسلی دینے کو ہولے سے تھپتھپایا تھا اور وہ دھیرے سے مسکرا دیا تھا مگر بے حد کمزوری سی مسکراہٹ تھی وہ۔

موسم نے اچانک ہی رخ بدلا تھا اور وہ بستر پر آ گیا تھا۔ کئی دن تک وہ آفس بھی نہ جا سکا تھا۔ ایڈیٹر کا فون آیا تو اس نے مطلع کر دیا تھا کہ وہ کچھ روز مزید نہیں آ سکے گا' بھائی' بھابی بہنی' ممی' ڈیڈی سبھی اس کے سرہانے لگے بیٹھے تھے۔ سارے کزنز بھی باری باری پوچھ کے جا چکے تھے (نہیں آئی تو فقط وہی نہیں آئی)

بیٹھی پتھروں کو تراش رہی ہوگی۔

مجھے پتھر کہتی ہے۔

اور خود۔

وہ اس حالت میں بھی اسے سوچنے سے باز نہیں رہا تھا۔

شام میں طاہر آیا تو اس نے پوچھ ہی لیا۔

''طاہر وہ کہاں ہے؟''

''کون؟'' طاہر جیسے جان کر انجان بن رہا تھا مگر اس میں جیسے دوبارہ دہرانے کی ہمت نہ تھی۔

''وانیہ.....!'' وہ نا چاہتے ہوئے بھی بول گیا تھا۔ طاہر دھیرے سے مسکرا دیا تھا۔

''ہاں یہیں گھر میں ہے' اب بھی شاید کمرے میں کسی پتھر کو تراشنے میں مصروف ہو۔'' طاہر نے قیاس

کیا تھا وہ انتہائی مایوسی کے ساتھ چہرے کا رخ پھیر کر دوسری سمت دیکھنے لگا تھا۔

کمرے میں میں ایک گہری چپ اتر آئی تھی۔ پھر طاہر نے ہی اس سکوت کو توڑنا چاہا۔

''حیرت ہے اس لڑکی کو غلمان علی خان کو تراشنے کا خیال کیوں نہیں آیا۔ بلا کی مجسمہ ساز۔ اس کے فن پارے کمال عروج پر پہنچے نظر آتے ہیں مگر پتا نہیں کیوں؟''

''طاہر میں کسی مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔'' اس نے نقاہت سے کہا تھا۔

''ہاں میں جانتا ہوں تم مذاق سے توبہ کر چکے ہو۔'' طاہر ماحول کو نارمل کرنے کے لیے ہنسا تھا مگر غلمان علی خان مسکرا بھی نہ سکا تھا۔ تبھی طاہر بولا تھا۔

''اب اگر وہ نہیں آئے گی تو تم دوسروں کو یونہی پریشان کیسے رکھو گے؟''

''مجھے اس کا انتظار نہیں ہے۔ بھاڑ میں جائے میرے بلا سے۔'' اس نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا تھا۔

''غلمان علی خان! کم از کم خود سے تو سچ بولنا شروع کر دو۔'' طاہر نے اسے ایک ہی جملے میں سب سے کچھ باور کرا دیا تھا۔ مگر وہ بجائے اس کی طرف دیکھنے کے اور کچھ کہنے کے' چہرہ دوسری سمت کیے جانے کیا سوچتا رہا تھا۔

''تم موم ہو میرے یار اور وہ سنگ تراش' وہ تو سرے سے موم سازی کے فن سے ہی واقف نہیں۔ تمہیں تو کسی مادام تساؤ کی ضرورت ہے۔'' اسے اس حال میں دیکھنے کے بعد بھی طاہر مذاق سے باز نہ آیا تھا۔ غلمان نے اس کی طرف دیکھا تھا پھر کشن کھینچ مارا تھا اور وہ ہنسنے لگا تھا۔

''دوست تم جیسے بھی ہوتے ہیں جو زخموں پر نمک پاشی کرتے ہیں۔'' غلمان کے چہرے پر وہ مسکراہٹ لانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

''میں تو حقیقت بیان کر رہا تھا ویسے تمہیں واقعی کسی عجائب گھر کی زینت ہونا چاہیے تھا۔ اکیسویں صدی میں داخل ہوتے وقت بھی تمہاری سوچ پندرہویں صدی والی ہے۔ دل کی دل میں رکھنے سے فائدہ۔ آج کل کا دور الہامات کا نہیں۔ منہ سے کہنا پڑتا ہے سب کچھ دل میں کیا ہے کوئی نہیں جانتا۔'' طاہر نے سمجھایا مگر اس نے جیسے اکتا کر آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔

''مجھے نیند آ رہی ہے۔''

''ہاں وہ تو اب تجھے آئے گی ہی۔ نصیحتوں کے جواب میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ خیر' وہ سنگ دل' سنگ تراش یوں تو آئے گی نہیں۔ دعا کرتا ہوں تیرے خوابوں میں ضرور ملنے آ جائے۔'' طاہر جل کر کہتے ہوئے کمرے سے نکل گیا تھا اور وہ تپتے وجود سمیت جلتی تپتی آنکھوں سمیت جانے کیوں اسے ہی سوچے گیا تھا۔

وہ آنکھوں پر بازو دھرے یونہی لیٹا ہوا تھا۔ جب وہ ہولے سے دروازہ کھول کر بنا آہٹ کیے اندر داخل ہوئی تھی۔ دونوں ہاتھ پشت پر تھے اور ان میں تازہ و نیلا کے پھول تھمے ہوئے تھے۔ وہ اس کی خوشبو سے

اس کی آمد کا اندازہ لگا چکا تھا۔ اس گھڑی بنا چونکے اور متوجہ ہوئے یونہی آنکھیں میچے پڑا رہا تھا۔

اس کے بیڈ کے قریب رک کر اس نے چند ثانیوں تک یونہی اسے تکا تھا۔ پھر آہستہ مدھم قدموں سے چلتی ہوئی اس کے سرہانے کے قریب آن رکی تھی۔ ہاتھوں میں تھمے گلدستے کو چند لمحوں تک خاموشی سے دیکھ تھا پھر دھیرے سے اس کے سرہانے رکھ دیا تھا پھر اسی مدھم انداز میں جان کے لیے قدم اٹھائے تھے مگر اسی لمحے قدم اس کی بھاری آواز پر جیسے جم سے گئے تھے۔

''آئی ہو اور ملے بغیر جا رہی ہو۔'' اس نے خجل سے انداز میں پلٹ کر یوں دیکھا تھا جیسے کوئی چوری پکڑے جانے پر شرمندہ ہوتا ہے۔

''میں..... میں سمجھی تم سو رہے ہو۔'' وہ شاید خجالت مٹانے کو ہی مسکرائی تھی۔ ''تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں ہوں؟'' اور وہ کوئی جواب دیئے بغیر اسے دیکھتا رہا تھا وہ سر جھکائے اپنی بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں موجود رنگ کو گھمانے لگی تھی پھر جیسے یاد آنے پر بولی تھی۔

''کیسے ہو تم؟''

''کیسا نظر آ رہا ہوں؟'' تب اس نے دھیرے سے مسکرا کر الٹا سوال داغ دیا تھا۔ تبھی وہ دوبارہ نظریں جھکا گئی تھی۔

''آئی ایم سوری، میں کچھ مصروف تھی۔'' اور وہ جواب میں کچھ نہیں بولا تھا۔ بس دیکھ کر دھیرے سے مسکرایا تھا اور دوسری سمت دیکھنے لگا تھا۔ تبھی وہ چلتی ہوئی اس کے قریب آن رکی اور دھیرے سے اس کی پیشانی پر ہاتھ دھر دیا تھا۔

''ٹمپریچر تو اب بھی ہے۔ دوا نہیں لے رہے ہو؟'' اس نے ماہر ڈاکٹروں کی طرح دریافت کیا تو جانے کیوں مسکرا دیا۔

اس نے جلتی ہوئی پیشانی پہ جب ہاتھ رکھا
روح تک آ گئی تاثیر مسیحائی کی

''تم آ گئی ہو۔ اب ٹھیک ہو جاؤں گا۔'' وہ اس حالت میں بھی شرارت سے باز نہ آیا تھا۔ وانیہ پہلے تو مصنوعی خفگی سے گھورا تھا پھر مسکرا دی تھی۔

''تم نہیں سدھر سکتے۔''

''تم مل جاؤ تو شاید سدھرنے کی کوئی صورت نکل ہی آئے۔'' وہ یونہی مسکرایا تھا۔ وہ تنبیہہ زدہ نظروں سے دیکھتی ہوئی پلٹ کر سائیڈ ٹیبل پر دھری دوائیوں کی شیشیوں کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''کم از کم بیماری میں تو تمیز برتو۔'' پھر مسکراتے ہوئے بولی۔ ''جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ طاہر کی شادی میں تمہیں بھنگڑا کرنا ہے۔''

''تم تو یوں ہی خوش ہو رہی ہو جیسے بات تمہاری شادی کی ہو۔'' اس نے مسکراتے ہوئے شوخی سے کہا

''کیوں' تم میری شادی میں بھنگڑا نہیں کرو گے؟''

''ہاں' مگر تمہارا گلا دبانے کے بعد۔'' وہ جیسے سلگ کر بولا تھا۔ مگر وہ ہنسنے لگی تھی تبھی وہ اس کو بغور دیکھنے لگا تھا۔

''جانے کیوں مجھے ان محترم منگیتر سے نفرت سی ہو چکی ہے۔''

''کیوں اس بے چارے نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟'' وہ مسکراتی ہوئی ایک دم پلٹ کر اسے دیکھنے لگی۔

''لو میرا عظیم ترین نقصان کر رہا ہے تو جواب میں مجھے اس سے نفرت کرنے کا بھی حق حاصل نہیں۔'' وہ نحیف آواز میں بولا تھا۔

''چچ..... چچ..... حسد بری چیز ہے اور تمہاری صحت پہلے ہی اچھی نہیں۔'' وہ اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگاتے ہوئے ہنسی تھی۔

''پتا ہے میرا دل کیا چاہتا ہے؟''

''خدارا چپ رہو' میں جانتی ہوں تمہارا یہ دل پھر کوئی سازش ہی تیار کر رہا ہوگا کوئی نئی۔''

''سن تو لو۔'' وہ ضدی بچوں کی طرح معصومیت سے بولا تھا۔

''نہیں۔'' اس نے سختی سے ڈنا تھا۔

''بہت ظالم ہو تم۔'' وہ بولا تھا اور وہ ہنستی چلی گئی تھی۔

دو چار دن مزید لگے تھے۔ اسے بستر پر اور پھر آہستہ آہستہ وہ معمول کی زندگی پر آ گیا تھا۔ گھر میں طاہر اور فارحہ کی شادی کی رسمیں شروع ہو چکی تھی۔ اور وہ سبھی ان رسموں میں پیش پیش تھے۔ اس شام مہندی تھی۔ وہ فیضی کے ساتھ ضروری کام سے باہر جا رہا تھا جب اس نے دور سے ہی آواز دے کر پکارا تھا۔

''کہاں جا رہے ہو' سنو واپسی میں میرے لیے فریش پھولوں کے گجرے اور بالے لے آنا۔'' وہ کچھ زیادہ ہی عجلت میں تھی تبھی پہلے خود ہی سوال پوچھا اور پھر جواب سنے بغیر اگلی ہدایت سنا کر وہ تیزی سے غائب ہو چکی تھی پھر واپسی میں وہ جانے کیسے بھول گیا تھا۔ یاد تب آیا جب وہ کیمرے میں رول ڈال کر کمرے سے نکل رہا تھا۔ وہ ردا کے ساتھ کھڑی گفتگو میں مصروف تھی۔ پلین وائٹ سوٹ میں لائٹ سے میک اپ کے ساتھ وہ بہت پُرکشش لگ رہی تھی۔ وہ بے خود سا جیسے دیکھے گیا تبھی وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

''غلمان' میرے گجرے اور بالے کہاں ہیں؟''

''اوہ..... آئی ایم سوری۔'' وہ جیسے شرمندہ سا ہو گیا۔ ''میں لا دیتا ہوں تمہیں ابھی جا کر۔''

''تم انتہائی ناقابل اعتبار شخص ہو۔'' وہ خفگی سے گویا ہوئی تھی اور پھر وہاں سے ہٹ گئی تھی۔ وہ ایک گہرا سانس خارج کرتا ہوا فیضی کی طرف آ گیا تھا۔

''فیضی! یہ کیمرا سنبھالو میں آ رہا ہوں۔''

''جا کہاں رہے ہو' گاڑیاں جانے کو تیار کھڑی ہیں اور وقار انکل بھی تمہیں بلا رہے تھے۔'' فیضی نے اطلاع دی مگر وہ سر ہلاتا ہوا تیزی سے گاڑی کی جانب بڑھ گیا تھا۔

پھر جب وہ واپس پلٹا تو تمام گاڑیاں جانے کو تیار کھڑی تھیں۔

''کہاں چلے گئے تھے تم؟'' احسن نے اسے دیکھتے ہی پوچھا تھا۔ ''ہم کب سے فقط تمہارا ہی انتظار کر رہے تھے۔ فیضی نے بتایا تھا ورنہ تو ہم گمشدگی کا اشتہار نشر کروانے والے تھے۔'' احسن نے کہا تھا مگر وہ نظر انداز کرتے ہوئے پوچھنے لگا تھا۔

''وانیہ کہاں ہے؟''

''وہ شاید ابھی اندر ہے۔'' وہ بولا تو وہ پیکٹ ہاتھ میں سنبھالے تیزی سے آگے بڑھ گیا۔

''بھابی وانیہ کہاں ہے؟'' اس نے سامنے سے آتی ہوئی نلذیہ بھابی سے دریافت کیا تھا۔

''لاؤنج میں ہے' آ رہی ہے وہ بھی باہر اور تم کہاں تھے؟ پاپا اور وقار انکل تمہیں ڈھونڈ رہے تھے؟'' بھابی نے کہا تھا مگر وہ سر ہلاتا ہوا تیزی سے آگے بڑھ گیا تھا۔ لاؤنج میں پہنچ کر اسے مزید خواری نہیں کرنا پڑی تھی وہ سامنے ہی رانی (ملازمہ) کے ساتھ جھکی اٹیچی کیس کھولنے یا بند کرنے میں مصروف تھی۔

''وانیہ!'' اس نے پکارا' وہ جو جھکی ہوئی تھی فوراً ہی سیدھی ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ اس نے بنا کچھ کہے پیکٹ اسے تھما دیا تھا اور پھر جس تیزی سے آیا تھا اسی تیزی سے باہر بھی نکل گیا تھا۔ وانیہ نے اس کی تیزی پر قدرے حیرت سے اسے دیکھا تھا اور اس سے بھی کہیں زیادہ حیرت سے اس نے اس پیکٹ کی طرف دیکھا تھا جو وہ اسے بنا کچھ کہے تھما گیا تھا۔

پھرے دھیرے سے پیکٹ کھولا تو حیران سی رہ گئی تھی۔ تازہ مہکتے بیلے' موتیے اور گلاب کے خوب صورت گجرے اور بالے اس کے سامنے تھے۔

''پاگل۔'' ہونٹ بھینچ کر وہ فقط اسی قدر کہہ سکی تھی۔

پھر جب تائی جان اور رانی کے ساتھ کمرے وغیرہ لاک کرنے کے بعد باہر نکلی تو دیکھ کر دنگ رہ گئی۔ تمام گاڑیاں جا چکی تھی مگر وہ گاڑی سے ٹیک لگائے اطمینان سے کھڑا تھا۔

''یہ سب لوگ چل گئے؟''

''ہوں۔ مگر میں موجود ہوں۔'' غلمان نے اس کے حسین سراپے کو دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا تھا۔ پھولوں کے گجروں اور بالوں سے اس کا حسن جیسے دوآتشہ ہو گیا تھا۔ عام روٹین میں سادہ سی رہنے والی وانیہ اس وانیہ سے یقیناً بہت مختلف تھی۔ یہ لڑکی تو کسی اور جہاں کی لگ رہی تھی۔ وہ دیکھے گیا تھا۔ سفید ڈریس اور پھولوں کے زیورات کے کومبی نیشن نے جیسے اس کے حسن میں چار چاند لگا دیئے تھے۔

''اچھی لگ رہی ہو۔'' اس نے ماں کے ہونے کے باوجود ڈور کھولتے ہوئے انتہائی دھیمی سی سرگوشی اس کے کان کے قریب کر دی تھی۔ وہ انتہائی چونک کر دیکھنے لگی تھی۔ مگر وہ تیزی کے ساتھ ڈرائیونگ سیٹ کی جانب بڑھ گیا تھا۔

شادی والے روز بھی جیسے کسی کے ضبط کا امتحان تھا۔ آف وہائٹ کلر کے نفیس سے سوٹ میں وہ ہمیشہ

دیکھنے لگی جیسے کہہ رہی ہو کہ تمہیں کیسے خبر ہوئی؟ اور وہ دھیمے سے انداز میں مسکرا کر دوسری طرف دیکھنے لگا تھا۔ جیسے کہہ رہا ہو۔ ''کہو گی نہیں تو کیا میں جان نہیں پاؤں گا۔''

وانیہ کوئی بھی جواب دیئے بغیر نظریں اٹھا کر آسمان کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

''غلمان! آسمان پر کتنے زیادہ ستارے ہیں نا۔'' وہ یکدم بولی تھی اور وہ مسکرا دیا تھا۔

''جب ہم چھوٹے تھے تم تب بھی مجھ سے یہی سوال کیا کرتی تھیں۔ مگر میں تب بھی جان نہیں پاتا تھا کہ تم سوال کر رہی ہو یا مجھے فقط مطلع کر رہی ہو۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا تو وہ بھی مسکرا دی۔

''مگر تم بھول گئے، تم جواب میں کیا کہا کرتے تھے؟''

''ان میں سے ہمارا ستارہ کون سا ہے۔'' وہ بولا اور پھر ہنسنے لگا۔

''ہم بہت چھوٹے تھے مگر تب بھی کتنے ذہین تھے۔''

''اور ہمیں ذہین بنایا کس نے تھا؟'' وہ جواباً مسکرائی تھی۔

''دادی اماں کی باتوں نے!'' وہ ہنسا۔ ''وہ اکثر بتایا کرتی تھیں۔ آسمان پر پھیلے ہوئے ڈھیروں ستاروں میں سے ایک ستارہ تمہارا بھی ہے۔''

''اور تم تب سب سے روشن ستارے کی طرف انگلی اٹھا کر اشارہ کیا کرتے تھے۔'' وہ ہنسی تو وہ بھی ہنس دیا۔

''کتنے پاگل تھے ہم تب۔'' وہ ہنستی ہوئی بولی۔

''ہم اب بھی اتنے ہی پاگل ہیں۔'' وہ بولا اور پھر سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر اس نے ہاتھ اٹھا کر سب سے روشن ستارے کی طرف نشاندہی کی۔

''وہ تمہارا ستارہ ہے۔'' وہ اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''تمہیں کیسے پتا چلا یہ میرا ستارہ ہے؟'' بچوں جیسی لایعنی گفتگو کر کے انہیں جیسے بہت لطف آ رہا تھا۔

''کیونکہ یہ سب سے زیادہ روشن اور چمک دار ہے۔'' وہ دھیرے سے مسکرایا۔

''اور تمہارا ستارہ کون سا ہے؟'' وانیہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا تھا۔

''میرا.....؟'' وہ آسمان کی وسعتوں میں جیسے بغور ڈھونڈنے لگا تھا۔ تبھی ایک ستارہ جیسے ٹوٹا تھا۔ آسمان پر روشنی سی پھیل گئی تھی۔

''یہ میرا ہے!'' غلمان نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف انگلی سے اشارہ کیا تھا۔

''خدانخواستہ۔'' وہ یکدم ہی خفگی سے اسے دیکھنے لگی تھی مگر وہ ہنسنے لگا تھا۔

''ایسے کیوں ہنس رہے ہو؟''

''تم کیوں خوفزدہ ہو رہی ہو؟'' اس نے الٹا سوال داغ دیا۔

''تمہاری اتنی بری قسم کی باتوں پر کیا مجھے خوش ہو کر قہقہے لگنے چاہئیں؟'' وانیہ نے خفگی کا اندازہ برقرار

رکھا تبھی وہ بولا۔

''چلو بابا آسمان کا سب سے روشن ستارہ میرا ہے بلکہ وہ جو چاند چمک رہا ہے وہ بھی میرا ہے۔ خوش۔'' مگر وہ یونہی اسے تکتی رہی تبھی وہ بولا۔

''خود کو دھوکا دینے سے فائدہ' جو چیز ہماری نہیں' نہیں۔ پھر خود کو بہلانے سے فائدہ۔ تم بھی جانتی ہو' میں بھی جانتا ہوں۔ نہ وہ سب سے روشن اور چمک دار ستارہ میرا ہے اور نہ ہی وہ بے پناہ خوب صورت پیلا چاند میرا ہے' پھر؟'' اور وہ اسے دیکھتی چلی گئی تھی۔

''انسان کو پرامید رہنا چاہیے مایوسی کفر ہے۔'' وانیہ نے باہمت لہجے میں کہا۔

''مگر امیدیں ٹوٹ بھی جاتی ہیں۔''

''اف کس قدر بری باتیں کر رہے ہو۔ شیکسپیئر کہتا ہے۔ جیسا تم سوچو گے ویسا ہی ہوگا۔ اگر تم اچھی سوچ رکھو گے تو اچھا ہی ہوگا اور اگر برا سوچو گے تو برا ہی ہوگا' یعنی فقط سوچ اتنی اہمیت رکھتی ہے۔ مثبت سوچنے سے ہمیشہ مثبت نتائج ملتے ہیں اور منفی سوچنے سے ہمیشہ منفی۔ اگر فقط سوچ ہی لیا جائے تو ویسا ہونا ممکن ہو جاتا ہے جیسا کہ ہم چاہتے ہیں یہ شاید کچھ ہماری نفسیات سے متعلق ہے۔'' ساتھ ہی وہ شیکسپیئر کے الفاظ دہرانے لگی۔

''اگر تم سوچتے ہو کہ تم شکست خوردہ ہو' تو تم ہو۔

اگر تم سوچتے ہو کہ تم جرات نہیں کر سکتے تو تم نہیں کر سکتے۔

اگر ت جیتنا چاہتے ہو لیکن تم سوچتے ہو کہ نہیں (جیت) سکتے۔ یہ بات تقریباً یقینی ہے کہ تم نہیں (جیتو) گے۔

''اگر تم سوچتے ہو کہ ہار جاؤ گے تو تم ہار گئے۔

''کیونکہ ہمارا تجربہ ہے کہ کامیابی انسانی عزم سے شروع ہوتی ہے۔

یہ سب کچھ قلبی دنیا میں ہوتا ہے۔

''کامیابی کا دارومدار کسی قوت ارادی پر ہے۔''

''مگر کبھی کبھی اس کے باوجود ہار ہمارا مقدر بنتی ہے۔ میرا خیال ہے قسمت سب سے بڑی چیز ہے۔ ہم کچھ بھی کر لیں اپنی تقدیر نہیں بدل سکتے۔ یہ وہ چیز ہے جو ہماری پیدائش سے قبل ہی لکھی جا چکی ہوتی ہے اور ہم پہلے سے لکھی گئی تقدیر کے باب میں مقید ہوتے ہیں اور سدا اسی سرکل میں گھومتے رہتے ہیں۔ کچھ نہیں بدلتا۔ کچھ بھی نہیں جو درج ہوتا ہے ان ابواب میں وہی ہوتا ہے۔'' وہ ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں بولا۔

وہ ایک چھلکتا جام مرے ہمراہ رہا
آج وہ ساری شام مرے ہمراہ رہا

صبح وہ معمول کے مطابق اٹھی تھی اور تیار ہو کر کالج گئی تھی مگر جب لوٹی تھی تو تمام ماحول دیکھ کر یکدم

حیران رہ گئی تھی۔ اسے یقین نہ آیا تھا کہ یہ اسی کا کمرا ہے۔

تمام کمرا پھولوں سے بھرا ہوا تھا۔ خوشبوؤں سے مہک رہا تھا۔ سامنے دیوار پر کئی وشنگ کارڈز لگے ہوئے تھے۔ اس کے نام کے ساتھ۔

BIRTH DAY TO YOU

A VERY HAPPY

enjoy your Life

Gift of God

Happy returns of The Days MANY

اتنے تاثرات تھے کہ وہ دنگ رہ گئی تھی۔ انتہائی حیرت سے چارسو دیکھتی وہ پلٹی تھی۔ تبھی وہ نکل کر سامنے آ گیا تھا۔

''ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔ ہیپی برتھ ڈے ٹو یو مائی ڈیئر وانیہ۔ ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔'' وہ گاتے ہوئے اسے وش کر رہا تھا۔ وہ یکدم سرشارسی ہو کر مسکرا دی۔ اس نے قدم آگے بڑھا کر پشت سے ہاتھ آگے کی طرف کیے اس کے ہاتھوں میں سفید پھولوں کا خوب صورت گلدستہ تھا۔

''مینی ہیپی ریٹرن آف دی ڈیز۔'' مائی آل ہیسٹ وشز فار یو' آن یور گولڈن ڈے۔'' بوکے اسے تھماتے ہوئے وہ بولا تو وہ اس کی طرف جانے کیوں دیکھے گئی۔ وہائٹ شلوار کرتے میں وہ بے پناہ وجیہہ لگ رہا تھا۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو' نظر لگاؤ گی کیا؟'' وہ شوخی سے مسکراتے ہوئے بولا تو وہ اس کے شانے پر ہاتھ کا مکا بنا کر مارتی ہوئی دھیرے سے مسکرا دی۔

''تھینک یو ویری مچ۔ مگر یہ سب کرنے کی کیا ضرورت تھی؟''

''ڈونٹ بی فارمل ڈیئر کزن۔'' وہ کچھ بولنے ہی والا تھا کہ وہ سب اچانک ہی کمرے میں آن وارد ہوئے۔

''یہ سب کرنے میں ہم بھی پیش پیش تھے۔ ہمارا بھی تو شکریہ ادا کرو۔'' فیضی نے شوخی سے کہا تو وہ مسکرا دی۔

''تھینک یو ویری مچ۔''

''اوں' ہوں' خالی شکریہ نہیں ہمیں ٹریٹ دو۔'' ردا' ثناء' فارحہ ایک ساتھ بولی تھیں۔

''میں تو کیک کھاؤں گا بلیک فارسٹ وہ بھی تمہارے ہاتھوں بیک ہوا۔'' احسن نے کہا تو وہ بلا ارادہ ہی غلمان علی خان کی طرف دیکھنے لگی۔

''اس کی طرف کیوں دیکھ رہی ہو برتھ ڈے تو تمہارا ہے۔'' فیضی یکدم اس کے آگے آتا ہوا بولا۔ تو

وہ جیسے خجل سی ہوگئی۔

تبھی وہ بولا تھا۔ ''تم سب گاڑی میں بیٹھو' جہاں جانا ہوگا اس کا فیصلہ گاڑی میں بیٹھ کر ہی کر لینا۔'' اس نے کہا تو وہ سب ایک ایک کر کے کمرے سے باہر نکل گئے۔ تبھی وہ پلٹ کر پرس کھول کر جانے کیا تلاش کرنے لگی۔ وہ دھیرے سے چلتا ہوا اس کے قریب آن رکا۔

''اوں ہوں! یہ میرا دن ہے۔ اگلے سال جب تم اپنے سسرال میں ہوگی تو پھر تم خرچ کرنا۔ یوں بھی یہ تمہاری آخری برتھ ڈے ہے جو تم ہمارے ساتھ مناؤ گی۔'' وہ مسکراتا ہوا اس کے ہاتھ سے پرس لے کر ایک طرف رکھتے ہوئے بولا تو وہ خاموش نظروں سے فقط اسے دیکھ کر رہ گئی۔

''اب مجھے مزید دیکھ کر اپنا ٹائم ویسٹ مت کرو۔ مانا حسین لگ رہا ہوں مگر چاہو تو تم بھی حسین نظر آ سکتی ہو' مجھ جتنی نہ سہی کم سہی مگر میک اپ کا سہارا لے کر۔ اگر کوشش کرو تو.....'' وہ چھیڑنے والے انداز میں شوخی سے بولا تو اس نے دونوں ہاتھوں سے دھکا دیتے ہوئے اسے باہر نکال دیا۔

''سنو آج ڈھنگ کا کلر پہننا۔'' اس نے پلٹ کر جیسے نصیحت کی تھی اور اس نے فوراً ہی اثبات میں سر ہلا دیا تھا پھر کچھ ہی دیر بعد جب وہ تیار ہو کر باہر نکلی تو سب ہی نے ستائشی نظروں سے اسے دیکھا۔

رائل بلیو کلر کے سمپل سے سوٹ پر اسی کی مناسبت سے چھوٹے پھول دار پرنٹ کا دوپٹا اوڑھے بالوں کو سادہ سی چوٹی میں مقید کیے' میک اپ کے نام پر فقط لپ اسٹک لگائے وہ خاصی جاذب نظر آ رہی تھی۔

''ڈیٹس گڈ۔ اب تم واقعی میری کزن لگ رہی ہو۔'' غلمان اسے دیکھ کر بولا تو وہ مسکراتی ہوئی اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''اس کا کچھ کچھ اندازہ مجھے بھی ہو رہا ہے۔'' وہ بول کر ردا کی کسی بات کا جواب دینے لگی تھی۔

وہ حسین شام ان لوگوں نے خوب گھومتے ہوئے ہلا گلا کرتے ہوئے گزاری تھی ایک یادگار شام کے طور پر۔ ایک یادگار شام منائی تھی۔ بے انتہا ہنسے تھے وہ لوگ۔ خوب شور وغل کیا تھا۔

مگر ان سب باتوں کے باوجود غلمان نے ان دو نینوں میں جانے کیسے اداسی کی رمق تلاش کر لی تھی اور اس سے اس کا دل چاہا تھا اس سے کہہ دے۔

کل کے اندیشوں سے دل کو آزردہ نہ کر
دیکھ یہ ہنستا ہوا موسم یہ خوشبو کا سفر

یہ لمحے' یہ شام شاید اس طرح سے پھر اس زندگی میں نہ آئے گی۔ آؤ ان لمحوں کو امر کر لیں۔ مگر وہ کچھ بھی نہ کہہ سکا تھا۔ جانے کیوں اور بعض اوقات ہم بہت کچھ نہیں کہہ پاتے ہیں اور دل کی بات دل ہی میں رہ جاتی ہے۔

☆.....☆.....☆

پلٹے ہم تو ہم دونوں کے ساتھ زمانہ پلٹ گیا
ان دیکھی تعبیر لینے اک خواب پرانا پلٹ گیا

''سنا ہے تمہاری ساس اور سسر شادی کی ڈیٹ فکس کرنا چاہ رہے ہیں۔'' غلمان علی خان کو جیسے ہی انفارمیشن ملی وہ فوراً تصدیق کے لیے اس کے پاس گیا وہ کوئی بُت بنانے میں مگن تھی۔ حلیہ بے حد برا ہو رہا تھا۔ اس کی بات جیسے اس نے سنی ہی نہ تھی۔ اس نے ایک بار پھر پوچھا تھا تبھی اس نے اثبات میں سر ہلانے کے ساتھ ہی کہا تھا۔

''ہاں۔''

اور اس نے جیسے ایک گہرا سانس خارج کیا تھا پھر کہنے لگا تھا۔

''پھر خوش کیوں نہیں ہو تم؟ بارہ کیوں بج رہے ہیں منہ پر؟''

''خوش تو ہوں اور کیا بھنگڑا کروں۔'' وہ یکدم ہی دھیمے انداز میں ہنس دی تھی مگر دوسرے ہی پل ہونٹ بھینچ کر اپنے کام میں مصروف ہو گئی تھی۔

''تم سکون سے میری بات نہیں سن سکتیں؟'' اسے وحشت سی ہوئی تھی اس کی مصروفیت سے۔

''اوکے! کہو!'' وہ سب کچھ چھوڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''رضا حسن کا فون آیا؟''

''وہ ابھی تک نیویارک سٹی سے لوٹا نہیں۔'' وہ ڈسٹر سے ہاتھ صاف کرنے لگی۔ وہ کچھ دیر تک خاموشی سے اسے دیکھتا رہا تھا پھر دھیرے سے اس کے نازک سے ہاتھ پر اپنا مضبوط ہاتھ دھر دیا تھا۔

''بی ریلیکس اینڈ ٹیک کیئر اباؤٹ یور سیلف۔''

اس نے جیسے حوصلہ بندھانا چاہا تھا۔ اس کے دوستانہ انداز پر وہ دھیرے سے مسکرا دی تھی۔ ساتھ ہی اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

وہ کچھ دیر تک یونہی کھڑا اسے دیکھتا رہا تھا۔ پھر بولا تھا۔

''یاد کرو گی ہمیں۔''

''اوں' ہوں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا تو وہ حیرت سے دیکھنے لگا تھا مگر تبھی وہ گویا ہوئی تھی۔

''یاد کرنے کی نوبت تو تب آئے گی نا جب میں بھولوں گی اور یاد فقط اسی صورت میں کیا جاتا ہے جب کوئی فراموش ہو جائے۔''

وہ بولی تو دھیرے سے مسکرا دیا۔

''بٹ آئی ول بی مسنگ یو۔'' اس نے کہا تھا اور پھر فوراً ہی باہر نکل گیا تھا۔ دانیہ نے کتنے ہی لمحے ساکت رہ کر اس سمت دیکھا تھا۔

☆.....☆.....☆

کتنی ہی دیر تک وہ یونہی بے سمت راستوں پر گاڑی دوڑاتا رہا تھا مگر خود سے فرار کی ساری راہیں جیسے مسدود ہو چکی تھی اور جانے کیوں واقعی کبھی کبھی فرار کے سارے راستے بند ہو جاتے ہیں انسان خود سے

بھاگنا بھی چاہے تو نہیں بھاگ سکتا اور اگر بھاگ بھی لے تو بے سود ہوتا ہے۔

اس نے بھی خود سے بھاگنا چاہا تھا مگر جیسے سارے راستے بند تھے اور بھاگتے بھاگتے تھک کر واپس اسی مرکز پر آن گرا تھا جہاں سے بھاگا تھا اور تب اس پر کھلا تھا کہ انسان خود سے نہیں بھاگ سکتا۔ زندگی ہمیشہ اس کے لیے سوالیہ نشان رہی تھی مگر آج تو وہ بے انتہا حیران رہ گیا تھا۔

ممی ڈیڈی نے جب ردا کا نام بطور شریک حیات منتخب کر کے اس کے سامنے رکھا تھا تو وہ کتنے ہی لمحے ساکت رہ گیا تھا۔ نظروں میں یکدم ہی کوئی اور سراپا لہرا کر رہ گیا۔ دو نین یکدم ہی نظروں میں آن ٹھہرے تھے۔ وہ اس کا جواب چاہ رہے تھے مگر وہ کیا جواب دیتا۔

کہیں کوئی رنگ' کوئی خوشبو۔

کوئی امید' کوئی آس نہ تھی۔

وہ انکار کرتا بھی تو کس طرح۔

مگر پھر بھی جانے کیوں اس نے ان سے سوچنے کی مہلت لے لی تھی۔

مگر وہ جانتا تھا فیصلہ کیا ہوگا۔

پھر بھی وہ خود سے جیسے بھاگنا چاہ رہا تھا۔

مگر کھلا یہی تھا کہ خود سے بھاگنا انتہائی مشکل ہے۔

انسان ساری دنیا سے بھاگ سکتا ہے مگر خود سے نہیں۔

تبھی وہ بھی جیسے ایک ناکام سی کوشش کر کے واپس لوٹ آیا تھا۔

''کیا بات ہے۔ پریشان سے لگ رہے ہو۔''

صبح جب وہ آفس کے لیے نکل رہا تھا بلا ارادہ ہی اس سے سامنا ہو گیا تھا۔

اس نے نظریں چرا کر دوسری طرف دیکھا تھا۔

''نہیں' کام کی وجہ سے رات سو نہیں سکا' اس لیے۔'' وہ بولا تھا اور پھر فوراً ہی اس کے سامنے سے ہٹ گیا تھا۔

پھر اس نے جیسے آخر کار شکست مان لی تھی۔

ممی ڈیڈی کو رضا مندی دے کر وہ بستر پر آن گرا تھا۔ گھر میں اچانک ہی ہنگامہ سا اٹھ کھڑا ہوا تھا مگر جانے کیوں وہ اب بھی مسلسل فرار کی کوئی راہ ڈھونڈتا رہتا تھا۔ اتنے دن سے وہ ان تمام لوگوں سے نہ ملا تھا' روز رات گئے تک گھر لوٹتا' جب سب سو چکے ہوتے۔

اس روز وہ لوٹا تو وہ لاؤنج میں ہی جیسے اس کی منتظر تھی۔

''کہاں ہوتے ہو تم؟''

''یہیں پر تو ہوں۔'' وہ بولا تھا پھر پوچھنے لگا۔ ''سب لوگ سو گئے؟''

''میرا خیال ہے یہ سونے کا ہی وقت ہوتا ہے۔'' وہ برہمی سے بولی تو وہ لب بھینچے اسے فقط دیکھ کر رہ گیا تھا۔

''تم کچھ زیادہ مصروف نہیں ہو گئے ان دنوں؟''

''ہوں' کام ہی اس قدر ہے۔''

''مگر ایسی بھی کیا مصروفیت گھر میں تمہارے باعث ایک ہنگامہ برپا ہے اور تم ہو کہ جیسے خبر ہی نہیں۔''

''اطلاعاً عرض ہے یہ خبر مجھ سے ہو کر ہی تم تک پہنچی ہے' میری باضابطہ منظوری کے بعد۔'' وہ بولا تھا اور پھر الجھے ہوئے انداز میں بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگا تھا۔ وہ اسے فقط دیکھ کر رہ گئی تھی۔ کچھ کہنا چاہا تھا پھر جیسے ارادہ ملتوی کر ڈالا تھا۔

''کھانا.....؟''

''کھا کر آیا ہوں۔''

''شب بخیر۔'' وہ کہہ کر آگے بڑھ گئی تھی۔

''شب بخیر۔''

ممی ڈیڈی تو جیسے منتظر ہی تھے فوراً ہی انہوں نے اس کے سر پر سہرا سجانا چاہا تھا مگر اس نے کئی کترا کے بات فقط نکاح تک روک دی تھی۔

''شادی پر کیا اعتراض ہے؟'' ممی نے جواز مانگا تھا۔

''ابھی قدموں پر کھڑا ہونا چاہتا ہوں ممی' مجھے کچھ وقت تو دیں اور بھی ہزار کام ہیں زمانے میں علاوہ شادی کے۔'' اس نے ہمیشہ کی طرح ماں سے منوالی تھی۔ اور یہ ''ماں'' بھی کتنی عظیم ہستی ہوتی ہے' بچے کی ڈھال۔

مگر یہ بھی ہے کہ ''ماں'' بچے کا جیسے ہر دکھ بنا کہے جان جاتی ہے۔ اس کی ہر پریشانی سے بنا سنے واقف ہوتی ہے اور تبھی جب ممی نے سوال پوچھا تھا۔

''تم خوش نہیں ہو؟'' ان کی نظر جیسے اسے اندر تک جھانک چکی تھی اور وہ بنا کچھ کہے ان کے شانے پر سر ٹیک گیا تھا۔

''تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟'' انہوں نے اس کے سارے درد کو بھانپ لا تھا۔

''آپ خوش ہیں نا؟'' وہ دھیرے سے مسکرایا تھا۔

''ہمیں تو تمہاری خوشی عزیز تھی بیٹا۔''

''مگر مجھے آپ کی خوشی عزیز ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔ اور پھر ضروری تو نہیں ساری خواہش پوری بھی ہو جائے۔ کچھ خواب ادھورے بھی تو ہوتے ہیں جو ادھورے ہی رہ جاتے ہیں۔ اس نے سوچا تھا اور پھر خود کو جیسے حالات کے دھارے پر ڈال دیا تھا۔

جس شام تقریب تھی اس دن صبح ہی وہ اس سے ٹکرائی تھی زینہ طے کرتے ہوئے دونوں یکدم ہی رک کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے تھے پھر وہی دھیرے سے مسکرا دیا تھا۔

''کیسی ہو؟'' اور اس نے بجائے جواب دینے کے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''رضا کا فون وغیرہ آیا؟'' وہ عجلت میں تھا مگر اس سے اس رات والے واقعے کے ازالے میں خوش اخلاقی سے بات کر رہا تھا۔

''تمہیں جلدی ہے شاید۔'' اس کی آنکھوں میں جانے کیوں ایک گہرا سکوت تھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح اب بھی بلا ارادہ ہی اپنی انگلی میں منگنی کی انگوٹھی سے کھیل رہی تھی۔

''نہیں تم کہو؟'' مگر وہ کچھ نہ بولی۔ تبھی وہ دھیرے سے مسکراتے ہوئے اسے دیکھنے لگا۔

''دیکھو تمہاری شادی کا قصہ سود مند ثابت ہوا میرے لیے۔'' اور وانیہ نے کچھ کہنے کے لیے لب وا کیے ہی تھے کہ تبھی ثناء نے اسے آواز دی تھی۔

''وانیہ تمہارا فون ہے۔'' اور وہ ایک نظر اس پر ڈالتی ہوئی فوراً ہی زینہ پھلانگ گئی تھی۔ غلمان نے ایک گہرا سانس خارج کیا تھا اور پھر زینہ اترنے لگا تھا۔

☆.....☆.....☆

ہم بھی شکستہ دل ہیں پریشان تم بھی ہو
اندر سے ریزہ ریزہ میری جان تم بھی ہو
ہم بھی ہیں اک اجڑے ہوئے شہر کی مثال
آنکھیں بتا رہی ہیں کہ ویران تم بھی ہو

تقریب اگرچہ بالکل سادگی سے ہونا قرار پائی تھی مگر گھر کے افراد کے باعث بہت ہجوم سا تھا۔ حسب معمول ان تمام کزنز نے مل کر خوب ہنگامہ برپا کر رکھا تھا۔ جملے بازی ہو رہی تھی' ہنسی مذاق ہو رہا تھا۔ مسٹر ڈکلر کے لہنگا سوٹ میں ردا مکمل عروسی روپ میں تھی اور بہت دلکش لگ رہی تھی۔ سبھی سراہ رہے تھے۔

اس اہم دن کے موقع پر بھی جیسے اس کی نگاہیں کسی اور کی متلاشی تھیں مگر وہ جانے کہاں تھی۔

نکاح نامے میں دستخط کے بعد وہ وہاں سے اٹھنا چاہ رہا تھا مگر سب کزنز نے جیسے ان کے گرد گھیرا تنگ کر دیا تھا۔

چھوہارے کھانے کے ساتھ ہی عجیب ہنگامہ بدتمیزی برپا تھا۔ اس کے ساتھ ہی غلمان علی خان پر جملے کسنے کا عمل بھی جاری تھا۔ کتنی دیر تک فوٹو سیشن جا رہا تھا۔ مووی کیمرے کی لائٹیں الگ پریشان کر رہی تھیں۔

''غلمان بھائی! آپ شرما کیوں رہے ہیں' کم از کم ایک نظر اٹھا کر تو دیکھیے۔'' ثناء نے سالی ہونے کا بھرپور فرض ادا کیا تھا۔ سب بے ساختہ کھل کھلا کر ہنسنے لگے تھے۔

''غلمان بھائی اک نظر بائیں طرف بھی ڈالنا گوارا کرلیں۔ اب ایک چیز ہی ہے۔'' فیضی نے ایک

آنکھ دبا کر چھیڑا تھا اور وہ مجبوراً بھی نہ مسکرا سکا تھا۔ کتنی مشکل سے اٹھ کر وہ وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہوا تھا۔ نظریں ہر سو جیسے ایک ہی چہرے کو ڈھونڈنے کی کوشش کر رہی تھیں اور آخر کار وہ کامیاب ہو گیا تھا۔ وہ ایک کونے میں کھڑی کسی خاتون سے بات کر رہی تھی۔ اس نے دور سے دیکھ کر ہاتھ ہلایا تو تھوڑی ہی دیر بعد وہ اس طرف چلی آئی۔

''مبارک ہو زندگی کا نیا سفر' نیا ہم سفر۔'' وہ دھیرے سے مسکرائی تھی۔ خلاف معمول آج وہ کھلتے ہوئے شوخ سرخ کلر میں ملبوس تھی۔ میک اپ بھی وضع قطع کے ساتھ تھا مگر چہرے پر اس کے باوجود بھی جیسے کوئی رنگ نہ تھا وہ جانے کیوں دیکھے گیا تھا۔ وہ نظریں جھکا گئی تھی۔

''تم کہاں تھیں۔ وہاں آ کر کیوں مبارک باد نہ دی؟'' وہ جانے کیوں کہہ گیا تھا۔

''میں..... میں آ رہی تھی!'' وہ یکدم مسکرائی مگر بے حد بے جان پھیکی مسکراہٹ۔ جیسے کوئی زبردستی مسکرائے۔ وہ چپ چاپ اسے دیکھے گیا۔ تبھی وہ پوچھنے لگی۔ شاید از راہ تذکرہ۔

''تم خوش ہو؟'' پھر اس کا جواب سن بغیر کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔

''تمہیں کیا لگ رہا ہے؟'' وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے لگا تھا۔ غلمان علی خان کا چہرہ سے حد سپاٹ تھا۔ وہ کچھ بولے بغیر چہرے کا رخ پھیر کر دوسری سمت دیکھنے لگی پھر دوبارہ اسی طرف دیکھنے لگی۔

''میں بہت خوش ہوں۔'' اس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی مگر آنکھیں.....

''کیوں؟'' وہ یکدم چونک کر پوچھنے لگا تھا۔

''کیونکہ میرا بہترین دوست آج ٹھکانے لگا!'' وہ یکدم ہی ہنسنے لگی تھی۔ چہرے پر اچانک ہی ایک شریرلٹ آن پڑی تھی۔

''رئیلی میں بہت فکر مند تھی تمہاری طرف سے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہہ کر چہرے سے اسی شریر سی لٹ کو ہٹایا تھا اور تبھی غلمان علی خان نے دیکھا تھا۔ اس کے بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں موجود رنگ سرے سے غائب تھی۔ وہ یکدم جیسے ششدر رہ گیا تھا۔ ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا تھا مگر وہ انتہائی مطمئن انداز میں مسکراتی ہوئی کہہ رہی تھی۔

''جانتے ہو میں نے تمہارے لیے کس گفٹ کا انتخاب کیا ہے؟'' وہ جواب میں کچھ نہیں بولا تھا۔ تب وہ خود ہی بتانے لگی تھی۔

''اپنے ہاتھوں سے میں نے تمہارا مجسمہ بنایا ہے۔ انتہائی زبردست شاہکار ہے تم دیکھو گے تو دنگ رہ جاؤ گے اور.....'' وہ مزید بولنے جا رہی تھی۔ جب اچانک اسے کسی نے پکار لیا۔

وانیہ نے ایک نظر اسے دیکھا تھا پھر رسمی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی تھی۔

''ایکسکیوزمی!''

''سنو!'' اس نے فوراً ہی پکارا تھا۔ وہ یکدم ہی پلٹ کر دیکھنے لگی تھی مگر وہ کچھ کہے بغیر ساکت نظروں

سے تکتا چلا گیا تھا پھر یکدم ہی اس کا ہاتھ تھاما تھا اور تقریباً کھینچتا ہوا ایک نیم تاریک اور ویران گوشے میں لے آیا تھا۔ اردگرد کا ہجوم بہت پیچھے رہ گیا تھا اور اب فقط وہ دونوں مقابل تھے۔

وہ اس کے اس جارحانہ انداز پر یکدم ہی حیران رہ گئی تھی تبھی بولی تھی۔

''کیا بدتمیزی ہے یہ؟ یہاں کیوں لائے ہو مجھے؟ لوگ کس طرح دیکھ رہے تھے' تمہیں اندازہ ہے کچھ؟''

مگر اس کا اندازہ ویسا ہی مطمئن تھا جیسے کسی کی اسے پروا ہی نہ ہو' کسی بات کی فکر ہی نہ ہو اس کی طرف دیکھ کر ایک گہرا سانس خارج کرتے ہوئے اس نے اس کے شانے پر دھیرے سے ہاتھ دھر دیا تھا۔

''تمہاری رنگ کہاں ہے؟'' اس کا انداز اور لہجہ تھما تھما سا تھا مگر وہ یکدم ہی چونک کر اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا کتنی گہری تھیں اس کی نظریں لگتا تھا جیسے اندر تک پڑھ لیں گی اور جانے کیوں وہ تبھی گھبرا کر نظریں جھکا گئی تھی۔

''اوپر دیکھو میری طرف' میں تمہاری آنکھیں پڑھنا چاہتا ہوں۔'' اس نے سرگوشی نا انداز میں کہتے ہوئے اس کا چہرہ اوپر اٹھایا تھا۔ وہ بادل نخواستہ چہرہ اٹھا کر دیکھنے لگی تھی مگر جانے کیا تھا اس شخص کی نظروں میں کہ وہ فوراً ہی دوسری سمت دیکھنے پر مجبور ہوگئی تھی پھر دھیرے سے بولی تھی۔

''آج تمہارا دن ہے اور اچھے دن میں صرف اچھی باتیں کرتے ہیں' یہ کہانی پھر سہی۔''

''کس کس کہانی کو اگلے وقت پر ڈالو گی' کب تک جھوٹ بولو گی' خود سے' مجھ سے..... کب تک چھپتی اور چھپاتی رہو گی؟'' غلمان علی خان کا لہجہ بے حد ٹوٹا پھوٹا اور شکستہ تھا۔ جیسے آج وہ واقعی زندگی کی سب سے بڑی جنگ ہار گیا ہو.....

اپنا سب کچھ ہار دیا ہو.....!

اس کے ہاتھوں کا دباؤ اس کے شانوں پر تھا مگر وہ چہرہ جھکائے دوسری سمت دیکھتی رہی تھی۔ خاموش ویران نظریں..... جانے کیا کھوج رہی تھیں۔

''وانیہ پلیز..... کہہ دو..... معاملہ کیا ہے؟'' اس کے لہجے میں جیسے کانچ ٹوٹ رہے تھے۔

''کچھ نہیں ہے۔ سب کچھ ٹھیک ہے۔ اے ون۔ پرفیکٹ۔'' وہ جیسے سنبھل کر مسکرا دی تھی۔ اور تب غلمان علی خان کا دل چاہا تھا۔ اس نازک سی لڑکی کو تہس نہس کر ڈالے۔ مگر وہ انتہائی ضبط کیے کھڑا رہا تھا۔

''رضا حسن.....؟ .....'' یکدم اس نے کہا تھا اور وہ اس گھڑی لمحہ بھر کو جیسے ساکت رہ گئی تھی۔ پھر دوسرے ہی پل مسکرا دی تھی۔

''ہوں۔ اس نے صبح کال کی تھی مجھے۔ بہت خوش ہے وہ نیویارک میں۔''

''کب آ رہا ہے.....؟''

''پتہ نہیں۔ شاید وہیں سکونت اختیار کر لے۔''

وہ کھوئے کھوئے سے انداز میں بولی تھی۔

''اور تم.....؟''

''میں۔'' وہ یکدم ہی ہنسی تھی۔ ''ہاں میں بھی بہت خوش ہوں دیکھو ہنس رہی ہوں نا.....!'' اس کے ساتھ ہی وہ کھل کر کھلا کر ہنسنے لگی تھی۔ اور تب اس کی پیاسی ویران آنکھوں میں اچانک ہی سمندر آن ٹھہرے تھے۔ وہ اچانک ساکت ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''کیوں کیا اس نے تمہارے ساتھ ایسا؟ اسے تو تم سے محبت تھی!'' وہ الجھے ہوئے انداز میں اتنا دھیما بولا تھا جیسے خود سے ہمکلام ہو۔

''ہمیں پتہ بھی نہیں چلتا۔ اور ہماری محبتوں کے رخ اچانک تبدیل ہو جاتے ہیں۔ یہ وقت ہے جو بدلتا ہے اور ہر چیز بدلتا جاتا ہے ہاں ہمیں ہر شے کا ادراک بہت دیر سے ہوتا ہے۔ تب کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ کچھ نہیں بچتا۔ سب ختم ہو چکا ہوتا ہے! سب کچھ۔''

وہ سر جھکائے کہہ رہی تھی۔ لہجے میں بے انتہا کرب تھا شاید وہ رونا چاہتی تھی۔ جی بھر کر۔

مگر وہ جانے کیوں آج بھی اسے یہ نہ کہہ سکا تھا کہ ''تم میرے شانے پر سر رکھ کر رو سکتی ہو.....''

آج بھی اس کے لبوں پر اتنے ہی قفل تھے پیروں میں آج بھی اتنی ہی بیڑیاں تھیں.....!

وہ چونکا تھا۔ وہ ہنس رہی تھی۔

''لسٹ انجوائے۔ اٹس یور گولڈن ڈے۔ اینڈ یو نو آئی ایم سو ہیپی۔''

اور تب اس لمحے غلمان علی خان کی گرفت اس کی کلائی پر خود بخود ہی ڈھیلی ہوتی چلی گئی۔ اس کے چہرے پر ایک نظر ڈالی تھی۔ اور پھر وہ یکدم ہی اس کی کلائی چھوڑ کر وہاں سے نکل آیا تھا۔

اندر اچانک ہی جیسے تھل ہونے لگا تھا۔ پیاس ہی پیاس رقص کرنے لگی تھی۔ چار سو جیسے دھول اڑنے لگی تھی۔

وانیہ وقار علی خان نے اس کی چوڑی پشت کو دھندلائی ہوئی آنکھوں سے تکا تھا۔ پھر وہ وہیں بیٹھتی چلی گئی تھی۔

غلمان علی خان نے کچھ دور جا کر پلٹ کر اس کی سمت نگاہ کی تھی۔ وہ ہمیشہ بے تاثر نظر آنے والی اور خود کو خوش باش ظاہر کرنے والی لڑکی جانے کس کرب سے گزرتے ہوئے' گھٹنوں پر سر دھرے اندر کا بوجھل پن ختم کر رہی تھی۔ اس کا سارا وجود ہچکیوں کے باعث ہل رہا تھا۔ کون جانتا تھا کہ اس کا درد کیا تھا۔

غلمان نے انتہائی کرب سے آنکھیں میچی تھیں اور پھر پلٹ کر چلنا شروع کر دیا تھا۔

کس کس بات کا سوگ منائے کوئی۔

کس کس درد کو روئے۔

یہاں تو دکھ سمندر ہوتے ہیں۔

لامتناعی وسیع و عریض۔

گہرے۔
جو ختم ہونے میں ہی نہیں آئے۔
اور تقدیر۔

اس کے اندر باہر سوال ہی سوال تھے۔ بہت سے خواب بین کر رہے تھے۔ بہت سی خواہشیں رو رہی تھیں۔ بہت سی امیدیں ماتم کناں تھیں۔ بہت سی حسرتیں سینہ کوبی کر رہی تھیں۔ اردگرد ہجوم ہی ہجوم تھا۔ مگر اندر بے حد ویران۔ کس سوگ کا سا منظر تھا۔ بہت سے کانچ کے ٹکڑے تھے۔ درد بے حد تھا۔ مگر آنکھیں بالکل پیاسا تھل تھیں۔ حد نگاہ تک بس پیاس ہی پیاس تھی۔

خاموشی ہی خاموشی تھی۔
ویرانی ہی ویرانی تھی۔
محبت جو سدا اس کے اندر رہی تھی۔
وہی محبت آج نیلا موسم بن گئی تھی۔
اور جذبوں کی ساری گلابی تتلیاں جل چکی تھیں۔
دل کے سارے منظر خزاں سے تھے۔
سارے منظر پیاسے تھے۔

محبت ربط ہے

میں بالکل نہیں جانتی تھی کہ مجھے نائل شاہ سے محبت کیوں نہیں ہوئی تھی۔ وہ جب اپنے تمام کام چھوڑ کر میرے پاس بیٹھتا تھا اور پوری توجہ سے مجھے دیکھتا تھا تو میرے اندر اتنی ہمت بھی نہیں باقی بچتی تھی کہ اس کی سمت دیکھ سکوں یا اس کی نظروں سے نظریں ملا سکوں۔

''مجھے اپنی آنکھیں دیکھنے دو عمارہ سید۔ مجھے ان آنکھوں میں لکھی آیتیں پڑھنے دو۔ تمہاری چپ وہ باتیں نہیں کہتی جو تمہاری یہ خاموش آنکھیں کہہ سکتی ہیں۔ تم مجھ سے نظریں کیوں چراتی ہو؟'' وہ بولا تھا اور میں اپنی نظریں ساحل پر ٹوٹتی موجوں پر جما کر اس سے بالکل بے نیاز بن گئی تھی۔

''تم نوال احمد کے ساتھ خوش تھے نا؟ وہ تمہیں میری طرح ستاتی نہیں تھی؟'' میں نے پوچھا تھا تو وہ مجھے کسی قدر حیرت سے تکنے لگا۔

''آر یو میڈ؟ کریزی۔ میں تم سے تمہارے بارے میں بات کر رہا ہوں اور تم نوال احمد کے بارے میں بات کر رہی ہو؟ تمہیں وحشت کس بات سے ہوتی ہے؟ مجھے تمہاری نظروں میں وہ بات کیوں دکھائی نہیں دیتی جو دینی چاہیے؟''

''کیا دیکھنا چاہتے ہو تم میری آنکھوں میں؟'' میں نے اپنا پورا اعتماد بحال کرتے ہوئے دھیما سا مسکرا کر اس کی سمت دیکھا تھا۔

''تمہاری آنکھوں میں کچھ ہے جو میں پڑھ نہیں پاتا اور کچھ ہے جو بھید بنا بیٹھا ہے۔'' وہ الجھ کر بولا تھا۔

''کیا مطلب؟'' میں نے مکمل توجہ سے اسے دیکھا تھا۔

''میں تمہارے اندر کیوں نہیں جھانک پاتا ایسا کیوں لگتا ہے کہ تم نے بہت سے پہرے بٹھا دیئے ہیں اور میں ان پہروں کو توڑنے کی سکت نہیں رکھتا۔'' وہ تھکے لہجے میں بولا تھا۔

''نائل شاہ، تمہارے لیے کوئی نیا تجربہ ہے کیا؟ تمہیں لڑکیوں کو سمجھنے کا ہنر نہیں آتا؟'' میں مسکرائی تھی۔

''تم عام لڑکیوں جیسی کیوں نہیں ہو؟'' وہ الجھ کر بولا تھا۔

''تمہیں میں اچھی لگوں گی اگر میں رنگوں کی تتلیوں کی، اور خوابوں کی باتیں کروں؟ کم آن نائل شاہ

میں ٹوئنٹی فرسٹ سنچری کی لڑکی ہوں۔ تمہیں پندرہویں صدی کی لڑکیاں پسند ہیں تو ٹائم مشین میں بیٹھ کر پیچھے سفر کیوں نہیں کر جاتے۔'' میں لہروں کے ساتھ ساتھ چلتی ہوئی مسکرائی تھی۔

''میں گئے زمانوں میں پلٹنے کا جنون نہیں رکھتا۔ میں وہاں جانا چاہوں گا اگر تم وہاں ہو تو۔'' اب وہ مسکرایا تھا۔ بڑی تروتازہ مسکراہٹ تھی۔ اس لمحے وہ بہت ہلکا پھلکا لگا تھا۔

''تمہیں نوال احمد یاد آتی ہے؟'' مجھے نہیں معلوم تھا میں اسے پیچھے کی طرف کیوں دھکیلتی تھی جب بھی وہ میری طرف آتا تھا۔ میں جیسے بند باندھنے کے جتن کرنے لگتی تھی اور جب دور ہوتا تھا تو میں پہروں اسے سوچتی بھی رہتی تھی۔ میرے اندر وہ کشمکش کیسی تھی اور کیونکر تھی۔

''عمارہ سید!'' اس نے میرا ہاتھ تھاما تھا۔ میری پوری جان اس ایک لمحے میں سمٹ آئی تھی اور رواں رواں سماعت بن گیا تھا۔

''مجھے گزرے ہوئے لمحوں میں مٹ دھکیلو' میں وہاں رہنا نہیں چاہتا جہاں تم نہیں ہو۔ میں ان لمحوں میں جینا چاہتا ہوں جہاں تم میرے ساتھ ہو۔'' اس نے اپنا چہرہ میرے قریب کر کے سرگوشی کی تھی۔

''تم اتنے جتن کیوں کرتی ہو مجھے سے دور جانے کے اور پھر پاس آنے کے؟ جب جانتی ہو کہ یہ ممکن ہی نہیں اور محبت تمہیں ایسا کرنے بھی نہیں دے گی؟ تو پھر یہ تگ ودو بھی کیوں جب دور جانا ممکن ہی نہیں؟'' وہ اپنا چہرہ میرے قریب لا کر میری آنکھوں میں بغور تکتا ہوا کہہ رہا تھا۔ اس کی نظروں کی تپش سے میرا چہرہ سلگنے لگا۔ میں اس کی سمت سے ایک لمحے میں چہرہ پھیر گئی تھی۔

اس نے میری سمت اسی طرح بغور تکتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر میرا چہرہ تھاما اور اپنی طرف پھیر لیا تھا اور مدھم لہجے میں بولا تھا۔

''تمہیں میری مخالف سمت سرپٹ دوڑنا کیوں پسند ہے؟ یہ فرار مطلوب کیوں ہے؟ جب کہ جانتی ہو میں تمہیں دور جانے دوں گا ہی نہیں؟ تو پھر یہ کوششیں بھی کیوں؟ اتنا بچنا کیوں ہے تمہارے اندر؟ یہ بچوں سی خو کیوں ہے؟ محبت تمہیں بتاتی نہیں کہ یہ کرنا ٹھیک نہیں؟'' مجھے لگا تھا میرے اندر کوئی طوفان کی سی کیفیت ہو اور سارا دھواں طوفان کے دہانے پر ہو' میرا اندر جیسے قیامتوں کے زیر تھا۔ وہ شاید جان گیا تھا کہ میری کیفیت کیا ہے تبھی بہت آہستگی سے میرے گرد اپنا بازو حمائل کر دیا تھا۔

''محبت کو اپنے پیچھے آنے دو عمارہ سید۔ اس کی انگلی تھام کر چل نہیں سکتیں تو اس سے آگے بھی مت بھاگو۔ محبت لوٹ گئی تو زمانوں تک واپس نہیں آئے گی۔ محبت کو ساتھ چلنے دو۔ محبت تمہیں بہت کچھ کہنا چاہتی ہے۔ اسے غور سے سنو۔ اپنے کان بند کرنے کا عمل روک دو اور نفی میں سر ہلانے کی عادت ترک کر دو؟'' وہ مجھے نئے اسلوب سکھا رہا تھا۔ اس کو جیسے ہر بات پر دسترس تھی۔ میرے اندر کے موسموں پر بھی اور میری سوچوں تک بھی۔ وہ مجھے سطر سطر پڑھا رہا تھا جیسے۔

''تم میرے اردگرد لگے آئینوں سے اندر کیسے جھانک لیتے ہو نائل شاہ؟ تمہاری نظریں یہ سب کیسے

جان لیتی ہیں؟ تمہارے پاس میرے اندر لگے تالے کی چابی کیسے' کہاں سے مل جاتی ہے؟'' میں ہارے ہوئے لہجے میں بولی تھی۔

''اور مجھے وہ چابی ڈھونڈنے پر اکساتا کون ہے؟'' وہ میری ناک شرارت سے دباتا ہوا مسکرایا تھا۔

''تمہیں اچھا لگتا ہے اپنے اندر تالے لگانا اور پھر ساری چابیاں سمندر میں کہیں گہرے پانی میں پھینک دینا اور پھر نظروں ہی نظروں میں کہنا کہ جاؤ اور ڈھونڈ کر لاؤ اور میری تلاش کا سفر مکمل کرو؟'' مجھے اتنے اچھے سے کیسے جان سکتا تھا؟ مجھے ہر بات کے لیے ہر بار اتنی حیرت کیسے ہوتی تھی؟

''میں نے تمہیں کبھی نہیں کہا کہ میری تلاش کا سفر مکمل کرو اور میرے پیچھے آؤ۔ تم میری تلاش میں کیوں آتے ہو۔ یہ سلسلہ روک کیوں نہیں دیتے؟ میں نے جتایا تھا۔

''میں یہ سلسلہ بریک بھی کردوں تو تمہاری آنکھوں سے دامن کیسے چھڑاؤں گا؟ تمہاری آنکھیں ہر پل مجھ سے کہتی رہتی ہیں۔ مجھے ڈھونڈو۔ میری تلاش کرو۔ میرے ساتھ بندھ جاؤ۔'' وہ مسکرا رہا تھا میں نے ہاتھ کا ایک مکا بنا کر اس کے شانے پر دے مارا تھا۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

''تم مذاق مت سمجھو۔ تمہاری آنکھیں سچ میں مجھ سے کہتی ہیں۔''

''اور تم میرے لیے سمندر میں کود جاؤ گے؟ میں نے باور کرانے کو کہا تھا۔

''سمندر میں ہی تو ہوں۔ باہر آنے کا راستہ ڈھونڈ رہا ہوں۔ پتا ہے تو بتا دو میری انگلی تھام کر راستوں کی نشاندہی نہیں کرسکتیں تم؟'' وہ شکوہ کر رہا تھا۔

''مجھے خود راستوں کی خبر نہیں تو تمہارے لیے نشاندہی کیسے کروں؟'' میں نے تعرض برتا تھا۔

''تم مجھے سمندروں میں بھٹکنے کو چھوڑ دینا چاہتی ہو؟ تمہیں ڈر نہیں اگر میں ڈوب جاؤں؟ اور میرا وجود باقی نہ رہے؟ کب سے اسی سفر میں ہوں میں تھک گیا تو؟'' وہ اندیشے میرے سامنے رکھ رہا تھا۔ میں نے ان آنکھوں میں جھانکا تھا اور میرے اندر کی دنیا اس کی حامی ہونے لگی تھی۔

''صرف تم ان سمندروں سے مجھے نکال سکتی ہو عمارہ سید۔ کیوں غافل ہو۔ اس حقیقت سے یا پھر انجان؟'' اس کی آنکھیں میرے اندر جھانک رہی تھیں اور میرے اندر ایک طلاطم برپا تھا۔ میری دھڑکنوں کی آواز اتنی تھی کہ خود مجھے سنائی دے رہی تھی۔

''یہ جو دھڑکنوں میں شور ہے اسے تم کیا نام دیتی ہو۔ عمارہ سید؟'' وہ شہادت کی انگلی میرے دل پر رکھتا ہوا بولا تھا اور میں حیران ہوگئی تھی۔

اسے میرے اندر تک رسائی کیسے تھی؟

وہ کیسے مجھے اندر تک جان رہا تھا اور پڑھ رہا تھا؟

''جھوٹ ہے؟'' میں نے سرگوشی میں کہا تھا۔ کوئی خود کلامی تھی جیسے۔ میری آواز میرے ہی اندر کہیں دب گئی تھی۔ میں نے اپنا آپ اس کے بازوؤں سے چھڑانا چاہا تھا مگر سارا وجود جیسے بے جان پتھر سا ہوگیا تھا۔

''میں گزرنے والے کسی منظر کو پلٹ کر نہیں دیکھنا چاہتی نائل شاہ! میں اپنی نفی نہیں کر سکتی! مجھے ڈر لگتا ہے۔تم کچھ نہیں جانتے! کچھ بھی نہیں! یہ دھڑکنوں کا شور جو تم سن رہے ہو یہ بے معنی بھی ہو سکتا ہے اور ان آنکھوں میں جو سمندر ہے۔ان کی گہرائی بے کار بھی ہو سکتی ہے سو مجھے کھوجنے کی کوششیں ترک کر دو۔یہ سب بے کار ہوگا۔''

یہ کہہ کر وہاں سے نکلنے لگی تھی۔میرے اندر اتنا شور کیوں تھا۔میں اس کی نفی بھی کیوں کرنا چاہتی تھی۔ میں نے قدم اندر رکھا تھا تو دو آنکھوں نے مجھے بغور دیکھا تھا۔نوال احمد فون پر کسی سے بات کر رہی تھی لیکن اس کی ساری توجہ مجھ پر تھی۔

''نوال مجھے تم سے بات کرنی ہے۔'' میں نے اس کے سامنے رک کر کہا تھا۔اس نے سر اثبات میں ہلایا تھا اور پھر اپنی بات کرنے کا سلسلہ روک کر میری طرف آ گئی۔

''تم پریشان لگ رہی ہو۔'' وہ اتنی میٹھی اور کیئرنگ کیسے ہو سکتی تھی؟ مجھے اس کے انداز ہمیشہ الجھاووں میں مبتلا کر دیتے تھے۔

''نہیں۔میں پریشان نہیں ہوں۔'' میں نے سر انکار میں ہلا کر اپنے سارے اندر کی نفی کی تھی۔

''تم کس سے بات کر رہی تھیں؟'' میں نے پوچھا تھا۔

''میں آذر سے بات کر رہی تھی۔میرا ایڈمشن گلاسکو کی ایک یونیورسٹی میں ہو گیا ہے۔بس اس سلسلے میں بات ہو رہی تھی۔'' وہ میرے سامنے بیٹھ گئی۔

''تم ایسی کیسے ہو سکتی ہو؟'' میں نے اسے بغور دیکھ کر کہا تھا۔

''کیا مطلب؟'' وہ چونکی تھی۔

''تم اتنی بے تاثر اور برف سی کیسے ہو سکتی ہو؟'' مجھے اس کا ایسا رویہ قبول کیوں نہیں تھا؟ ایسا کون سا چور دبا بیٹھا تھا میرے اندر؟ میں چیخنا کیوں چاہ رہی تھی؟ ایسی کون سی الجھن تھی میرے اندر؟ کیا میں فرسٹریٹڈ تھی؟ میں فرسٹریشن کا شکار تھی؟ اور سبب کیا تھا اس؟ نوال احمد چپ چاپ مجھے دیکھ رہی تھی۔جب میں نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا تھا۔میرا اپنا ہاتھ مجھے یخ برف سا لگا تھا۔جیسے میں زندگی سے خالی کوئی وجود تھی۔

''تم ٹھیک تو ہو؟'' نوال احمد کو فکر ہوئی تھی۔

''رکو میں ڈاکٹر کو فون کرتی ہوں۔مجھے تمہاری حالت ٹھیک نہیں لگ رہی۔'' اس نے اچھا بننے کی انتہا کر دی تھی۔میں نے اس کا ہاتھ تھام کر روک دیا تھا۔

''ہم دونوں کزنز میں کیا بات مشترک ہے نوال احمد؟'' میں نے پوچھا تھا۔

''تم کیسے سوال کر رہی ہو عمارہ سید؟ یہ کیسا موازنہ ہے؟'' وہ الجھ کر بولی تھی۔

''ہم میں کچھ بھی مشترک نہیں ہے نوال احمد۔'' میں نے سر نفی میں ہلایا تھا۔

''ہماری یہی بات ہمیں ایک دوسرے سے جدا کرتی ہے اور تمہارا اتنا اچھا ہونا مجھے کبھی اچھا نہیں لگا۔

میں نے کچھ چرایا ہے تم سے۔ تمہاری سب سے قیمتی شے۔ تم اس کو لے کر مجھ سے اتنے اچھے سے پیش آنے کی یہ رواداری کیسے جاری رکھ سکتی ہو؟'' مجھے حیرت ہوتی تھی اس کے اس نرم رویے پر۔

وہ مجھے چپ چاپ ایسے دیکھ رہی تھی جیسے میں غیب کی بات کر رہی ہوں جس کا اس کی زندگی سے کوئی واسطہ نہ ہو۔

''ہم میں کچھ مشترک نہ بھی سہی عمارہ سید مگر کچھ ہے جو ہمیں جوڑتا ہے۔ میں ایسے کٹ کر نہیں رہ سکتی!'' وہ مصلحت پسندی کا دامن تھامے رکھنا چاہتی تھی۔

''میرے لیے کوئی سزا تجویز کرنا نہیں چاہو گی تم؟'' میں نے جیسے خود کو کٹہرے میں پیش کر دیا تھا۔ وہ بہت نرمی سے مسکرا دی تھی۔ اور اس کی اس مسکراہٹ سے میرا خون جلتا تھا۔ اس کا نرم خو لہجہ۔ اس کا مصلحت پسندانہ انداز۔ وہ ایسی کیوں تھی۔

''میں تمہیں کیوں سزا دوں عمارہ سید؟ مجھے اس کا کیا حق ہے تم کیوں اتنا سوچتی رہتی ہو؟ پاگل ہو جاؤ گی تم۔'' میں نے اسے بغور دیکھا تھا مگر اس کی نگاہ میں تو کوئی ریاکاری نہیں تھی۔

''تمہارے پاس میرے لیے کوئی سزا کیوں نہیں؟ میرے دل پر جو بوجھ ہے کیا تم اسے ہٹا نہیں سکتیں؟ میں سانس نہیں لے پاتی تو اس کی وجہ تم ہو۔'' میرا انداز تھکن سے چور تھا۔ میرا دم جیسے اندر ہی اندر گھٹتا تھا۔

''تم نے کچھ نہیں چرایا عمارہ سید! وہ میرا نہیں تھا تو تمہارے ساتھ ہے۔ ہم صرف اچھے دوست تھے۔'' وہ میری طرف دیکھنے سے گریزاں تھی۔

''جھوٹ بولنا کیوں اتنا پسند ہے تمہیں نوال احمد! تمہیں اس سے محبت تھی۔ پچھلے پانچ سال سے تم اس کے ساتھ تھیں اور تم اس کے ساتھ زندگی گزارنے کی پوری پلاننگ بھی کر چکی تھیں۔ تم اس کے ساتھ زندگی کا آغاز بھی کر چکی ہوتی اگر میں درمیان نہ آتی۔ تم مجھے اتنا بینی فٹ کیوں دے رہی ہو؟ یہ امیونٹی کس چکر میں؟ صرف اس لیے تاکہ میں تمہیں بہت عزیز ہوں؟ اور تم میرے لیے یہ قربانی بھی دے سکتی ہو؟ کہ اپنی محبت کو میرے ہاتھ میں خود سونپ دو؟ تم میں اتنی ہمت کیسے ہے نوال احمد؟ تمہارا ہاتھ اوپر کیوں ہے؟ مجھے ان نوازشوں سے بہت الجھن ہوتی ہے۔ تم عنایات کرنے کا سلسلہ روک کیوں نہیں دیتیں؟ کیا تمہیں کوئی فرق نہیں پڑتا؟ نائل شاہ کے تمہارے زندگی سے جانے سے؟'' میں اسے جھنجھوڑنا چاہتی تھی۔

''نائل شاہ کو مجھ سے محبت کبھی نہیں تھی عمارہ سید۔ ہم ایک دوسرے کے لیے نہیں بنے۔ محبت میں ''ٹھیک'' اور ''غلط'' ہمارے اپنے ہوتے ہیں۔ تم نے وہ کیا جو تمہیں ٹھیک لگا اور میں نے وہ کیا جو مجھے ٹھیک لگا۔ محبت کی کوئی کیلکولیشن نہیں ہوتی یہ اکنامکس فزکس اور کیمسٹری کے سارے قانون کو جھٹلاتی بھی ہے اور اپروو بھی کرتی ہے۔ تمہیں الزام دینا غلط ہے۔ تم نے کچھ نہیں چرایا۔ نائل شاہ کو محبت مجھ سے نہیں تھی۔ سو آج وہ میرے ساتھ نہیں اسے تم سے محبت ہوئی تو اس میں غلط کیا ہے؟'' وہ ویسی ہی فرم خو اور مثبت انداز فکر کی حامل تھی۔ مجھے چڑ ہوتی تھی۔

''اگر میں تمہاری زندگی میں نہیں آتی تو تم آج اس کے ساتھ ہوتیں نا؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔

''نائل شاہ کو چوائس کا حق کس نے دیا؟ میں نے نا؟'' اگر میں آئی ہی نہ ہوتی تو آج سب ٹھیک ہوتا۔ میں جیسے آغاز سے شروع کر کے ہر شے کو بدلنا چاہتی تھی۔

''تم کیا کچھ مناؤں گی عمارہ سید؟ یہاں دوبارہ لکھنے کو کچھ نہیں ہے۔ محبت صرف ایک بار لکھی جاتی ہے اور اس کے بعد صرف ایک فل اسٹاپ لگتا ہے تم فضول میں پریشان ہو رہی ہو۔ اتنا سوچو مت۔ محبت کو بدل بدل کر لکھا نہیں جا سکتا۔ نا تم کہانی کو اپنی مرضی کا اختتام دے سکتی ہو۔ محبت اپنے اختتام اور آغاز کو خود آپ منتخب کرتی ہے۔ یہ حقیقت تمہاری سمجھ میں آنا بہت ضروری ہے اور پھر ہر شے اپنی جگہ پر ہوگی۔''

نوال احمد نرم خو لڑکی' کیا اس پر کسی قیامت کا سایہ نہیں تھا۔ اس کے اندر کوئی شور نہیں تھا؟ اس نے گنوایا تھا اور میں نے چرایا تھا۔

میں نے اس کی ساری زندگی چرالی تھی اور وہ پھر بھی مثبت سوچ رہی تھی۔ اسے مجھ پر نہ غصہ آتا تھا۔ نہ اسے کوئی ملال ستاتا تھا۔ کیسی عجیب لڑکی تھی وہ؟ اور میں اس جیسی کیوں نہیں تھی؟

''نوال احمد! مجھے اپنا جیسا بنا دو۔ میں مر جاؤں گی'' اپنے اندر کی گھٹن سے تھک کر میں نے کہا تھا۔

''نائل شاہ کو مجھ سے محبت کیونکر اور کیسے ہوئی؟

میں چاہتی تھی وہ مجھ سے محبت کرے۔ میرا نوٹس لے۔ مجھے نظر انداز نہ کرے۔ اور وہ تمہارے ساتھ نہ رہے۔ یہ جرم نہیں تو اور کیا ہے؟ میری نیت ٹھیک نہیں تھی۔ میں نے تمہارے ساتھ غلط کیا۔ نائل شاہ کے ساتھ غلط کیا اور خود اپنے ساتھ بھی! یہ کیا کیا میں نے؟ جو سب کے لیے ''غلط'' تھا وہ میرے لیے ''ٹھیک'' کیسے ہو گیا؟ محبت اتنی اندھی ہو سکتی ہے کیا؟'' میں اپنے طور پر وضاحتیں دے رہی تھی اور وہ جواز ڈھونڈ رہی تھی۔ اور نوال احمد کی آنکھیں کیسی ٹھنڈی ٹھار تھیں۔ کیا وہ برف سی ہو رہی تھی؟

''میں خوابوں میں بھٹکنا نہیں چاہتی۔ مجھے فریب سے باہر آنا ہے نوال احمد۔ میری مدد کرو نوال، نائل کی محبت مجھے مار دے گی۔ اور تمہاری سرد مہری بھی۔'' میں نے تھکن سے چور لہجے میں کہا تھا۔

''وہ میرے لیے نہیں ہے۔ وہ تمہارے لیے تھا۔ میں اگر نہیں آئی ہوتی تو آج سب ٹھیک ہوتا۔'' میں الجھاووں میں الجھی کوئی ڈور تھی اور میرا سرا مجھے آپ نہیں مل رہا تھا۔ نوال احمد مجھے تنہا چھوڑ کر وہاں سے چلی گئی تھی۔ اور مجھے لگا تھا۔ میرے اندر کا شور اور بڑھ گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

''نوال احمد جا رہی ہے' نائل شاہ! اسے روکو۔'' میں نے اس کے سامنے آتے ہی کہا تھا۔ وہ خاموشی سے مجھے دیکھنے لگا۔

''تم ایسے چپ چاپ کیوں ہو؟ روکو اسے' تمہیں اس کے جانے سے کوئی نقصان نہیں ہوگا؟'' مجھے

نیہ ت تھی وہ کچھ ری ایکٹ کیوں نہیں کر رہا تھا۔

''تم اوور ری ایکٹ کر رہی ہو عمارہ سید! سب نارمل ہے۔ تم نارمل طریقے سے بی ہیو کرنا شروع کر دو تو تمہیں سب ٹھیک لگے گا۔'' وہ بھی نوال احمد کے لہجے میں بات کر رہا تھا۔

''نائل شاہ' تم ایسا کیسے کر سکتے ہو؟ وہ تمہارے ساتھ تھی۔ پورے پانچ سال تک تم اس کے ساتھ رہے۔ تمہیں وہ خواب بھی نہیں ستاتے جو اس نے تمہارے لیے دیکھے؟'' میں اسے جھنجوڑنا چاہتی تھی۔

''تم سارے کھیل صرف اپنے زاویے سے کیوں کھیلنا چاہتی ہوں عمارہ سید؟ تمہیں پچھتاوے اتنا کیوں ستا رہے ہیں؟ اگر میں نوال کے ساتھ نہیں ہوں تو ایک سمپل سی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی کہ ایسا کیوں ہے؟ مجھے اس سے محبت نہیں تھی۔ ہمیں محبت نہیں ہوئی۔'' وہ جتا رہا تھا۔

''تمہیں اس سے محبت ہو جاتی نا اگر میں تمہاری زندگی میں نہیں آتی؟'' میں نے اس کے سامنے ایک سوالیہ نشان رکھ دیا۔ مگر وہ اس قدر پرسکون تھا۔ اس کی نظروں میں کوئی پچھتاوا نہیں تھا۔ وہ بھی جیسے بے حس ہو رہا تھا۔

''میں اگر جانتی کہ میرے آنے سے کوئی اتنا بڑا واقعہ پیش آنے والا ہے تو شاید میں یہاں کبھی واپس نہ آتی۔'' میں پر ملال تھی۔ پچھتا رہی تھی۔

''تم لکھے کو بدلنے کی سعی کر رہی ہو عمارہ سید؟'' اس نے مجھے شانوں سے پکڑ کر جھنجھوڑا تھا جیسے میں پاگل ہو رہی ہوں۔

''میں لکھے کو بدلنے کی کوشش نہیں کر رہی۔ ایسا کچھ لکھا نہیں ہوگا۔ تم مان کیوں نہیں لیتے کہ یہ ساری میری غلطی ہے؟ میں..... محبت کرنے لگی۔ کب کیوں' کیسے؟ میں جان ہی نہیں پائی کہ محبت کا آغاز کب ہوا مگر میرے اندر جیسے یہ محبت کی کونپل خود بخود پھوٹی۔ میرا دل چاہا میں تمہیں حاصل کر لوں اور میں نے چھین لیا۔'' میں نے صاف گوئی سے کہا۔

مجھے احساس ہی نہیں ہوا۔ کب میں کمزور پڑی اور کب میری آنکھوں سے آنسو نکل کر بہتے ہوئے رخساروں پر آ گئے۔ نائل شاہ مجھے خاموشی سے کچھ دیر تک یونہی تکتا رہا تھا پھر ہاتھ بڑھا کر میری آنکھوں کی نمی اپنی پوروں پر چننے لگا۔

''عمارہ سید! محبت کی کہانیوں کو کسٹمائز نہیں کیا جا سکتا۔ تم اپنی مرضی کا اختتام نہیں دے سکتیں۔ محبت طے شدہ نہیں ہے تم مان کیوں نہیں لیتیں؟'' وہ ملائمت سے سمجھانا چاہ رہا تھا۔

''میں نہیں جانتی کیا ہے اور کیا نہیں ہے۔ مگر مجھے نیند نہیں آتی۔ میرے اندر سکون نہیں ہے۔ یہ سکون نہیں ہے تو کیوں نہیں ہے؟ اس کی وجہ کیا ہے؟ میں جمع تفریق کرتے کرتے تھک گئی ہوں۔ تقسیم کرنا مجھے نہیں آتا اور مثالوں سے مجھے کوئی آشنائی ہے ہی نہیں محبت اتنی پیچیدہ کیسے ہو سکتی ہے؟ محبت ایسی ہوتی ہے کیا؟'' میں نے اس کی سمت دیکھا تھا۔

''محبت کے معنی ہم سب کے لیے مختلف ہوتے ہیں عمارہ سید! مجھے محبت الگ زاویے سے دکھائی دیتی

ہے۔ میرے لیے تمہاری آنکھوں میں دیکھنا' تمہارا ہاتھ تھامنا اور تمہارے ساتھ چلتے رہنا محبت ہے۔ میرے دل کا تمہارے لیے دھڑکنا' تمہاری چاہ کرنا' تمہارے ساتھ جینا۔ بس یہی محبت ہے۔ یہ میری محبت ہے۔'' اس نے سرگوشی میں کہتے ہوئے میرا ہاتھ تھام کر لبوں سے لگایا تھا اور میرے سارے وجود پر جیسے چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ میں اس کی گرفت سے اپنا ہاتھ کھینچ لینا چاہتی تھی۔ وہ میرے ارادے سے واقف تھا تبھی اس نے میرے ہاتھ پر اپنی گرفت مضبوط کر دی تھی۔

''عمارہ سید! ہاتھ تھامے رکھنا محبت ہے۔ ہاتھ تھام کر چلتے رہنا محبت ہے۔ چھوڑ دینا محبت کی نفی کرتا ہے۔'' وہ مجھے مدھم لہجے میں کہتا ہوا جتا رہا تھا۔

''اور تم نے تبھی نوال احمد کا ہاتھ چھوڑ دیا؟ نوال احمد کی آنکھوں کی خاموشی وہ سکوت تمہیں دکھائی نہیں دیا؟ تم ایسے بے حس کیسے ہو گئے ہو نائل شاہ؟ تم بھی خودغرض ہو۔ صرف اپنے بارے میں سوچتے ہو۔ میں نے بھی صرف اپنے بارے میں سوچا تھا۔ میں جانتی تھی تمہارے لیے نوال احمد کی نظروں میں محبت تھی۔ اس کی آنکھوں سے' اس کے لہجے سے محبت تھی اور محبت اس کی آنکھوں سے جھانکتی تھی اور مجھے اس محبت سے الجھن ہوتی تھی۔ تم جب اس کے ساتھ چلتے تھے۔ اس سے بات کرتے تھے تو میں تمہیں وہاں سے ہٹانے کے جتن کرنا چاہتی تھی۔ مجھے جلن ہوتی تھی۔ میں تمہیں کہیں دور لے جانا چاہتی تھی۔ چرا کر' چھپا کر' بہت چپکے سے' بہت دور کہیں۔ مجھے نوال احمد کی محبت سے بہت خوف آتا تھا۔ مجھے تب بھی نیند نہیں آتی تھی۔ میں سوچتی تھی' جتن کرتی تھی اور پھر میں نے تمہیں چرا لیا۔ تم میری طرف آ گئے۔ مگر اب سکون کیوں نہیں؟ مجھے چین نہیں پڑتا اب؟ یہ اضطراب کیسا ہے؟''

میں اسے قائل کر لینا چاہتی تھی کہ میں نے نوال احمد کے ساتھ اچھا نہیں کیا میں اپنے طور پر عدالتیں لگاتی تھی۔ اپنے طور پر وضاحتیں' دلیلیں دیتی تھی اور سب بے کار رہتا تھا۔

''عمارہ سید! ہمیشہ طے شدہ نتائج نہیں آ سکتے تمہاری دلیلوں میں دم نہیں ہے کیونکہ تمہاری آنکھوں میں جو بے سکونی ہے وہ تمہارے لہجے کا ساتھ نہیں دیتی۔'' نائل شاہ بولا تھا۔

''تم مجھ پر یقین کیوں نہیں کرتے نائل شاہ۔ میں نے بہت برا کیا؟'' میں ہارے ہوئے لہجے میں بولی تھی۔

''کیا برا کیا تم نے؟ ہم دونوں کو ایک خواب سے جگایا؟ سوچو اگر ہم آج ساتھ ہوتے تو یہ رشتہ اور کتنے دن چلتا؟ ایسی محبت کتنے دن تک پنپ سکتی ہے جس کی بنیاد ہی نہ ہو؟ قصور کسی کا نہیں ہے نوال احمد تم ریت پر محل بنا رہی تھی نہ میرا جو یقین اور گمان کے درمیان کہیں رکا ہوا تھا اور نہ تمہارا جو اپنی خواہشوں کا نتیجہ تب بھی چاہتی تھی اور اب بھی چاہتی ہے۔'' وہ مجھے اپنے سامنے بٹھاتا ہوا بولا تھا اور خود میرے قریب گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا تھا۔

''تم ایسا کیوں کر رہی ہو عمارہ سید؟ تم اتنی خودغرض ہو کیا؟''

''تم محبت کو ہمیشہ..... نہیں کر سکتیں عمارہ سید! نا ہی ہمیشہ تمہاری پسند کا نتیجہ آنا شرط ہے۔ محبت کے پہروں کو اپنے اندر محسوس کرنا اور پھر اس کی نفی کرنا۔ میں نے صرف تم میں دیکھا ہے۔ تمہیں کسی وقت میں سب کچھ چاہیے اور دوسرے وقت میں کچھ نہیں' تم عجیب ہو۔ بہت زیادہ عجیب۔ تم محبت کو اپنے ہاتھ کی کٹھ پتلی بنانا

چاہتی ہو۔ اپنے زاویے سے چلانا چاہتی ہو اور یہ ٹھیک نہیں ہے۔'' وہ مجھے بغور دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

''یہی تو میں کہہ رہی ہوں۔ نائل شاہ! یہ ٹھیک نہیں ہے۔ جو بھی میں نے کیا۔ جو بھی مجھ سے سرزد ہوا وہ ٹھیک نہیں تھا اور اس کا احساس مجھے آج ہوا ہے۔''

''آج؟'' نائل شاہ نے مجھے دیکھا تھا۔

''تمہیں آج اچانک کیسے احساس ہو گیا؟ اگر کچھ غلط ہوا ہے تو اس کا احساس تو تمہیں پہلے ہو جانا چاہئے تھا نا عمارہ سید؟''

وہ مجھے پھر سے رد کر رہا تھا۔ میرا دل چاہ رہا تھا میں بہت زور سے چیخوں اور اسے خاموش کر دوں۔ وہ مجھے سمجھ نہیں رہا تھا۔ نوال احمد مجھے نہیں سمجھ رہی تھی۔ میں خود جانتی تھی میں غلط تھی میں نے غلط کیا تھا۔ مگر وہ دونوں میری غلطی ماننے کو تیار کیوں نہیں تھے؟

''کیا تم مجھے چھوڑ کر میرے بنا جی سکتی ہو؟'' نائل شاہ نے مجھے..... شانوں سے تھام کر میری آنکھوں میں دیکھا تھا اور میری دنیا میں جیسے ایک ہلچل سی مچ گئی۔ کیا تھا اس کی نظروں میں؟

اس کی آنکھوں میں ایسا کیا تھا کہ میری دنیا کو اپنے سنگ باندھ رہا تھا؟ میں اس سے بندھ کیسے گئی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آگے کچھ دیکھ کیوں نہیں پاتی تھی۔ کیا مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ میں اس کے بنا جی سکتی؟

''مجھے تم سے کوئی جنونی عشق نہیں ہوا نائل شاہ' پیار' محبت' بکواس شے ہے۔ میں کتابوں کی دنیا میں نہیں جیتی' میری دنیا میں اس لفظ کا کوئی وجود نہیں ہے۔'' میں جیسے اپنے حواس میں نہیں تھی۔ میں کیا کر رہی تھی میں آپ نہیں جانتی تھی۔

میں جانتی تھی تو بس اتنا کہ اب اس کا نتیجہ ویسا ہونا چاہیے۔ جیسا میں چاہتی ہوں میں ضدی تھی؟ خود غرض تھی؟ کوئی کچھ بھی سوچے مگر میں ہر حالت میں اس دائرے سے باہر آنا چاہتی تھی جس میں میرا دم گھٹ رہا تھا میں کیوں ایسا چاہ رہی تھی۔ مجھے صرف اپنی من مانی کرنے کی عادت تھی؟ یا پھر صرف بقول نائل شاہ کے اپنی مرضی کے نتیجے درکار تھے؟

وہ مجھے ساکت سا دیکھ رہا تھا۔ شاید اسے یقین نہیں تھا کہ میں ایسا کہہ سکتی ہوں۔

''تمہیں مجھ سے محبت نہیں ہے۔ عمارہ سید۔'' وہ میرے سفاکی سے کہنے پر بہت ہرٹ ہوا تھا۔ میں اپنی ہی خو میں سر نفی میں ہلانے لگی۔ میرے شانوں پر اس کے ہاتھ کی گرفت ڈھیلی پڑی اور اس کے ساتھ ہی وہ دور ہٹ گیا تھا۔

''تم پاگل ہو عمارہ سید! جس حقیقت کو میں مان چکا ہوں۔ نوال احمد مان چکی ہے۔ اسے تم ماننا نہیں چاہ رہیں۔ کوئی کسی کو کسی سے چھین نہیں سکتا! محبت اپنے ربط خود بناتی ہے۔ کوئی توڑ جوڑ آپ کی مرضی کی نہیں چلتی۔ میں تمہارے قریب آیا کیونکہ مجھے تم سے وہ ربط محسوس ہوا جو مجھے تم سے باندھ سکتا تھا اور جو مجھے نوال احمد سے نہیں باندھ سکا۔ تمہارے ہاتھ میں میرے نام کی جو رنگ ہے یہ معنی رکھتی ہے۔ میں یہ رنگ تمہیں پہنا سکا

کیونکہ یہ تعلق اسی طور بندھنا تھا۔ ہم اپنی مرضی سے رشتے نہیں بناتے۔ یہ آسمانوں میں بندھتے ہیں۔ تم نے چاہے کوئی چال چلی ہو یا مجھے نوال احمد سے بقول تمہارے چرایا یا ہتھیایا ہو۔ مگر یہ تعلق بہرحال اس طور پر جڑنا تھا۔ میں تمہارے قریب آ سکا۔ کیونکہ میں نے تمہاری آنکھوں میں وہ دیکھا جو میں نوال احمد کی نظروں میں دیکھنا چاہتا تھا مگر کبھی نہیں دیکھ سکا۔ میں نے اس کی انگلی میں کوئی انگیجمنٹ رنگ کبھی نہیں پہنائی۔ ..... وہ مجھے چاہتی تھی ٹھیک ہے۔ میں بھی اسے پسند کرتا تھا۔ مگر وہ محبت نہیں تھی یا پھر یوں کہو کہ وہ ربط آسمانوں پر کہیں نہیں جڑا تھا۔ تبھی میں تمہارے قریب آ سکا اور اسی لیے مجھے تمہارے ساتھ وہ کشش محسوس ہوئی جو دو لوگوں کو تب محسوس ہوتی ہے جب ان میں کوئی گہرا ربط آسمانوں پر جڑا ہو۔

میں تمہیں سیریس نہیں لے رہا تھا۔ مجھے لگا یہ غلط فہمی جلد دور ہو جائے گی کہ ہمارا رشتہ کیا ہے۔ مگر تم شاید کبھی نہیں سمجھو گی۔ تمہارے دور دھکیلنے پر بھی میں نوال احمد کے قریب کبھی نہیں جا سکوں گا۔ ناتم سے یہ رشتہ توڑ کر اس سے تعلق باندھ پاؤں گا۔ اس بات کا تمہارے لیے سمجھنا بہت ضروری ہے۔'' میں نے اس کی ان سنی کرتے اپنے ہاتھ کی اس تیسری انگلی سے رنگ نکالنے کو اپنا ہاتھ بڑھایا تھا مگر جانے کیا ہوا تھا کہ میری نظریں دھندلانے لگیں۔ وہ پلٹ کر دور جانے لگا اور یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا کہ اگر وہ دور گیا تو میں کیا کروں گی۔ کس طرح جیوں گی۔

میرے سارے اعداد و شمار میں یہ شمار تو ہوا ہی نہیں تھا کہ اگر محبت روٹھ جائے تو سد باب کیا ہوتا ہے اور کیسے جیتے ہیں۔ وہ اتنی دور گیا بھی نہیں تھا۔ میری زندگی سے نکلا بھی نہیں تھا۔ تو مجھ سے سانس نہیں لیا جا رہا تھا جان وجود سے نکل رہی تھی تو اگر وہ دور چلا جاتا تو میں کیسے جی پاتی؟

''تو کیا میں واقعی اس سے محبت کرتی تھی؟ اور وہ جلنا وہ حسد۔ صرف اس لیے تھا کہ میں نائل شاہ سے محبت کرنے لگی تھی؟ وہ میری ضد نہیں تھا۔ میرے اندر کی خواہش تھا۔ میری روح اس سے بندھی تھی۔ تبھی تو میں وہ میلوں کا فاصلہ پار کر کے اس تک آئی تھی۔

''میں کوئی پاگل پن کر رہی تھی۔'' میری آنکھوں کو دور کا منظر دھندلاتا دکھائی دیا تھا۔

میں نائل شاہ کے لیے رو رہی تھی؟ کیا میں اسے کھونے کے لیے خود کو تیار کر رہی تھی؟ مجھے لگا تھا مجھ ..... محسوس ہوا۔ دھڑکنوں میں سکوت چھانے کو تھا۔

''تم یہ پاگل پن مت کرو عمارہ سید! رئیلی لو یو ہم مین کچھ نہیں تھا۔ ہوتا تو اتنی آسانی سے ختم ہوتا۔ میں یہاں سے جا رہی ہوں۔ میرے لیے زندگی راستے کھول رہی ہے۔ تم اپنے ہی ہاتھوں اپنی زندگی کے راستے خود پر بند مت کرو۔ جاؤ روکو۔ اسے۔ نوال احمد جانے کب وہاں آئی تھی۔ وہ میری آنکھوں سے میرے آنسو اپنے ہاتھوں سے پونچھ رہی تھی۔

''مجھے تم سے کوئی گلہ شکوہ نہیں ہے۔ نائل شاہ اب بھی میرا اچھا دوست ہے۔ مجھے اس سے کچھ انسیت ہو چلی تھی مگر وہ محبت نہیں تھی۔ محبت کو اپنے زاویے سے توڑنے موڑنے کی کوشش مت کرو۔ محبت ایک ندی جیسے بہتی ہے۔ اپنے مطابق چلانا چاہو گی تو ممکن نہیں ہوگا۔ مگر مشکل ضرور بڑھ جائے گی۔ وہ بہت غصے میں

جا رہا ہے۔ اسے روکو۔ تم جانتی ہو تم اس کے بنا جی نہیں پاؤ گی سو بے وقوفی بند کرو۔'' وہ بول رہی تھی اور میں نے پہلی بار محسوس کیا تھا میرے دل سے کوئی بوجھ سرک رہا ہو۔

وہ لمحہ ادراک تھا۔ جس کا احساس مجھے آج پہلی بار ہوا تھا۔ کسی اور کے احساس دلانے پر نہیں۔ خود اپنے اندر سے اس احساس کو محسوس کرنے پر' میں پچھتاووں میں جی رہی تھی۔ مجھے ملال تھا صرف یہ کہ میں نے کسی کو چھینا ہے۔ نوال احمد کو ہرٹ کیا۔ نائل شاہ کو اپنا پابند کیا۔ **مجھے لگا وہ صرف میری ضد تھی محبت نہیں۔**

مگر اب مجھ پر کھلا کہ مجھے محبت تھی تبھی میں سات سمندر پار سے اس جہاں میں آئی کہ وہ تعلق نکل سے بندھا تھا اور میں نے کوئی غلطی نہیں کی۔

میں نے دوڑ کر اس کا تعاقب کیا تھا اور اسے پیچھے سے جا لیا۔ وہ رک گیا تھا میں اسے تھامے کھڑی اس کے کندھے پر آنسو بہا رہی تھی۔ اس نے مجھے اپنے سامنے کر لیا۔

''پاگل لڑکی اب کیوں رو رہی ہو؟'' میری آنکھوں میں دیکھو ''مجھ سے دور مت جاؤ۔'' میں نے پہلی بار وہ کہا تھا جو دل کہنا چاہتا تھا۔

''کیوں؟ تم مجھے پریشان کرتی ہو۔ پھر تمہارے ساتھ کیوں رہوں؟ تم نے کہا تھا تمہیں مجھ سے محبت نہیں ہے۔ پھر میرے پیچھے کیوں آئیں؟'' نائل شاہ مجھے بغور دیکھ رہا تھا اور مجھ میں اتنا کچھ کہنے کی ہمت تو تھی مگر یہ کہنے کی ہمت نہیں رہی تھی کہ مجھے اس سے محبت ہے۔ کبھی کبھی کہنا کتنا مشکل ہو جاتا ہے نا؟ میری زبان تالو سے جا چپکی تھی۔ نائل شاہ نے مجھے تھام کر قریب کر لیا اور میرے گرد اپنے بازوؤں کا حصار باندھ لیا تھا۔

''یہ محبت ہے عمارہ سید! جو دور جانے نہیں دیتی۔ اور دور جانے کے خیال سے ہی جان نکلنے لگتی ہے۔ تمہارا جو یہ ننھا منا سا دل اتنی تیزی سے دھڑک رہا ہے نا۔ صرف اس خوف میں کہ مجھے تم کھونا نہیں چاہتیں۔ محبت میں کھونے کی سکت نہیں ہوتی نہ ہمت۔ میں اسی بات کا ادراک تمہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔ محبت کوئی ضد نہیں ہے۔ تمہارے اندر جو محبت تھی تمہیں اس کا احساس ہونا خود آپ ضروری تھا اور وہ دلیلوں سے ہونا تھا نہ وضاحتوں سے۔ تمہارے اندر سے اس کا احساس تمہیں ہونا تھا۔'' اس نے میری چھوٹی سی ناک دبائی تھی۔

''تم مجھے چھوڑ کر جا رہے تھے؟'' میں نے شکوہ کیا۔

''نہیں مجھے معلوم تھا تم مجھے جانے نہیں دو گی۔'' وہ مسکرایا۔

''اور اگر میں پیچھے نہ آتی تو۔'' مجھے اپنے اندر طمانیت کا احساس ہوا تھا۔ میں نے کھل کر سانس لی۔

''تم مجھ سے دور کبھی نہیں جا سکتیں عمارہ سید۔ یہ محبت ہے اور محبت یقین ہے۔'' نائل شاہ پر یقین سا مسکرایا تھا اور مجھے خود سے کچھ اور قریب کیا تھا۔

''میں ان دھڑکنوں کو سن سکتا ہوں بغور۔ میں جانتا ہوں یہ دل کیا کہتا ہے۔'' وہ سرگوشی میں بولا اور میں نے مسکراتے ہوئے اس کے شانے پر اپنا سر رکھ دیا۔

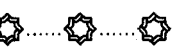

کیکٹس کا پھول

ان کے بغیر ہم پہ جو گزری ہے رات دن
ان سے کہیں گئے لاکھ وہ ہم سے خفا سہی
تیرے بغیر یوں بھی تو جاگی ہوں مدتوں
آ جا کہ آج ایک نیا رت جگا سہی

ڈاؤن سٹریٹ پر چلتے ہوئے اس کا ذہن سوچوں سے بری طرح الجھا ہوا تھا۔ اسے اس وقت اس برستی بارش کی بھی کوئی پروا تھی نا اس ٹھنڈے موسم کی، چہرہ کسی بھی جذبات سے ایسے عاری تھا جیسے وہ کوئی ڈمی ہو اور کسی موسم یا بات کا اثر اس پر متعلق نہ ہوتا ہو۔

''ایلیاہ میر، تمہیں عادت ہے چھوٹی چھوٹی باتوں پر پریشان ہونے کی۔ زندگی ایسے نہیں گزرتی۔ شام میں ہی اس کے ساتھ بیٹھی نمرہ نے کافی کے سپ لیتے ہوئے کہا تھا۔

''میں بزدل نہیں ہوں نمرہ۔ مجھے ایسے مت دیکھو میں تھک کر رکنا بھی نہیں چاہتی۔ میں رک گئی تو زندگی رک جائے گی اور.....!'' اس سوچ سے آگے وہ سوچ سکی تھی نہ بول سکتی تھی۔ بس خاموشی سے نمرہ کی سمت دیکھا تھا۔ نمرہ نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

''ڈونٹ وری آئی ایم ہیئر اگر تمہیں خود پر بھروسا ہے تو پھر ساری منفی باتوں اور سوچوں کو ذہن سے نکال کر باہر پھینک دو۔ اس عمر میں اتنی ٹینشن لو گی تو آگے جا کر کیا کرو گی؟ چہرے پر رونق رہے گی نہ خوب صورتی۔ تم یوں بھی ''آئس میڈن'' مشہور ہو۔ کوئی تمہاری طرف مشکل سے ہی متوجہ ہوتا ہے۔ سوچنے کی رفتار یہی رہی تو کوئی بے تاثر نگاہ ڈالنا بھی ترک کر دے گا۔ تم چاہتی ہو ایسا کچھ ہو؟'' نمرہ نے مسکراتے ہوئے اسے ڈرایا تھا۔ وہ جانتی تھی نمرہ اسے اس سوچ سے باہر لانا چاہتی تھی تبھی مسکرا دی تھی۔ مگر مسکرانے سے اس کی سوچ ختم نہیں ہوئی تھی نہ وہ فکر گئی تھی۔

''یہاں آنے کا میرا فیصلہ جیسے کوئی آخری راہ تھی نمرہ۔ مجھے اس سے آگے کوئی اور راہ دکھائی نہیں دی تھی۔ اب اگر یہ راہ بھی کسی بند گلی پر ختم ہو گئی تو میرا کیا بنے گا؟ میری ساری امیدوں کا پانی میں ملنا تو طے ہے نا؟'' ایلیاہ میر نے کافی کا سپ لیتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے اپنی کنپٹی کو دبایا تھا۔

''اوہ مائی ڈیئر ایلیاہ میر' کاش میں تمہاری ان بے وجہ کی فکروں کی گٹھڑی بنا کر کسی دریا میں پھینک پاتی یا پھر تمہیں ہی اس دریا میں دھکا دے دیتی۔'' نمرہ نے دونوں ہاتھ اس کے گلے کی سمت بڑھاتے ہوئے اسے گھورا تھا۔ ایلیاہ میر مسکرا دی۔

''اچھی خاصی معقول لگتی ہو جب مسکراتی ہو۔ تمہیں روتی صورت بنائے رہنا کیوں پسند ہے؟'' نمرہ نے بسکٹ کی پلیٹ اس کی سمت بڑھائی تھی جسے اس نے ہاتھ سے پرے کر دیا۔

''آئی ایسٹ مائی جاب نمرہ، تم جانتی ہو یہ کتنا بڑا نقصان ہے۔ میں اسٹوڈنٹ ویزہ پر یہاں ہوں۔ یہ کساد بازاری کا دور ہے۔ جاب ملنا کتنا مشکل ہے یہ بات تم بھی جانتی ہو۔ میرا ویزہ آل ریڈی ایکسپائرڈ ہو چکا ہے۔ (Uk Border Agency) میں ویزا ایکسٹینڈ کرنے کی اپیل کیے دو ماہ گزر چکے ہیں۔ ابھی تک مجھے میری یونیورسٹی سے سرٹیفکیٹ ملنے کی کوئی خبر نہیں آئی۔ میں Post study work کے لیے تب تک اپلائی نہیں کر سکتی جب تک کہ یونیورسٹی مجھے وہ سرٹیفکیٹ نہ دے دے۔ میں اپنی اس ایک پارٹ ٹائم جاب سے بھی ہاتھ دھو چکی ہوں اور تم کہہ رہی ہو میں پریشان نہ ہوں۔ اس سچوایشن میں اور کیا کروں میں؟ اب تک میں نے وہ وہ کیا جو تم نے مجھے مشورہ دیا۔ اس موٹے پیٹ والے لائر کے منہ میں کتنے پاؤنڈز جا چکے ہیں اور کتنے وہ مزید کھانے اور ڈکار لیے بنا ہضم کرنے کو تیار ہے۔ اس کی فکر میں نہ کروں تو اور کون کرے گا؟ میں یہ سب کیسے کر پاؤں گی؟ گھر سے ثناء کا فون آ رہا ہے۔ ان کو وہاں پیسے چاہئیں۔ کہاں سے بھیجوں میں؟ سب بے کار رہا میرا یہاں آنے کا فیصلہ ہی غلط تھا۔ فضول میں آ گئی میں نہ آتی تو اتنی پرابلم میں بھی نہ گھرتی۔ میرے ساتھ تو وہ ہوا آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا اور میری شامت آئی تھی جو اس بے کار کالج میں ایڈمیشن لیا اور یہ کساد بازاری کا ٹائم بھی ابھی آنا تھا؟ کب نکلوں گی میں ان پرابلمز سے؟ کہاں سے پیسے بھیجوں ثناء اور جامی کو؟ کتنی اسٹوپڈ ہوں میں اب PSW ملنے تک کیا کروں گی؟ یو کے والے مجھے اٹھا کر باہر پٹخ دیں گے اور ایسا نہ بھی ہوا تو کس طرح سروائیو کروں گی۔ سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔ دماغ پھٹ جائے گا میرا۔'' ایلیاہ میر کے پاس فکروں کے انبار تھے۔ نمرہ نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے بھرپور ہمت دلانے کی اپنی سی کوشش کی تھی۔ ایلیاہ میر نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔

''مجھے دبئی کی جاب چھوڑ کر اس طرح یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔ تب مجھے لگا تھا یہی بہتری کی راہ ہے مگر اب لگتا ہے میں نے تمام سفر صرف ایک بند گلی کی طرف کیا۔''

''تم اتنا پریشان مت ہو کوئی نہ کوئی راہ نکل آئے گی ایلیاہ، ایسے ناامید نہیں ہوتے تم کچھ پیسے مجھ سے ادھار لے سکتی ہوں۔ اس سے تم خود بھی گزارہ کر سکتی ہو اور جامی اور ثناء کو بھی بھیج سکتی ہو۔ جب جاب مل جائے تو مجھے لوٹا دینا۔''

ایلیاہ نے اس کے کہنے پر اسے خالی خالی نظروں سے دیکھا تھا۔ اس پرائے دیس میں نمرہ اس کا ایک مضبوط سہارا تھی۔ اگر وہ یہاں نہ ہوتی تو اس کے لیے یہاں آنا، سروائیو کرنا بہت مشکل ہو جاتا۔

''تم خود کچھ پریشان لگ رہی ہو؟'' ایلیاہ نے اپنی مشکل سے سوچ بچا کر اس کی سمت دیکھا تھا۔ نمرہ نے گہری سانس لی تھی۔

''نہیں، سب ٹھیک ہے۔'' وہ مطمئن نظر آنے کو مسکرائی تھی اور کافی کے سپ لینے لگی تھی۔

''تم تو گھر جانے والی تھیں نا، کیا ہوا؟ ایسے منہ کیوں اترا ہوا ہے؟'' ایلیاہ نے پوچھا تھا۔

''اب نہیں جا رہی؟'' نمرہ کا انداز مطمئن تھا۔

''کیوں؟'' ایلیاہ حیران ہوئی تھی۔

''وہاں کسی کو میری ضرورت نہیں ہے۔'' وہ اطمینان سے مسکرائی تھی اور اس کی سمت سے نظریں چرا گئی تھی۔ ایلیاہ کو ان آنکھوں میں کچھ دکھائی دیا تھا تبھی ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھا تھا۔

''کیا ہوا ایسے کیوں کہہ رہی ہو؟ تم تو چھ سال بعد گھر جانے والی تھیں نا؟ اتنی ڈھیر ساری شاپنگ کی سب کے لیے گفٹس لیے سب کو سرپرائز دینے کی ٹھانی اور اب.....؟''

''ہاں میں سرپرائز دینا چاہتی تھی چھ سال بعد وہاں جا کر مگر ابھی وہاں بہت سی ضرورتوں کو پورا کرنا باقی ہے۔ ممی نے بتایا ہے عروسہ کی شادی کے لیے بڑی رقم چاہیے اور مجھے اس کے لیے یہیں رہنا پڑے گا۔''

''مگر تم تو کچھ ہی مہینے پہلے اپنے بھائی کا یونیورسٹی میں ایڈمیشن کروا چکی ہو اور اس کے سمسٹرز کی فیس بھی بھر چکی ہو۔ پچھلے مہینے تم نے گھر بنانے کے لیے بھاری رقم بھیجی تھی اس کا کیا؟'' ایلیاہ حیران تھی۔

''میں نہیں جانتی مگر وہ سب اس وقت کی ضرورت تھی۔ اب نئی ضرورتیں منہ کھولے کھڑی ہیں اور اس کے لیے میرا پاکستان جانے کا ٹرپ منسوخ کرنا ضروری ہے۔ ممی نے کل کہا پیسوں کی سخت ضرورت ہے اور میں انہیں یہ بتا نہیں سکی کہ میں آپ سب سے ملنے کو کتنی بے قرار تھی اور کتنی ڈھیر ساری شاپنگ بھی کر چکی تھی۔'' وہ سر جھکائے کہہ رہی تھی۔ ایلیاہ کو افسوس ہو رہا تھا۔

''اوہ یہ ٹھیک نہیں ہوا، نا تم اگر آنٹی کو بتا دیتیں تو.....!''

''اس سے کچھ نہیں ہوتا۔ نمرہ اس کی بات کاٹ کر بولی۔

''لڑکیوں کے کاندھوں پر ساری ساری ذمہ داریاں ڈال دینے سے ان کے خواب مر جاتے ہیں نمرہ اور وہ اس کی شکایت بھی کسی سے نہیں کر سکتیں۔ دیکھو تم کتنی اسٹرگل کر رہی ہو۔ پچھلے چھ سال سے یہاں ہو۔ جو کماتی ہو سارا کا سارا گھر بھجوا دیتی ہو اور اس پر بھی کسی کو تمہاری کوئی پروا نہیں۔ وہ پلٹ کر یہ تک نہیں پوچھتے کہ ٹھیک بھی ہو کہ نہیں۔ گھر واپس آنا چاہتی بھی ہو کہ نہیں؟ ہمیں مس بھی کرتی ہو کہ نہیں بات ہوتی ہے تو صرف پیسے بھجوانے کی، ضرورتیں گنوانے کی، میری صورت حال مشکل ہے۔ مگر تم میری صورت حال سے کہیں زیادہ ہی مشکل ہو۔ میری طرف سارا کا سارا بوجھ اور ذمہ داری اس لیے کہ وہاں کوئی اور ایسا کرنے کے لیے نہیں ہے۔ مگر تم..... سب رشتوں کے ہوتے ہوئے بھی سب جھیل رہی ہو۔'' ایلیاہ افسوس سے بولی تھی۔

''مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے ایلیاہ تم زیادہ مت سوچو میں خوش ہوں۔ میں ان کی کوئی مدد کر رہی ہوں

جاذب کی پڑھائی مکمل ہو جائے گی تو میری ذمہ داریاں بھی پوری ہو جائیں گی۔ اپنی وے میں اپنے آفس میں تمہاری جاب کے لیے بات کروں گی تم فکر مت کرو۔'' نمرہ مشکل صورت حال سے نمٹنے کا ہنر جانتی تھی اور تھکی ہوئی تو وہ بھی نہیں تھی۔ مگر اسے فی الحال سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس سچوایشن سے کس طرح باہر نکلا جائے۔

وہ گھر کے قریب تھی۔ بارش کے باعث سڑک پر کچھ پھسلن تھی۔ وہ اپنی سوچوں میں تھی۔ تبھی ایک دم سے پاؤں پھسلا اور وہ اپنا توازن برقرار رکھنے کی کوشش میں گھٹنوں کے بل زمین پر آ رہی اسی وقت اس کے سامنے سے آتی ہوئی کار کے ٹائر چرچرائے تھے۔ وہ اپنی آنکھیں خوف سے بند کر گئی تھی۔ اس نے ڈرتے ڈرتے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ گاڑی کی ہیڈ لائٹس اس کی آنکھوں پر پڑ رہی تھی۔ اس نے آنکھوں پر کلائی رکھ لی تھی۔ تبھی گاڑی کا دروازہ کھول کر کوئی باہر نکلا اور اس کے قریب آن رکا۔ ایلیاہ نے اسی طرح گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھے ہوئے آنکھوں پر سے بازو ہٹا کر دیکھا تھا۔ کوئی اسے خشمگین نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''آپ کو مرنے کا بہت شوق ہے لیکن اس کے لیے میری ہی گاڑی کا انتخاب کیوں؟ آپ کو کوئی اور گاڑی نہیں ملی؟'' کسی نے اسے لتاڑا تو وہ چندھائی ہوئی آنکھوں کو دیکھنے کے قابل بنانے کی سعی کرتے ہوئے اپنی دونوں آنکھوں سے اس بندے کو گھورنے لگی تھی۔ لمحہ بھر توقف سے اس کی آنکھیں اس قابل ہوئی تھی کہ وہ سامنے کھڑے لمبے چوڑے بندے کو دیکھ پائی تھی۔

''اب اس طرح کیا دیکھ رہی ہیں؟ گاڑی کے سامنے سے ہٹنے کا موڈ ہے یا نہیں؟'' اس شخص کا موڈ خراب تھا یا اسے دیکھ کر خراب ہو گیا تھا؟ وہ اخذ نہیں کر پائی تھی۔ بس خاموشی سے اس شخص کو دیکھا تھا اور اس کے معصوم انداز میں اس کی سمت دیکھنے سے اثر یہ ہوا تھا کہ اس شخص نے اپنا ہاتھ اس کی سمت مدد کے لیے بڑھا دیا تھا۔ جسے ایلیاہ میر نے حیرت سے دیکھا تھا۔

''اب ایسے کیا دیکھ رہی ہیں، ہاتھ دیجیے۔'' وہ مدد کی بھرپور پیشکش کرتا ہوا بولا۔ ایلیاہ نے تب بھی اپنا ہاتھ اس کی سمت نہیں بڑھایا تھا۔ اس بندے کو شاید ایلیاہ پر ترس آ گیا تھا۔ تبھی لمحہ بھر کو اسے خاموشی سے دیکھنے کے بعد اُس نے گھٹنوں کے بل جھک کر اس کے قریب بیٹھ کر پوچھا۔

''آپ ٹھیک تو ہیں کہیں کوئی چوٹ تو نہیں آئی؟'' اس کے توجہ سے پوچھنے کا اثر تھا کہ وہ وی زدو رنج ہو رہی تھی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے تھے۔

''اوہ آپ کا پروگرام تو لمبا لگ رہا ہے۔ ٹھیک ہے آپ یہاں بیٹھ کر آنسو بہائیے میں جاتا ہوں میں صرف یہ تسلی کرنا چاہتا تھا کہ آپ ٹھیک تو ہیں۔'' وہ شخص اتنا بے حس ہو سکتا ہے ایلیاہ کو سوچ کر ہی غصہ آیا تھا اور اپنے انتہا سے زیادہ حساس ہونے پر بھی جی بھر کے ملال ہوا تھا۔ اسے اپنے یہ آنسو اس طرح کسی کے سامنے بہانا نہیں چاہیے تھے۔ وہ شاید یہی سمجھ رہا تھا کہ وہ کوئی فضول سی لڑکی ہے اور.....!

یہی سوچ کر اس نے اٹھنے کی کوشش کی تھی اور گھٹنے کی چوٹ کے باعث کراہ کر رہ گئی تھی۔ اس اجنبی نے جو

اپنی گاڑی کی طرف پلٹ رہا تھا مڑ کر اسے دیکھا تھا اور پھر جانے کیوں اس کے قریب آیا اور مدد کو ہاتھ دوبارہ اس کی سمت بڑھا دیا تھا۔

ایلیاہ نے اس کا پھیلا ہوا ہاتھ دیکھا تھا اور پھر جانے کیا سوچ کر اس کے پھیلے ہوئے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور اٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

''آپ کو چوٹ زیادہ لگی ہے تو اسپتال لے چلوں؟'' اس بندے نے پیشکش کی تو ایلیاہ نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''اچھا کہاں رہتی ہیں آپ، گھر ڈراپ کر دوں؟'' وہ مہربان بننے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔

''اس کی ضرورت نہیں۔'' وہ سپاٹ لہجے میں کہتے ہوئے اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نکال کر ایک سمت کھڑی ہو گئی تھی۔ اس شخص نے اسے بغور دیکھا تھا۔ شاید وہ بھی لیا دیا انداز رکھنے والا تھا یا پھر وہ جلدی میں تھا اور اس میں دلچسپی نہیں رکھتا تھا۔ تبھی گاڑی کا دروازہ کھول کر بیٹھا اور گاڑی آگے بڑھا لے گیا۔ ایلیاہ میر نے بھی کوئی خاص نوٹس نہیں لیا اور زخمی گھٹنے کے ساتھ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی گھر کے اندر داخل ہوئی تھی اس کا ارادہ لینڈ لیڈی کا سامنا کرنے کا قطعاً نہیں تھا۔ اس نے کمرے کا رینٹ مانگنا تھا اور وہ فی الحال اس حملے کے لیے تیار نہیں تھی۔ تبھی نظر بچا کر چلتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ بیگ ایک طرف رکھ کر جب وہ گھٹنے کا زخم دیکھ رہی تھی تبھی فون بجا تھا۔ ثناء کا نام دیکھ کر اس نے کال پک کرنے میں ایک لمحے کی بھی تاخیر نہیں کی تھی۔

''آپا آپ ٹھیک تو ہیں؟ میں کافی دیر سے آپ کا نمبر ٹرائی کر رہی تھی۔ آپ کال پک کیوں نہیں کر رہی تھیں؟'' دوسری طرف ثناء نے فکر سے پوچھا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں۔'' وہ گھٹنے پر اینٹی سپٹک لگاتے ہوئے سسکی تھی۔

''کیا ہوا؟ آپ ٹھیک تو ہیں نا؟'' ثناء کو فکر ہوئی تھی۔

''کچھ نہیں ہوا سب ٹھیک ہے تم کیسی ہو؟ جای کہاں ہے، کئی دنوں سے اس نے فون نہیں کیا؟''

''وہ اپنے سمسٹر میں بزی تھا اور اس کے بعد اسے اسائنمنٹ جمع کراونا تھے۔ اس کے نئے سمسٹر کی فیس بھرنا تھی۔ آپ نے کہا تھا پیسے بھجوا رہی ہیں ابھی تک اکاؤنٹ میں پیسے آئے نہیں۔''

''ہاں میں تمہیں ویسٹرن یونین سے پیسے بھجوانے والی تھی مگر......!''

''مگر کیا آپا؟''

''میں رقم جلد بھجواؤں گی ثناء تم فکر مت کرو۔ تمنا کی اسٹڈی کیسی چل رہی ہے؟ تمہیں فون کرتی ہے یا نہیں؟''

''کرتی ہے مگر اس کی اسٹڈی ٹف ہے سو زیادہ ٹائم نہیں ملتا اور دو چار سال میں ڈاکٹر بن جائے گی تو آپ کا کافی آرام مل جائے گا۔ ابھی تو ساری ذمے داریوں کا بوجھ آپ کے کاندھوں پر ہے اور......!''

''ایسا نہیں ہے ثناء، میں ایسا نہیں سمجھتی یہ بوجھ نہیں ہے میری ذمہ داری ہے تم لوگوں میں تم سب کا حصہ ہوں، تم سب کے علاوہ میرا کون ہے؟ ہم ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ سو ایک دوسرے کی طاقت بھی ہیں۔'' ایلیاہ میر نے کہتے ہوئے گھٹنے کے زخم کو پٹی سے چھپایا تھا۔

''میں دو چار دنوں میں پیسے بھجوا دوں گی تم جا کر گروسری کر آنا اور ہاں جامی سے کہنا بائیک زیادہ تیز مت چلائے ورنہ میں آؤں گی تو اس کے خوب کان کھینچوں گی۔''

''یونیورسٹی سے سرٹیفکیٹ مل گیا آپ کو؟ میں نے نیوز پیپر میں پڑھا تھا آج کل یو کے میں اسٹوڈنٹس کے لیے انہوں نے اپنی پالیسیز کافی سخت کر دی ہیں۔ اب آپ اسٹڈی کے بعد وہاں رک نہیں سکتیں۔ میں نے پڑھا تھا کہ اسٹوڈنٹس صرف چائے بسکٹ پر گزارا کر رہے ہیں۔ مجھے آپ کی بہت فکر ہو رہی تھی۔ آپ کو دبئی کی جاب چھوڑ کر یو کے جانے کا فیصلہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ یو کے اسٹوڈنٹ ویزا پر جانا بہت بڑا رسک تھا۔ اگر کچھ غلط ہوتا تو.....!'' ثناء فکرمندی سے بولی۔

''کچھ غلط نہیں ہوگا ثناء۔ میرے پاس دو دو ایم بی اے کی ڈگریاں ہیں اب.....اگرچہ یہاں سے کیے گئے ایم بی اے کی ڈگری ابھی نہیں ملی مگر جلد یا بدیر مل ہی جائے گی پھر میں پی ایس ڈبلیو کے لیے اپلائی کروں گی اور دو سال کے لیے لیگلی یہاں رہ سکوں گی اور کام بھی کر سکوں گی۔ اگر ایسا کچھ نہیں ہوتا تو میں جانتی ہوں مجھے کیا کرنا ہے۔ تمہیں اس کے لیے فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اپنی ذمہ داریوں کو خوب سمجھتی ہوں ثناء۔ میرے ہوتے ہوئے تم لوگوں کو کوئی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے جو بھی کیا جو بھی فیصلہ لیا تم لوگوں کو ذہن میں رکھ کر لیا۔ دو سال بہت ہوتے ہیں۔ دو سال یہاں ٹک جانے کا مطلب ہے تمنا کے میڈیکل کی تعلیم مکمل ہو جانا۔ تمہارا بی اے مکمل ہو جانا اور جامی کا ہائی اسکول پاس کر لینا۔ اس کے بعد میں کہیں بھی جا کر کوئی بھی اچھی جاب کر سکتی ہوں۔ میں یہاں مستقل قیام کا سوچ کر نہیں آئی صرف تم لوگوں کا اچھا فیوچر جو میری نظر میں ہے اور دو سال اس کے لیے کافی ہیں۔'' ایلیاہ میر اسے سہولت سے سمجھاتے ہوئے بولی۔

''اچھا سنو ثناء میں تم سے بعد میں بات کرتی ہوں مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے تھوڑی پیٹ پوجا کرنے دو۔''

''آپ کھانا کھانے کے بعد Skype پر آئیں گی نا؟ ہم نے کئی دنوں سے آپ کو نہیں دیکھا۔''

''ٹھیک ہے ثناء میں بات کرتی ہوں۔'' ایلیاہ میر نے کہہ کر سلسلہ منقطع کیا تھا اور اٹھ کر واش روم میں گھس گئی۔

صبح اٹھ کر اس نے ای میلز چیک کیں مگر کسی اپلائی کی گئی جاب کا جواب نہ پا کر اس کا چہرہ اتر گیا تھا۔ اس نے بریک فاسٹ کیے بنا کوٹ پہنا تھا اور اٹھ کر باہر نکل آئی تھی۔ اسٹریٹ پر ایک طرف چلتے ہوئے وہ سیل فون پر نمرہ کا نمبر ملانے لگی تھی۔ وہ شاید اس وقت سو رہی تھی تبھی کال پک نہیں کی تھی۔ وہ بینک آئی اور اپنے اکاؤنٹ سے کچھ رقم نکلوا کر ثناء کو بھجوائی اور ایک ریسٹورنٹ میں آن بیٹھی تھی۔ کافی کے سپ لیتے ہوئے ایک گہری سانس خارج کی تھی اور سامنے نگاہ اٹھا کر دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک چمک سی کوندی تھی۔ جیسے ایک امید کی کرن دکھائی دی تھی اور دوسرے ہی پل اٹھ کر وہ اس طرف چل پڑی تھی۔ نمرہ نے کچھ دن پہلے اسے ایک کارڈ تھمایا تھا اس کے کسی جاننے والے کی کمپنی تھی شاید یہاں کچھ بات بن سکتی تھی۔

''جی کس سے ملنا ہے آپ کو؟'' ریسپشنسٹ نے شستہ انگریزی میں پوچھا تھا۔

''وہ 'میں' مجھے ریان حق سے ملنا ہے۔'' اس نے مٹھی میں دبا کارڈ دیکھ کر روانی سے کہا تھا۔ ریسپشنسٹ نے اسے بغور دیکھا تھا۔

''آپ کی کوئی اپائنمنٹ ہے۔''

''نہیں، مگر.....!''

''آپ ان سے نہیں مل سکتیں۔'' اس کے دوٹوک جواب نے اس کی آخری امید بھی توڑ دی تھی۔ وہ اس سے زبردستی کیسے ملتی؟ اس نے ریسپشنسٹ کو دیکھا کچھ سوچا اور پھر پوچھا۔

''وہ آپ کے بائیں جانب پیچھے دیوار پر کیا سائن ہے؟ اس کا کیا مطلب ہے؟ کلف لگی گردن والی اس خاتون نے اپنے سپاٹ چہرے کو کچھ موڑا اور یہی وقت تھا جب وہ ایک ہی جست میں اندر کی جانب بڑھ گئی تھی ریسپشنسٹ اس کے پیچھے چیخی تھی۔

''ہے لڑکی..... کوئی روکو اسے۔'' وہ پورے زور سے حلق پھاڑ کر چلائی مگر ایلیاہ میر نے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا اور سیدھی چلتی ہوئی سی ای او کے روم کے سامنے آن رکی تھی۔ بنا کچھ سوچے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا تھا اور بنا اجازت لیے اندر داخل ہوگئی تھی۔

''ایکسکیوزمی' آئی ایم ایلیاہ میر۔'' وہ پورے جوش سے بولی تھی۔ تبھی چیئر پر بیٹھے شخص نے سر اٹھا کر اس کی سمت دیکھا اور وہ اپنی جگہ بت بن گئی تھی۔ سامنے چیئر پر وہی شخص براجمان تھا جس کی گاڑی کے سامنے وہ اس رات آئی تھی۔ وہ شخص اسے دیکھ کر چونکا تھا۔

''جی آپ یہاں کیسے؟'' وہ بنا کسی اپائنمنٹ لیے اس کے اپنے روم میں گھس جانے پر حیران ہوا تھا اور اسے خشمگین نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ایلیاہ میر نے ابھی کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا جب سکیورٹی نے اسے آن دبوچا تھا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے یہ کس قوم کا رویہ اپنا رہے ہیں میرے ساتھ؟'' وہ چیخی تھی۔ مگر ہٹے کٹے سکیورٹی اہلکاروں نے اسے چھوڑا نہیں تھا۔ ایلیاہ میر نے سامنے چیئر پر بیٹھے شخص کو گھورا تھا۔

''ایسے خاموش بیٹھے کیا دیکھ رہے ہیں آپ؟ آپ کی کنٹری سے ہوں کچھ تو لحاظ کریں یہاں بم چھوڑنے نہیں آئی۔ آپ سے ملنے آئی ہوں۔ کم از کم اس طرح کا سلوک نہ کریں۔'' وہ غصے سے اردو میں گویا ہوئی تھی۔ ریان حق نے اسے جانچتی نظروں سے دیکھا تھا اور پھر سکیورٹی اہلکاروں کو اسے چھوڑنے کا اشارہ دیا تھا۔

''آپ جائیں یہاں سے۔'' اس کے حکم پر دونوں اہلکار باہر نکل گئے تھے۔ ایلیاہ میر نے گہری سانس لیتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

''شکر ہے بات آپ کی سمجھ میں تو آئی۔ چلو پرائے دیس میں ایک دیسی کی ہیلپ تو نصیب ہوئی۔'' اس نے طنز کیا۔

''آئی ایم برٹش۔'' وہ جتاتا ہوا بولا تھا۔ اس مختصر جملے میں کوئی نفی تھی نا کوئی مثبت اعلان۔ مگر ایلیاہ میر نے اسے

جانچتی نظروں سے دیکھا ضرور تھا۔ مگر وہ مزید کچھ کہہ کر بات بگاڑنا نہیں چاہتی تھی۔ تبھی سہولت سے بولی تھی۔

''مجھے نمرہ نے آپ کا کارڈ دیا تھا۔ آپ ان کی کسی کزن کے ریلیٹو ہیں۔'' اس نے مدعا بیان کیا تھا۔ اس نے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی تھی۔ تبھی وہ گہری سانس خارج کرتا ہوا بولا تھا۔

''مس آپ کوئی بھی ہیں مگر اس وقت انگلینڈ میں کساد بازاری چل رہی ہے۔ ہم اپنا اسٹاف کم کر رہے ہیں۔ بہت سے قابل لوگ اپنی جابز سے ہاتھ دھو رہے ہیں۔ ہمیں اپنی کمپنی کو بچانا ہے۔ اس کی ساکھ کو بچانا ہے اور اس کے لیے ہم بہت سا غیر ضرورت اسٹاف بھرتی نہیں کر سکتے۔ ہم مقامی لوگوں کو جابز سے برخاست کر رہے ہیں اور آپ تو یہاں کی ہیں بھی نہیں۔ یوں بھی ہم صرف لوکل لوگوں کو ہی جابز دینے کی پر پابند ہیں۔ میں کمپنی پالیسی کے خلاف نہیں جا سکتا۔'' اس کا لہجہ معذرت خواہانہ تھا۔ اس شخص کا چہرہ اس رات سے زیادہ سپاٹ تھا۔ وہ اسے گھورنے لگی تھی پھر سلگ کر بولی۔

''روبوٹ ہیں آپ، ایک انسان کی مجبوری دکھائی نہیں دیتی آپ کو؟ صرف لوکل لوگ ہی انسان ہیں ہم فارنرز نہیں۔ باصلاحیت ہوں میں اگر آپ مجھے جاب دیں تو میں پروف کر سکتی ہوں میں غلط انتخاب نہیں ہوں۔ آپ یہ فائل دیکھیں۔ میں نے ایک ایم بی اے پاکستان سے کیا ہے ایک یہاں کی مقامی یونیورسٹی سے کیا ہے۔ میں نے اپنے دو سالہ قیام کے دوران اچھی کمپنیز کے ساتھ کام کیا ہے۔ اگرچہ پارٹ ٹائم ہی مگر مجھے یہاں کی ٹاپ کمپنیز کے ساتھ کام کرنے کا تجربہ ہے آپ اس طرح مجھے نا نہیں کر سکتے۔'' اس نے فائل آگے رکھی تھی۔ ریان حق نے بنا دیکھے فائل بند کر دی تھی۔

''وہاٹ ایور، بات آپ کی سمجھ میں آ جانی چاہیے۔ ہمیں ابھی ویل ریپوٹڈ کمپنیز کی فہرست میں آنا ہے اور اس کے لیے ہمیں اپنی بقاء کو بنائے رکھنا بہت ضروری ہے۔ اس وقت کسی بھی غیر مقامی کو جاب دینا رسک ہو سکتا ہے۔ اس کمپنی پر ہم فالتو کا بوجھ نہیں لاد سکتے۔ آئی ایم سوری۔'' وہ معذرت کر رہا تھا۔ عجیب بے حس شخص تھا۔

''کس قسم کے انسان ہیں آپ بات سمجھ نہیں آئی آپ کے جو مقامی ہیں صرف وہی انسان ہیں اور ہم کیا کریں۔''

''میں نہیں جانتا۔ آپ اپنی کنٹری میں واپس جا سکتی ہیں اگر آپ کے لیے یہاں صورت حال مشکل ہو گئی ہے تو گو بیک ہوم.....!'' وہ سفاک لہجے میں بولا۔

''میری کنٹری؟ اور وہ آپ کی بھی تو کنٹری ہے؟ دیار غیر میں اپنے دیس کے کسی بندے کی مدد کر دیں گے تو کیا بگڑ جائے گا آپ کا؟''

''مس.....!''

''ایلیاہ میر..... ایلیاہ میر نام ہے میرا۔ بے نام نہیں ہوں میرے نام سے بلا سکتے ہیں آپ مجھے۔ غیر مقامی لوگوں کو ان کے نام سے بلانا یقیناً کمپنی پالیسی کا حصہ نہیں ہو گا اور آپ کے مشورے کے لیے بھی شکریہ۔ میں ڈھونڈ لوں گی راستہ، گھر واپس چلی جاؤں گی۔ یہاں میں اپنی مرضی اور شوق سے نہیں آئی ہوں۔ میری ڈگری پھنسی ہوئی ہے۔ آپ کے اس انگلینڈ کے دو نمبر کے گھٹیا لوگوں نے پیسا بنانے کے لیے جو انٹرنیشنل اسٹوڈنٹس کو

ہائر کرنے کے لیے گھٹیا کالج اور کیمپس بنائے ہیں نا۔ وہ ٹائم پر سرٹیفکیٹ بھی جاری نہیں کرتے۔ کمانا آتا ہے آپ لوگوں کو خوب کمار ہے ہیں دونوں ہاتھوں سے۔ پیٹ بھر بھر کر کھا رہے ہیں مگر ہم اسٹوڈنٹس بسکٹ اور کافی کو بھی ترس رہے ہیں اور قصور کس کا ہے؟ آپ لالچی لوگوں کا جو انٹرنیشنل اسٹوڈنٹس کو ہائر کرنے کے لیے بہت تگ و دو کرتے ہیں۔ انہیں سہانے خواب دکھاتے ہیں اور یہاں اپنی گھٹیا پالیسیز کی نذر کر دیتے ہیں۔ لالچ کی بھی حد ہوتی ہے۔ انٹرنیشنل اسٹوڈنٹس کو ہائر کرتے ہوئے کیوں بوجھ نہیں پڑتا آپ کی اکانومی پر؟ تب کیوں کساد بازاری دکھائی نہیں دیتی؟ تب کیوں صرف فائدہ دکھائی دیتا ہے؟'' وہ جذباتی انداز میں بولی تھی۔ سامنے بیٹھے ہوئے شخص نے اسے اکتائے ہوئے انداز میں دیکھا تھا۔ پھر گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولا تھا۔

''لسن مس ایلیاہ میر۔ بات اگر لالچ کی ہے تو آپ بھی صرف لالچ کے لیے ہی اس کنٹری میں آئی ہیں۔ ایک اچھے مستقبل کا لالچ آپ کو کھینچ کر لایا ہے یہاں۔ یہ بات عام ہے کہ انگلینڈ کی اس وقت کیا حالت ہے۔ انٹرنیشنل اسٹوڈنٹس آنکھیں بند کیے نہیں بیٹھے کہ انہیں حقائق کی خبر نہ ہو۔ سچ تو یہ ہے کہ آپ یہاں پارٹ ٹائم جاب کر کے بھی اتنا کما سکتی ہیں جتنا اپنی کنٹری میں آٹھ دس مہینوں میں کمائیں گی۔ یہ آپ کا لالچ ہی تو ہے جو سختیاں جھیلنے کے لیے آپ کو یہاں ٹھہرنے پر مجبور کرتا ہے۔ لالچ کس میں نہیں ہے؟ سبھی لالچی ہیں اینی وے میرا وقت بہت قیمتی ہے ہم مزید بات نہیں کر سکتے۔ اب آپ جا سکتی ہیں۔'' سپاٹ لہجے میں کہہ کر ریان حق نے اس کی فائل اس کے سامنے رکھی تھی اور اٹھ کر کھڑا ہوا تھا۔ تب ساکت بت بنی ایلیاہ میر کو بھی اٹھنا پڑا تھا۔ وہ خاموشی سے باہر نکل آئی۔

لڑ کر، جھگڑا کر کے یا ہم وطنی کا واسطہ دے کر وہ حاصل نہیں کر سکتے جس کی ہمیں اشد ضرورت ہے۔ اس کے پاؤں میلوں چلتے رہے تھے اور جب اپنے کمرے میں آ کر اس نے اپنے وجود کو بستر پر ڈالا تو اسے کوئی احساس نہیں تھا۔ سارا وجود جیسے بے حس تھا۔ تھکن کا کوئی احساس بھی نہیں تھا۔

وہ ایک برے وقت سے گزر رہی تھی۔ مگر وہ اپنے پیاروں کو ان حالات میں اکیلا نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ اس کے کاندھوں پر ذمہ داری تھی ان کی۔ وہ خود چاہے کتنا بھی سفر کرتی مگر وہ انہیں سفر کرتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ مگر وہ کیا کر سکتی تھی؟ فی الحال کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ ذہن پوری طرح سے ماؤف تھا۔ اس پاکستانی، دیسی دکھائی دینے والے ریان حق نے بہت اچھی طرح اس کی عقل ٹھکانے لگائی تھی۔

ہاں یہ اس کا لالچ ہی تو تھا۔

لالچی ہی تو ہو گئی تھی وہ جو اپنی اچھی خاصی دبئی کی جاب کو لات مار کر یہاں چلی آئی۔ مگر کس کے لیے؟ یہ اس کی اپنی خود کی غرض نہیں تھی۔ یہ اس کی فیملی کی بہتر سپورٹ کے لیے تھا۔ وہ اتنا کمانا چاہتی تھی کہ گھر چل سکے۔ ثناء، جامی اور تمنا کے اخراجات اٹھا سکے۔ انہیں پڑھا لکھا کر اچھا انسان بنا سکے۔ بس یہی تو چاہتی تھی وہ یہی تو تھا اس کا لالچ تو کیا غلط تھا اس میں۔

گرم گرم آنسو آنکھوں کے کناروں سے نکل کر بالوں میں جذب ہونے لگے تھے۔ وہ تنہا کھڑی تھی۔

بہت تنہا۔ کسی کو قصوروار نہیں ٹھہرا سکتی تھی۔

اس کا دل چاہا تھا ریان حق کا منہ نوچ لے۔ مگر اس کا بھی کیا قصور تھا۔ وہ مقامی روبوٹ تھا جو صرف فائدے کے لیے پروگرام کیا گیا تھا۔ وہ فائدے سے ہٹ کر نہیں سوچ سکتا تھا۔ وہ اسے یا اس جیسے کسی اور کو الزام نہیں دے سکتی تھی۔

وہ یہاں ٹھہرنا چاہتی تھی یہ اس کی مجبوری تھی۔ مزید دو سال یہاں رہ کر کمانا چاہتی تھی کیونکہ یہی اس کے حق میں بہتر تھا۔ کوئی اور اس کی مجبوری کیوں سمجھتا۔ وہ کیوں کسی سے فائدہ چاہ رہی تھی۔ پچھلے کئی دنوں سے اس نے پیٹ بھر کر نہیں کھایا تھا۔ اس کی روم میٹ کچھ خرانٹ تھی مگر اس کی کیفیت دیکھ کر اس نے اپنا فوڈ اس کے ساتھ شیئر کر لیا تھا۔ وہ رشین لڑکی تھی وہ بھی اسٹوڈنٹ تھی مگر ابھی اس کی اسٹڈی اور ویزا دونوں ختم نہیں ہوئے تھے۔ سو اسے ان حالات کا سامنا نہیں تھا جن کا ایلیاہ میر کو تھا۔ وہ بہت زیادہ مددگار نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ خود بھی پارٹ ٹائم جاب کرتی تھی اور اپنے بوائے فرینڈ کا خرچہ بھی اٹھا رہی تھی جو کہ مقامی تھا اور آج کل بے روزگار تھا۔ نہ ہی ایلیاہ اس سے روز مدد مانگ سکتی تھی۔ اس کی خودداری اسے اس کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ اس نے لیپ ٹاپ کھول کر سائٹس پر اپنی سی وی چھوڑ دی تھی۔ شاید اس سے کوئی راہ مل سکتی۔ اس نے اپنے لائر سے بات کی تھی۔

''مجھے جاب چاہیے۔ اس کے لیے مجھے وہ پیپر ایوی ڈینس کے طور پر چاہیے جو میں نے اپنے Post) study work) کے لیے (Uk Border Agency) میں جمع کروائے ہیں۔ کیا اس کی فائل مجھے آپ آج بھجوا سکتے ہیں؟ یا میں آپ کے آفس آ جاؤں؟''

میں آج کچھ بزی ہوں مگر اس کے لیے مجھے UKBA جانا ہوگا۔ تبھی کچھ ہو سکتا ہے۔ آپ بڑی کمپنیز کی بجائے چھوٹی جابز پر دھیان دیں۔ کسی ریسٹورنٹ یا پھر اسٹور یا شاپ کوئی بھی جاب بڑی یا چھوٹی نہیں ہوتی مس میر۔ میں نے یہاں MBA کیے لوگوں کو مچھلی پیک کرتے تک دیکھا ہے۔ جو کہ انتہائی گھٹیا کام سمجھا جاتا ہے مگر اس کی ایک دن کی آمدنی بھی خاصی معقول ہے۔ آپ پریشان مت ہوں خدا کوئی راہ ضرور دکھائے گا۔'' وہ لائر شاید کوئی اچھا انسان تھا جو اس کی حالت کو سمجھ رہا تھا۔ اس نے سلسلہ منقطع کیا تھا۔

''تو کیا اسے بھی مچھلیاں پیک کرنے کا کام کرنا ہوگا؟'' وہ اپنا کوٹ پہن کر باہر نکلتے ہوئی سوچ رہی تھی۔ جان پہچان کے بنا کہیں بھی جاب حاصل کرنا ممکن نہیں تھا اور وہ تھک کر نمرہ کے پاس آئی تھی۔ وہ کہیں جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی۔

''کہاں جا رہی ہو تم؟'' ایلیاہ میر نے پوچھا۔

''مسز حیات کے یہاں ایک تقریب سے انہوں نے انوائٹ کیا ہے تم میرے ساتھ آنا چاہو گی؟'' آئینے میں اس کے عکس کو مسکراتے ہوئے دیکھا۔

''لیکن میں تو انوائٹڈ نہیں۔'' وہ سرد لہجے میں کہہ کر کاؤچ میں دھنس گئی تھی۔ نمرہ نے اسے آئینے میں بغور دیکھا تھا۔

''تمہاری جاب کا کیا بنا؟ تم ریان حق سے ملنے گئی تھیں؟''

''ہاں گئی تھی مگر اس نے کہا وہ صرف مقامی لوگوں کو جابز دیتا ہے۔''

نمرہ کو بہت لاچار اور تھکی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ تبھی اسے مسکرا کر دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

''تم میرے ساتھ چلو ہو سکتا ہے کوئی بات بن جائے؟ میں مسز حیات سے بات کروں گی۔ وہ ایم ڈی کے کافی قریب ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ کچھ مدد کر سکیں۔ ملنے جلنے سے ہی کوئی راہ نکل سکتی ہے نا۔ ہم کوشش تو کر سکتے ہیں۔'' وہ راہ دکھا رہی تھی۔ وہ جانے پر مائل نہیں تھی مگر جانے کیا سوچ کر اس کے ساتھ چل پڑی تھی۔ وہاں آ کر اسے اندازہ ہوا تھا۔ اس تقریب کے لیے اس کا حلیہ خاصا غیر مناسب اور نامعقول تھا۔ اس نے خود کو مس فٹ محسوس کیا تھا۔

''نمرہ میں نے تم سے کہا تھا یہ مناسب نہیں مجھے بہت برا محسوس ہو رہا ہے۔ میرا حلیہ دیکھو کسی ڈرنگ سرو کرتی ویٹرس سے زیادہ نامعقول لگ رہی ہوں۔'' اس نے نمرہ کے کان میں سرگوشی کی۔ نمرہ مسکرا دی تھی۔

''ڈینس او کے اس سب کے بارے میں مت سوچو۔ یہ جو سب ویٹر ویٹریس دکھائی دے رہے ہیں نا یہ بے چارے سبھی اسٹوڈنٹس ہیں جو تقریب میں شریک سبھی لوگوں سے زیادہ پڑھے لکھے اور معقول ہیں۔ مجبوری کیا کیا کرواتی ہے۔ اس کا اندازہ تم سے زیادہ بہتر کون کر سکتا ہے۔ کئی کوالیفائیڈ انجینئر، سافٹ ویئر انجینئر، میڈیا پرسنز، ایم بی ایز ان کی چاکری کر رہے ہیں۔ دیکھا جائے تو کافی خوش نصیب قوم ہے یہ جو اتنے پڑھے لکھے لوگوں کو اپنے پاؤں کے نیچے دبائے ہوئے ہے۔ دیکھو یہ قوم کل بھی راج کر رہی تھی اور آج بھی ہم پر قابض ہے۔'' نمرہ مسکرائی تھی۔ وہ اس کی بات سے انکار نہیں کر سکی تھی۔ مگر ترقی کا راستہ یہیں سے ہو کر تو گزرتا تھا۔ یہیں سے سارے خوابوں کی راہ ملتی تھی۔ سبھی پرابلمز کا حل بھی ملتا تھا۔ شاید یہی بات سب کو یہاں باندھے ہوئے تھی ویسے ہی جیسے وہ خود بندھی تھی۔

''نمرہ مجھے چلنا چاہیے۔ یہ ٹھیک نہیں ہے دیکھو مجھے سب کس طرح اور کیسی نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔'' وہ نمرہ کے کان کے قریب بولی تھی مگر نمرہ نے اس پر توجہ نہیں دی تھی۔ وہ اس وقت سامنے کھڑے ایم ڈی کی طرف دیکھ کر مسکرائی تھی۔ اسے ہاتھ ہلایا تھا اور پھر آگے بڑھ گئی تھی۔ ایلیاہ میر نے دیکھا تھا وہ غائب تھی۔ وہ کچھ سوچ کر پلٹی ارادہ اس تقریب سے نکل جانے کا تھا تبھی وہ کسی سے بری طرح ٹکرائی تھی۔

''اف۔'' ناک پر جیسے کوئی فولاد ٹکرایا تھا۔ اس کی سسکی نکلی تھی۔ شاید وہ لڑکھڑانے کو تھی جب کسی نے اسے تھام لیا تھا۔ ایلیاہ میر نے آنکھیں کھول کر بہ مشکل سامنے کھڑے شخص کو دیکھا تھا اور آنکھیں یکدم پوری کھل گئیں۔ اس کے سامنے ریان حق کھڑا تھا۔

''دیکھ کر نہیں چل سکتے آپ؟ یا آپ صرف مقامی لوگوں کو دیکھ کر چلتے ہیں۔'' ایک زوردار طنز کیا تھا۔ جس کا اثر ریان حق پر قطعاً نہیں ہوا تھا۔

''یہاں بھی جاب مانگنے آئی ہیں آپ۔'' اس نے رسانیت سے طنز کیا تھا۔

''اوہ۔'' ایلیاہ میر نے ہونٹ سکوڑے تھے۔ وہ انسان اپنی حیثیت اور نشے میں پوری طرح چور تھا۔ اسکا دماغ ٹھکانے لگانا بہت ضروری تھا۔

''ہاں جاب مانگنے آئی ہوں کوئی تکلیف ہے آپ کو؟'' وہ سینے پر ہاتھ باندھتی ہوئی پراعتماد انداز میں بولی۔ ریان حق نے اس کی سمت خاموشی سے دیکھا۔ کیا وہ اس کے کونفیڈنس سے متاثر ہوا تھا۔ وہ گھورتی ہوئی کوئی اور سخت بات کہنے والی تھی۔ جب نمرہ نے کہیں سے نکل کر اسے کھینچ لیا تھا۔

''میں نے حیات صاحب سے بات کی ہے تم ان سے مل لو وہاں سامنے کھڑے ہیں۔'' اس کے کان کے قریب منہ کر کے کہا تھا۔ وہ کچھ دیر خاموشی سے اس کی سمت دیکھتی رہی تھی۔ پھر بھٹکتی ہوئی نگاہ ریان حق پر گئی جو اس لمحے کسی پری وش کے ساتھ کھڑا کسی بات پر مسکرا رہا تھا۔ تو کیا مسکرانا بھی جانتا تھا وہ؟ اسے اتنا سینس تھا کہ لڑکی کو کیسے ٹریٹ کیا جاتا ہے۔ یا کیسے بات کی جاتی ہے؟ تو کیا وہ صرف مقامی لوگوں سے بات کرنے کے لیے پروگرام کیا گیا تھا؟

''اف، یہ نسل پرستی ایک بلی یا کتے کو سڑک سے اٹھا کر اسے شاہانہ زندگی دینے والے کیسے دوغلے پن کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ انسانوں کے نام پر اپنی پالیسیز کو سخت کر لیتے ہیں اور مقامی جانوروں کے لیے بھی ان کے اندر انسانیت عود کر آ جاتی ہے۔ اپنا جانور بھی خاص ہے اور دوسری کنٹری کا انسان بھی جانور سے بدتر۔'' ایلیاہ میر نے سوچا تھا اور حیات صاحب کی طرف بڑھ آئی تھی۔

''مجھے نمرہ نے.....!'' اس نے بھی منہ کھولا ہی تھا۔ جب وہ مسکرا کر بولے۔

''جانتا ہوں آپ ادھر آ کر میری بات سنیں۔'' وہ اسے شانے سے تھام کر ایک ویران گوشے میں لے گیا تھا۔ اس کے سامنے کھڑی ایلیاہ میر اسے منتظر نظروں سے دیکھنے لگی تھی۔ مسٹر حیات نے ڈرنگ کا سپ لیا تھا اور پھر مسکراتے ہوئے اس کی سمت دیکھا۔

''مس میری بات اتنی سی ہے کہ آج کل کساد بازاری کا دور ہے اور.....!''

''جانتی ہوں نئی بات کریں۔'' وہ اکتا کر بولی۔ وہ اس کے تیور دیکھ کر مسکرایا تھا۔

''خاصا ایٹی ٹیوڈ ہے آپ میں اور خوداعتمادی بھی مگر اپنی کنٹری میں سب چلتا ہے یہاں نہیں۔ یہاں کچھ کو آپریٹ کرنا پڑتا ہے۔'' اس کی مسکراہٹ میں لین دین کا معاملہ تھا وہ چونکی تھی۔

''مطلب۔'' سوالیہ نظروں سے مسٹر حیات کو دیکھا تھا۔

''مطلب مس میر میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔ اگر کچھ مدد آپ میری کر دیں تو؟''

اس کی مسکراہٹ معنی خیز تھی۔ ایلیاہ میر کا دل چاہا تھا کہ اس کا منہ نوچ لے۔ یہ شخص اس کارپوریٹ روبوٹ سے زیادہ گھٹیا لگا تھا۔ اس نے اپنے براؤن بیلٹ ہونے کا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے ہاتھ کا ایک بھرپور پنچ بنا کر اس کے منہ پر مارا تھا۔ مسٹر حیات کو سمجھنے اور سوچنے کا وقت نہیں ملا تھا۔ جب تک وہ سنبھلا وہ وہاں سے باہر نکل آئی تھی۔ اسے بے حد غصہ آ رہا تھا سامنے پارکنگ میں ریان حق کی گاڑی دیکھ کر وہ رکی تھی۔ غصہ کہیں تو نکالنا

تھا۔ اس نے ہیئر پن بالوں سے نکال لی تھی اور اس کی گاڑی کے ٹائروں کی ہوا نکال دی تھی اور ایک گہری سانس لے کر اطمینان سے چلتی ہوئی وہاں سے نکل آئی تھی۔ اپنے بیڈ پر خالی پیٹ لیٹے ہوئے اسے ایسا کرنے پر کوئی ملال نہیں تھا۔ نہ کوئی پچھتاوا رات کے کسی پہر نمرہ کی کال آئی تھی۔

''تم وہاں سے اتنی جلدی کیوں چلی آئیں؟ وہ بھی مجھے بنا بتائے بات ہوئی حیات صاحب سے۔ کیا کہا انہوں نے؟'' نمرہ اس کی سچی پکی خیر خواہ تھی۔ مگر بات فی الحال بن نہیں رہی تھی۔ شاید مسٹر حیات نے اسے پنچ والی بات نہیں بتائی تھی۔ تبھی وہ کہہ رہی تھی یہ سب۔

''کچھ نہیں ہوا نمرہ جاب حاصل کرنا اتنا آسان نہیں ہے تم تو جانتی ہو۔ ایلی وے مدد کرنے کے لیے شکریہ تم بہت ساتھ دے رہی ہو میرا۔''

''تم نے کچھ کھایا بھی ہے کہ نہیں؟ پیسے..... وہ تمہارے پاس پیسے نہیں ہیں نا، جانتی ہوں میں، میں کل آفس جانے سے پہلے.....!''

''نہیں نمرہ اس کی ضرورت نہیں تھینکس تم پہلے ہی میرا کافی مدد کر چکی ہو۔ مجھے خود کوئی راہ ڈھونڈنا ہوگی یہ مناسب نہیں تم فکر مت کرو۔ میں نے کھانا کھا لیا تھا۔''

''کھا لیا تھا، کہاں سے؟'' نمرہ چونکی تھی۔

''وہ میری لینڈ لیڈی کا آج اکیلے کھانے کا موڈ نہیں تھا تو اس نے بلا لیا۔ کافی لذیذ پکوان بناتی ہے وہ۔'' اس نے صاف جھوٹ بولا تھا۔ وہ خوددار تھی۔ انا پرست تھی یوں نہیں جھک سکتی تھی۔ فون کا سلسلہ منقطع کرنے کے بعد اس نے کروٹ بدلی تھی اور سونے کی کوشش کرنے لگی تھی۔ صبح اٹھی تھی تو ارادہ جاب ڈھونڈنے کے لیے نکلنے کا تھا۔ تبھی کچھ دوستوں اور جاننے والوں کو میسج کر کے اپنے لیے جاب ڈھونڈنے کی ریکویسٹ بھی کی تھی۔ وہ شاور کے لیے واش روم کی طرف بڑھ رہی تھی جب فون بجا۔ اسے ایک امید کی کرن دکھائی دی تھی۔ اجنبی نمبر دیکھ کر کال ریسیو کر لی تھی۔ دوسری طرف کوئی خاتون تھیں اسے آواز کچھ جانی پہچانی سی لگ رہی تھی۔

''آپ اس وقت آفس آ سکتی ہیں ریان حق آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔'' یہ وہی ریسپشنسٹ تھی جس نے اسے اندر جانے سے روکا تھا اور جسے جھانسا دے کر وہ زبردستی ریان حق سے ملنے چلی گئی تھی۔ ریان حق کیوں ملنا چاہتا تھا اس سے؟ اس کی سانس لمحہ بھر کو رکی تھی۔ اوہ تو کہیں اس نے اسے اپنی گاڑی کے ٹائروں کی ہوا نکالتے دیکھ تو نہیں لیا تھا؟ اف خدارا اس نے اس کا کیا حشر کرنا تھا۔

اختیارات تو تھے اس کے پاس۔ کہیں وہ اسے جیل کی ہوا کھانے ہی نا بھجوا دیتا۔ اس کے لیے یہ کیا مشکل تھا۔ مقامی بندہ تھا، امیر تھا کئی اختیارات تو رکھتا ہی تھا۔ وہ ہی غصے میں پاگل ہو گئی تھی۔ دھیان ہی نہیں رہا کہ کس سے الجھ رہی ہے۔ مسٹر حیات کا غصہ بھی اس کی گاڑی پر نکال دیا۔ اب ایک پل میں ہوش آیا تھا۔ فون کا سلسلہ منقطع کر کے وہ کچھ دیر سوچتی رہی تھی۔

''نہیں، میں ریان حق سے ملنے نہیں جاؤں گی۔'' اس نے فیصلہ کن انداز میں سوچا تھا اور واش روم میں

گھس گئی۔ وہ سارا دن اس نے سڑکیں ناپتے ہوئے گزارا تھا۔ تبھی دن کے اختتام پر ایک دوست کا میسج موصول ہوا تھا۔

''میں ان دنوں ایک ریسٹورنٹ میں کام کر رہا ہوں۔ کوشش کر کے تمہارے لیے جگہ نکلوا سکتا ہوں۔ مگر ایسا فوری نہیں ہو سکتا کچھ انتظار کر سکتی ہو تو میں بات کروں۔''

کچھ امید کی کرن تو دکھائی دی تھی۔ چھوٹی جاب حاصل کرنا بھی کسی معرکے سے کم نہیں تھا۔ سو اس نے ہاں کر دی تھی۔ سروائیو کرنا تھا اور اب کوئی راہ تو دکھائی دی تھی۔ کچھ نا ہونے سے ہونا بہتر تھا۔ جان پہچان کے بنا یہ ممکن نہیں تھا۔ وہ تھکن سے چور گھر پہنچی تھی جب نمرہ کا فون آیا تھا۔

''میں نے اپنے ایک دوست سے کہا تھا تمہاری جاب کے لیے جاب بڑی نہیں ہے دو گھنٹوں کی ہے مگر تمہیں دو گھنٹوں کے پچیس پاؤنڈ ملیں گے۔ تمہیں ریسٹورنٹس کے مسالوں کو چھانٹ کر الگ الگ جار میں بھرنا ہے۔ بس اتنی سی جاب۔ مگر اس کی ٹائمنگ رات کی بھی ہو سکتی ہے۔ آج کل رات میں حملہ آوروں کے قصے عام ہیں۔ موبائل اور رقم چھیننے کے واقعات سامنے آ چکے ہیں۔ کچھ راہ گیر تو بری طرح زخمی ہو چکے ہیں۔ میں تمہیں اس جاب کو کرنے کا مشورہ نہیں دے سکتی۔ مگر.....!'' نمرہ نے آخر میں اکی سوالیہ نشان چھوڑا تھا وہ تلخی سے مسکرا دی تھی۔

''یہ لندن شہر عجیب ہے۔ مقامی لوگ اسے فارنرز کی مٹی کہتے ہیں اور فارنرز یہاں کتے سے بدتر زندگی جیتے ہیں۔ میں ان گروہوں کے قصے پڑھ چکی ہوں۔ پریشان مت ہو۔ میں براؤن بیلٹ ہوں مارشل آرٹ سے واقف ہوں مجھ سے ٹکرانے والا خالی ہاتھ واپس نہیں جائے گا۔ میں یہ جاب ضرور کرنا چاہوں گی۔ نا ہونے سے ہونا بہتر ہے۔''

وہ اس تھوڑے کو بہت جان رہی تھی۔ کیونکہ اس نے سروائیو کرنا تھا۔ ایک مہینے کے سات ساڑھے سات سو پاؤنڈ کچھ برا نہیں تھا۔ وہ گھر کچھ تو بھجوا سکتی تھی۔ دو سو پاؤنڈز بھی شیرنگ کمرے کے نکال کر بھی کچھ ہاتھ آ سکتا تھا۔ جب تک دوسرے ریسٹورنٹ کی بات ہوتی اور بنتی تب تک وہ فارغ رہنا نہیں چاہتی تھی۔ ایک اطمینان کی سانس لیتے ہوئے وہ اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ بیڈ پر لیٹتے ہوئے صبح کی کال یاد آ گئی تھی۔

یہ ریان حق کتنا عجیب بندہ ہے۔ کیا بگڑ جاتا اگر وہ مدد کر دیتا۔ وہ اس کی جاننے والی تھی نا کوئی رشتے دار وہ صرف ہم وطن ہونے پر کتنی امیدیں لگا بیٹھی تھی اور وہ شخص بھی ایک کائیاں تھا اس نے صرف ٹائروں کی ہوا ہی تو نکالی تھی اور اس نے باز پرس کرنے وہاں بلوایا تھا۔ خدا گنجے کو ناخن نہ دے۔ اس کے پاس دو پیسے کیا آ گئے تھے یہاں اس سرزمین پر پیدا کیا ہو گیا خود کو خدا سمجھنے لگا تھا۔ کتنے عجیب ہوتے ہیں ایسے لوگ۔

وہ کتنی دیر سوچتی رہی تھی۔ دو بار ملی تھی اس بندے سے یا پھر تین بار مگر وہ کوئی خاص تاثر نہیں چھوڑ پایا تھا یا پھر وہی امپریسڈ ہونے والوں میں سے نہیں تھی۔ تمام سوچوں کو ایک طرف رکھ کر وہ آنکھیں موند کر سونے کے جتن کرنے لگی تھی۔

کچھ لوگ شاید دوسروں سے زیادہ حوصلہ رکھتے ہیں تبھی مشکلات بھی اتنی ہی وافر مقدار میں تعاقب میں رہتی ہیں۔ ایلیاہ میر نے ہوش سنبھالا تو اطراف کی کچھ سمجھ آنے لگی تھی۔ گھر میں ممی اور تین بھائی بہن تھے۔ پاپا کبھی کبھی آتے تھے۔ ممی سے ان کی دوسری شادی تھی۔ وہ اپنی پہلی بیوی کے ساتھ رہ رہے تھے سو ان کے پاس زیادہ دیر نہیں ٹھہرتے تھے۔ آتے بھی تھے تو قیام مختصر ہوتا تھا۔ وہ گریجوایشن میں تھی جب خبر ہوئی اس کی نسبت بچپن سے پاپا نے اپنے بھانجے سے طے کر دی ہے اور اس کی شادی بھی اس سے ہونا قرار پائی ہے۔ اس کے ذہن میں کوئی خاص امیج نہیں تھا۔ اس نے خواب دیکھنا نہیں سیکھا تھا۔ حقیقت پسندی نے اسے خواب دیکھنے کی عادت پڑنے ہی نہیں دی تھی۔ ممی کو سخت محنت کر کے گھر چلاتے دیکھا تھا۔ وہ دو جابز کر رہی تھیں۔ پاپا گھر چلانے میں ان کی مدد نہیں کرتے تھے کہ ان کے اور دیگر بچے بھی تھے۔ پھوپھو جب بھی آتیں طنز کے تیر چلا جاتیں۔ شاید وہ انہیں اتنی پسند نہیں تھی یا پھر پسند ہوتی اگر وہ پاپا کی دوسری بیوی کی اولاد نہ ہوتی۔ سارا بھید شاید اس رشتے سے تھا۔ اسے ہمیشہ لگتا تھا وہ اور ممی پھوپھو کی پسندیدہ نہیں وہ اس رشتے کے لیے کوئی فیلنگز نہیں رکھتی تھی۔ بہت برف سا احساس تھا اس رشتے کا۔ حمزہ کو بھی اس سے شاید کوئی خاص انٹرسٹ نہیں تھا۔ تبھی وہ ضروری یا غیر ضروری رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کرتا تھا نا ان میں زیادہ بات چیت ہوتی تھی۔ وہ ایک بار گھر آیا تھا تو ممی نہیں تھی۔ تبھی اس نے چائے کا پوچھا تھا۔ وہ کچھ دیر اس کو بغور دیکھتا رہا تھا پھر جانے کیوں مسکرا دیا تھا۔

جانے کیوں لگتا ہے تم کیکٹس کے پھول جیسی ہو۔ جسے دیکھو تو شاید خوشنما لگے ہیں مگر جس سے محبت نہیں ہو سکتی۔'' وہ پہلی بار تھا جب وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولا تھا۔ وہ معنی سمجھ نہیں پائی تھی۔ پوچھ بھی نہیں پائی تھی۔ وہ کیوں اسے کیکٹس کے پھول سے ملا رہا تھا۔ محبت اتنی اذیت ناک تھی، یا بہت خوبصورت یا پھر اس سے محبت کا ہونا اتنا انوکھا اور نایاب تھا جیسے کیکٹس کا پھول؟ وہ اپنے طور پر معنی تلاشتی تھی۔ پہلی بار تھا جب اس نے محبت کا سوچا تھا۔ احساس ہوا تھا کہ محبت بھی کوئی شے ہوتی ہے۔ مگر وہ جو اس کا ہم سفر بننے جا رہا تھا اسے اس سے محبت نہیں تھی؟ اگر محبت نہیں تھی تو عمر ساتھ کیسے گزرتی۔ ایک عمر جب ایک لمحے کو سن کر اس کا دل گھٹن سے بھر گیا تھا۔ اس نے اپنی ممی کو راتوں کو اٹھ کر روتے دیکھا تھا۔ شادی اگر سمجھوتا تھی تو کیوں نباہ رہی تھیں وہ؟ کیونکہ وہ سہام میر سے محبت کرتی تھیں۔ پورا خاندان جب خلاف تھا تو سہام میر نے ان سے شادی کیوں کی تھی؟ وہ اس سوال کا جواب نہیں ڈھونڈ پائی تھی۔ مگر یہ بات اس نے محسوس کی تھی کہ وہ یا اس کی ماں سہام میر کی فیملی کی پسند کبھی نہیں تھیں۔ یہ رشتے مخالف سمت کیوں بہتے ہیں۔ اس کا پتا وہ کبھی نہیں لگا پائی تھی۔

وہ اس راز کی کھوج میں سوچتی رہتی تھی۔ مگر یہ سوچ اس روز تھمی جب پھوپھو کسی بات سے ممی سے الجھ پڑیں۔ جانے کیا بات ہوئی تھی وہ کالج سے واپس لوٹی تھی جب ممی کو اس نے روتے دیکھا اور اس کے بعد جب وہ گرنے کو تھیں اس نے خود آگے بڑھ کر ان کو اپنے بازوؤں میں تھاما تھا۔ کیا بات ہوئی تھی؟ کس بات کا صدمہ پہنچا تھا۔ وہ کس سے پوچھتی۔ اس کے بعد ممی تو ہوش میں ہی نہیں آئیں پندرہ دن تک وہ کوما میں رہیں اور پھر اسی دوران ان کی ڈیتھ ہو گئی۔ صدمہ کیا ہوتا ہے دکھ کسے کہتے ہیں؟ یہ بات اس نے پہلی بار اس شدت سے

جانی تھی۔ وہ سرے ڈھونڈتی رہی تھی دکھ سے نمٹنے اور نبرد آزما نے کی کوشش کر رہی تھی۔ ممی گئیں تو ساری ذمہ داری اس کے کاندھوں پر ڈالی گئیں۔ اپنی جگہ اسے کھڑا کر گئیں ممی کو کیسے لگا تھا وہ اتنی بڑی ذمہ داری نبھا سکتی ہے، وہ تو ابھی زندگی کے معنی بھی ٹھیک سے نہیں جانتی تھی۔ ابھی تو اسے ڈھنگ سے دنیا کی سمجھ نہیں آئی تھی پھر کجا اتنی ساری ذمہ داریوں کو نبھانا۔ وہ ایسے محسوس کر رہی تھی جیسے کوئی پہاڑ اس کے سر پر آن پڑا ہوا۔ ممی کی موت کے بعد حمزہ سے صرف ایک بار بات ہوئی تھی۔ وہ اسے خاموشی سے دیکھتا رہا پھر بولا۔

''اس رشتے کا کوئی سرا ہاتھ نہیں آتا مجھے سمجھ نہیں آتا یہ آگے کیسے بڑھے گا، صائمہ مامی تمہیں اپنی جگہ کھڑا کر گئیں تم ساری عمر اب ان رشتوں کا بوجھ ڈھوتی رہو گی اور..... مجھے نہیں لگتا یہ مناسب ہے کہ.....!'' وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا تھا۔

وہ سانس روکے اسے سن رہی تھی۔ جب وہ شاید اس کا خیال کر کے مسکرایا تھا۔

''تم بہت خوبصورت ہو اگر اچھی نہ لگو تو یہ عجیب ہو گا۔ محبت سے نابلد سہی مگر مرد کی آنکھ تو رکھتا ہوں اگر تم باعث کشش لگتی ہو تو اس سے انکار نہیں کر سکتا۔''

وہ مسکرائی نہیں تھی۔ وہ اگر مذاق بھی تھا تو بہت بھونڈا تھا۔ وہ بتانا چاہ رہا تھا کہ وہ اس رشتے کو آگے نہیں بڑھا سکتا کیونکہ اس پر ذمے داریوں کا بوجھ ہے۔ اس سے آگے اسے کچھ سنائی نہیں دیا تھا۔ وہ یہ بات فراموش نہیں کر سکتی تھی کہ وہ ایک لڑکی تھی، نا وہ یہ فراموش کر سکتی تھی کہ اس سے چھوٹے بہن بھائی اپنی ضرورتوں کے لیے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ وہ بہت مشکل سے ممی کی دوست کی مدد سے ایک جاب ڈھونڈ پائی تھی۔ مگر اس کے لیے اسے اپنی تعلیم جاری رکھنا محال ہو رہا تھا۔ مگر اسے کچھ بھی کر کے خود کو آگے ضرور بڑھانا تھا کہ اگر اس کا سفر رک جاتا تو باقی سب کے خواب بھی منجمد ہو جاتے۔ باقی سب کے خوابوں کو پورا کرنے کے لیے اسکا خود اپنے قدموں پر کھڑا ہونا ضروری تھا۔

جانے کتنے دن گزرے تھے اس نے تو شمار کرنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ اس روز الماری صاف کرتے ہوئے کچھ پیپر ہاتھ لگے تھے۔ اس نے کھول کر دیکھا تو ساکت رہ گئی تھی۔ وہ طلاق کے پیپر تھے۔ جن پر ممی کے سائن ہونا باقی تھے۔ تو کیا یہ وجہ تھی ان کی موت کی۔ تو کیا پھوپھو اس بات پر امی سے الجھ رہی تھیں اور کیا یہی وہ بات تھی جو ان کے کوما میں جانے کا باعث بنی تھی اور ان کی موت کا سبب بھی؟ وہ کئی لمحوں تک سوچتی رہی تھی۔ ممی کا چہرہ آنکھوں کے سامنے آیا تھا۔ اگر پھوپھو اور پاپا ممی کی موت کے ذمہ دار تھے تو وہ اس رشتے کو کیسے آگے بڑھا سکتی تھی جن رشتوں سے ممی کو اتنی تکلیف پہنچی وہ ان رشتوں کے ساتھ کیسے بندھ سکتی تھی؟ حمزہ کا لہجہ سماعتوں میں گھوما تھا۔

''جانے کیوں لگتا ہے تم کیکٹس کے پھول جیسی ہو۔ جیسے دیکھو تو خوش نما لگتا ہے مگر جس سے محبت نہیں ہو سکتی۔'' اس نے بہت آہستگی سے انگیجمنٹ رنگ انگلی سے اتاری اور دوسرے دن حمزہ کے آفس جا کر اس کے ہاتھوں میں تھما دی تھی۔ وہ حیران سا اسے دیکھنے لگا تھا۔

''مجھے شاید یہ بہت پہلے ہی کر دینا چاہیے تھا۔ مگر حقائق کو جاننے میں بہت دیر لگی مگر اب جان گئی ہوں۔

اس رشتے کی کوئی حقیقت نہیں۔ مگر سہام میرے یا اس سے وابستہ کسی بھی شخص سے کوئی رشتہ باقی نہیں رکھنا چاہتی۔ اگر یہ رشتہ باقی رہا تو شاید میرے اندر کی کٹھن بہت بڑھ جائے گی۔ میں ایک اور صائمہ افتخار کو جنم نہیں دے سکتی۔ جبکہ میں جانتی ہوں تم دوسرے سہام میر بننے میں ایک پل نہیں لو گے۔ جب سہام میر کے لیے میرے اندر ڈھیروں نفرت ہے تو میں اس سے وابستہ کسی رشتے کو محبت کیسے دے سکتی ہوں؟'' وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھتی رہی پھر وہاں سے نکل آئی تھی۔ دو سال کھینچ تان کر کے نکالے تھے۔ ممی کی کچھ سیونگ تھی کچھ انشورنس تھی مگر وہ رقم ناکافی تھی۔ مگر اس سے اس نے نئی راہ ڈھونڈی ممی کی ایک دوست کی مدد سے اس نے دبئی میں جاب ڈھونڈ لی اور پھر وہاں منتقل ہو گئی تھی۔ حیرت کی بات تھی سہام میر نے اس کے بعد ان لوگوں سے کوئی رشتہ باقی نہیں رکھا تھا اور وہ سوچتی رہی تھی کہ اتنا بے حس کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ ایک شوہر تھا۔ ایک مرد تھا اور ایک باپ بھی تھا۔ وہ اچھا مرد نہیں تھا۔ اچھا شوہر نہیں بن پایا تھا اور ایک اچھا باپ بھی نہیں بن پایا تھا۔ اس پر اسے کوئی شرمندگی بھی نہیں تھی۔ وہ کتنا بے حس تھا۔ اس کا اندازہ اسے ہو گیا تھا۔ شاید وہ اس سطح سے بھی نیچے جا سکتا تھا۔ ممی کے جانے کے بعد ددھیال اور ددھیالی رشتے داران کی زندگی سے خارج ہو گئے تھے۔ بس ایک خالہ تھیں جو دوسرے شہر میں رہتی تھیں۔ جب ملنے آتی تو گھر میں ممی کا احساس جاگنے لگتا تھا۔

''ماسو! جامی، ثناء اور تمنا کا خیال رکھا کریں ابھی بہت چھوٹے ہیں۔'' وہ فون پر بولی تھی۔

''چھوٹی تو تم بھی ہو ایلیاہ۔'' ندا ماسو نے احساس دلایا تھا وہ مسکرا دی تھی۔

''ہاں مگر میں سمجھ بوجھ رکھتی ہوں وہ نہیں رکھتے۔''

''تم فکر مت کرو۔ میں ان کا خیال رکھتی ہوں۔ تمہارے انکل سے کہہ کر اس شہر منتقل ہو جاؤں گی تاکہ قریب رہوں تو ان کو بھی حوصلہ رہے۔ ماسو نے کہا۔

''یہ ٹھیک رہے گا۔'' اس نے سراہا تھا۔

دبئی آ کر زندگی میں کچھ خوشحالی آئی تھی اگرچہ جاب بہت ہلکی تھی مگر وہ اب اپنی پروا نہیں کرتی تھی نا اپنے بارے میں سوچتی تھی۔ وہ صرف اپنے سے وابستہ رشتوں کے لیے سوچتی تھی۔ تین سال سے اس نے دبئی میں جاب کی تھی پھر جانے کیوں انگلینڈ جانے کا خیال آیا تھا اور غلطی کہاں ہوئی تھی۔ اس نے اسٹوڈنٹ ویزا کے لیے اپلائی کیا تھا۔ یہی اس کی زندگی کا بدترین فیصلہ تھا۔ جس کے باعث آج اسے اور اس کی فیملی کو پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا اسے یہ رسک نہیں لینا چاہیے تھا۔ وہ اپنے آپ کو اس فیصلے کے لیے مورد الزام ٹھہرا رہی تھی۔ اس مہینے تو اس نے کچھ سیونگ نکال کر گھر بھجوا دی تھی اگلے مہینے کیا ہونا تھا؟ یہ سوالیہ نشان اس کا منہ چڑا رہا تھا۔

وہ سو کر اٹھی تھی تو سر بری طرح بھاری ہو رہا تھا۔ جسم میں جیسے انرجی نام کو نہیں تھی۔ لینڈ لیڈی نے دروازہ اپنی مخصوص دستک کے ساتھ بجایا تھا۔ تو اسے علم ہو گیا تھا وہ روم کے رینٹ کے بارے میں پوچھے گی۔ اس نے بہ مشکل اٹھ کر دروازہ کھولا تھا۔

لینڈ لیڈی رینٹ مانگ رہی تھی۔ اس نے جیسے تیسے انہیں قائل کر لیا تھا وہ ایک دو دن میں انہیں رینٹ ادا کر

دے گی۔ دروازہ بند کر کے وہ دوبارہ آ کر بستر پر گر گئی تھی۔ یہاں کھانے کو نہیں تھا اور وہ رینٹ کہاں سے لاتی؟ ذہن بہت ماؤف تھا۔ جب اس نے نمرہ سے فون کر کے اس ریسٹورنٹ کی جاب کے بارے میں پوچھا تھا۔

''ہاں سوری میں بتا نہیں سکی کچھ بزی رہی تم شام میں جوائن کر سکتی ہو۔ تمہارے کام کی پیمنٹ تمہیں ملے گی۔'' نمرہ نے ایک اچھی خبر دی تھی۔ اس کا جسم حرارت سے تپ رہا تھا۔ مگر ایک لمحے میں جیسے نئی جان بھر گئی تھی۔ وہ اٹھی اور تیار ہو کر نمرہ کی طرف سفر کرنے لگی۔ اس سے پتا لینا تھا اور روم کا رینٹ بھی کہ لینڈ لیڈی اس سے زیادہ انتظار نہیں کر سکتی تھی اور نہ وہ زیادہ بھوک برداشت کر سکتی تھی۔ اس دن اس نے کئی دنوں بعد پیٹ بھر کر کھانا کھایا تھا۔ اب پیسے ملنے کی امید تھی تو وہ قرض بھی لے سکتی تھی۔ ورنہ مانگنا بھی عجیب لگ رہا تھا۔ شام میں وہ ریسٹورنٹ گئی تھی۔ بہت بڑا ریسٹورنٹ نہیں تھا مگر اسے صرف پیسوں سے مطلب تھا۔ اس کے ہاتھ 25 پاؤنڈ ہی سہی کچھ تو آنے والا تھا۔

اس رات وہ کام ختم کر کے ریسٹورنٹ سے نکلی تھی جب ایسٹ لندن کی گلیوں سے گزرتے ہوئے کچھ سیاہ فام گروہ کے بندوں نے اسے آن لیا تھا۔ وہ لڑکی تھی رات کا اندھیرا تھا اس پر اتنی بڑی مصیبت کہ اس کی جیب میں پیسے تھے جو اسے آج ہی ملے تھے اور وہ انہیں گنوانا نہیں چاہتی تھی۔ وہ کوئی بدمزگی نہیں چاہتی تھی تبھی موبائل فون نکال کر ان کے ہاتھ پر رکھ دیا تھا۔ مگر وہ مزید ڈیمانڈ کرنے لگے تھے۔ وہ الجھنا نہیں چاہتی تھی مگر اس وقت چارہ نہیں رہا تھا۔ اگرچہ ان کے ہاتھ میں چاقو تھے وہ تین تھے اور وہ تنہا۔ اس نے گھوم کر ایک فلائنگ کک ایک کو رسید کی تھی مگر تبھی دوسرے دو نے اسے دبوچ لیا تھا۔ وہ ہٹے کٹے تھے وہ بے بس ہو گئی تھی۔

اسٹریٹ کی لائٹ کی روشنی میں اس نے نگاہ سے کچھ پرے دیکھا۔

دور سے کسی گاڑی کی ہیڈ لائٹس دکھائی دی تھی۔ ایک لمحے میں وہ روشنی آنکھیں چندھاتی ہوئی قریب پہنچی تھی۔ گاڑی کے ٹائر چرچرائے تھے۔ وہ آنکھوں پر کلائی رکھ کر آنکھوں کو روشنی کے اثر سے بچانے لگی تھی۔ جب اسے کسی کے بھاگتے قدموں کی آواز سنائی دی تھی۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا وہ نائیجیرین گروہ کے لوگ اس سے دور نکل چکے تھے اور ایسا کیسے اور کس باعث ممکن ہوا تھا؟ اس نے اپنے سامنے نگاہ کی تھی اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں ہوا تھا۔ کوئی اس کی مدد کو پہنچ چکا تھا اور وہ کوئی اور نہیں ریان حق تھا۔ اسے اپنی آنکھوں پر لمحہ بھر کو یقین نہیں ہوا تھا۔ وہ جھک کر اسکا گرا ہوا موبائل فون اٹھانے لگا تھا۔ پھر سیدھے کھڑے ہو کر اس کی جانب دیکھا تھا۔

''اس وقت مٹر گشت کا شوق اچھا نہیں۔ رت جگوں اور آوارہ گردی کا اتنا ہی شوق ہے تو دن کافی لمبا ہوتا ہے۔'' وہ انگارے چباتا ہوا بولا تھا۔ اس شخص سے اس کی کسی قسم کی دشمنی تھی وہ جان نہیں پائی تھی۔ مگر یہ غصہ اگر ٹائرز کی ہوا نکالے جانے کا ری ایکشن تھا تو اسے جھیلنا چاہیے تھا۔

''مجھے راتوں کو سڑک پر گھومنے کا کوئی خاص شوق نہیں ہے آپ.....!'' اس نے کچھ کہنے کی ہمت کی ہی تھی کہ ریان حق نے اس کے لبوں پر اپنا بھاری ہاتھ رکھ دیا تھا۔

''کوئی نئی کہانی نہیں سننا ہے مجھے گاڑی میں بیٹھو۔'' وہ تحکم بھرے انداز میں بولا تھا اور وہ حیران رہ گئی تھی۔ وہ اس پر اس طرح رعب جما رہا تھا جیسے اس سے گہرا تعلق ہو۔ وہ اس شخص کو گھورتی ہوئی اس کا ہاتھ اپنے لبوں سے ہٹا کر یکدم آگے بڑھی تھی اور گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔ وہ دوسری طرف سے گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر آن بیٹھا تھا۔ ایلیاہ میر اس کی سمت دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔

''اس روز آفس بلایا تھا تو آئیں کیوں نہیں آپ؟'' وہ بنا اس کی سمت دیکھے بولا تھا۔ وہ سبب جانتی تھی تبھی بولی تھی۔

''کیوں آتی تاکہ اپنا پنا بدلہ پورا کر سکتے؟''

''بدلہ؟'' وہ چونکا۔ ایلیاہ میر نے اس شخص کی سمت نگاہ کی خاموشی سے دیکھا پھر بولی تھی۔

''آپ کے ٹائرز کی ہوا.....!'' وہ جذباتی انداز میں بولتے بولتے رک گئی تھی۔

''وہ، تو وہ آپ تھیں؟ مجھے بھی لگا اچانک سے اس شہر میں کون دشمن آ گیا۔'' وہ سرسری انداز میں بولا۔ ایلیاہ نے اپنا سچ اپنے منہ سے بتا کر غلطی کی تھی۔ اگر اسے پتا نہیں تھا تو کیا ضرورت تھی بتانے کی کتنی بے وقوف تھی نا؟ اس نے خود کو ڈپٹا تھا۔

''ویسے مجھے سمجھ جانا چاہیے تھا کہ ایسی کوئی حرکت آپ ہی کر سکتی ہیں۔'' وہ اس کی سمت دیکھے بنا بولا تھا۔ وہ اسکی سمت سے اپنی نظریں ہٹا گئی تھی۔

''مجھے ایسا کوئی شوق تو نہیں ہے بس اس رات غصہ تھا اور آپ کو بھلا کیا فرق پڑا ہوگا ایک ذرا سی ہوا ہی تو نکالی تھی نا ٹائرز کی۔ ٹائر یا گاڑی تو نہیں چرائی۔ اتنا کمایا ہے ٹائرز کی ہوا بھروانے میں کیا گیا ہوگا آپ کا؟'' وہ ازلی خوداعتمادی سے بولی۔ وہ جانے کیوں بغور دیکھنے لگا تھا اس کی سمت۔

''تمہیں دنیا کے سارے امیروں سے اتنی ہی نفرت ہے؟''

''سبھی امیروں سے نہیں۔'' وہ اسکی سمت بنا دیکھے بولی تھی۔

''اوہ تو پھر عتاب کا نشانہ مجھے کیوں بنا دیا؟'' وہ جاننے پر بضد ہوا۔

''اچھا ہوتا میں آپ کو نہ بتاتی آپ کو تو شاید قیامت تک پتا نہ چلتا کہ یہ میں نے کیا ہے۔ بے وقوف ہوں نا اپنے ہاتھوں بھانڈا پھوڑ دیا۔ کیا کروں جھوٹ بولا ہی نہیں جاتا۔ انسان ہوں نا، وہ بھی سینسٹیو اگر کوئی کارپوریٹ روبوٹ ہوتی تو شاید.....!'' وہ پورے اعتماد سے اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

''آہ آپ کو میں روبوٹ لگتا ہوں؟ اچھا خاصا آدمی ہوں اگر اس روز آپ کو اپنی کمپنی میں جاب نہیں دے سکا تو اس کا مطلب یہ نہیں میں ان سینسیٹو ہوں۔'' وہ جتاتے ہوئے بولا تھا۔ ایلیاہ میر نے اس کی سمت دیکھا تھا۔ اچھا خاصا ہینڈسم بندہ تھا۔ اس نے پہلی دو چار ملاقاتوں میں تو اس بات کا نوٹس بھی نہیں لیا تھا۔ اب دیکھا تھا تو کچھ امپریسڈ ہو ہی گئی تھی۔ نک سک سے تیار، رات کے اس پہر بھی فریش دکھائی دیتا بندہ، کاش اسے جاب بھی دے دیتا تو کیا بگڑ جاتا.....! دل سے آہ نکلی تھی۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہیں؟'' وہ پوچھنے لگا تھا۔

''مجھے فرق نہیں پڑتا اس بات سے۔'' وہ شانے اچکا کر بولی تھی۔

''مگر مجھے فرق پڑا، اس رات آپ نے مسٹر حیات کو وہ زوردار پنچ مارا کیونکہ اس کے بعد انہیں اسپتال لے جانا پڑا تھا۔ بے چارے کی ناک کی ہڈی ٹوٹتے ٹوٹتے بچی تھی۔ پورا منہ سوج گیا تھا۔ یہ تو شکر کہ انہوں نے جھوٹ کہہ دیا کہ واش روم میں گر گیا ہوں ورنہ پولیس کیس بن جاتا اور اگر اس بات کی بھنک ان کی وائف کو پڑ جاتی تو خوامخواہ بے چارے کا بسا بسایا گھر اجڑ جاتا۔'' وہ اس کی سمت دیکھے بنا بولا تھا۔ وہ چونکتے ہوئے اسے دیکھنے لگی۔ اس پنچ کے بارے میں اسے کیسے پتا چلا تھا؟ وہ حیران تھی۔

''حیران ہونے کی ضرورت نہیں شہر بڑا ہے مگر بات پتا چل ہی جاتی ہے اگر میں اس پارٹی میں نہ بھی ہوتا تو مجھے خبر ہو جاتی۔ اس رات تو پھر اس جگہ موجود تھا اور کچھ فاصلے پر بھی۔'' وہ جتا رہا تھا۔

''اوہ، بہت بری بات ہے اس طرح دوسروں کی خبر لینے کی ویسے آپ یہ ہاتھ دھو کر میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں کوئی SPY تو نہیں اور آپ لوگوں کی عادت ہے نا ہر دوسرے پاکستانی پر شک کرنے کی؟'' وہ تپ کر بولی تھی۔

''عجیب خاتون ہیں آپ بجائے تھینکس کہنے کے الٹا مجھے لتاڑ رہی ہیں۔ مجھے آپ کے پیچھے پڑنے کی ضرورت نہیں اس کے لیے شہر کی پولیس ہے۔'' وہ لاتعلق لہجے میں بولا تھا۔

''اوہ تو پھر آپ کو صرف یہ قلق ہے کہ میں نے تھینکس کیوں نہیں کہا۔ او کے تھینکس اگر آپ اس رات جھوٹ نہیں بولتے تو میں جیل میں ہوتی نا اور مسٹر حیات کو کیا سزا ملتی؟''

''آپ جو نہیں ہوا اس کے بارے میں کیوں سوچ کر جان جلاتی ہیں؟ مسٹر حیات بااثر و بارسوخ شخصیت ہیں۔ ان کا ایک بیان کافی ہے۔ آپ یہ سوچ رہی ہیں کہ انہوں نے آپ کو کوئی غلط پروپوزل دیا مگر وہ یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ آپ نے ان کو آسورٹ کرنے کی کوشش کی اور آپ اس سے کبھی باہر نہیں نکل سکتی تھیں۔ وہ یہاں کے سٹیزن ہیں۔ کئی گنا کما کر دیتے ہیں، ٹیکس پے کرتے ہیں آپ کیا کرتی ہیں؟''

''اوہ.....!'' وہ حقائق بتائے جانے پر اس کی سمت خاموشی سے دیکھنے لگی تھی۔ یہ سب تو اس نے سوچا نہیں تھا۔ اسے تو بس غصہ آیا تھا اور اس نے پنچ کھینچ مارا تھا۔

''ہر بات کا علاج یا حل صرف غصہ نہیں ہوتا خاتون۔'' مشورہ دیتے ہوئے بولا تھا۔

''ایلیاہ میر۔'' وہ اسے خاتون بلاتے دیکھ کر بول تھی۔

''آپ مجھے مس میر بلا سکتے ہیں۔'' وہ ہنوز اپنے فطری ایٹی نیوڈ سے بولی تھی۔ ریان حق نے لمحہ بھر کو اسے دیکھا تھا پھر گردن گھما کر ونڈ اسکرین کی سمت دیکھنے لگا تھا۔

''او کے ایلیاہ.....!'' وہ شخص شاید نشاندہی کیے گئے راستوں پر چلنا مناسب خیال نہیں کرتا تھا۔ اسے اپنی راہ بنانے کی عادت تھی شاید اسے خود کو صرف ایلیاہ بلائے جانے پر کچھ زیادہ حیرت نہیں ہوئی تھی۔

''آپ اپنے طور پر کچھ بھی اخذ کر لیتے ہیں۔ میں اس وقت جاب ختم کر کے واپس آئی ہوں جب راستے میں اس گروہ نے گھیر لیا۔ آپ پتا نہیں کیا سمجھ بیٹھے اور.....!'' وہ مطلع کرتے ہوئے بولی تھی۔ حالانکہ وہ اسے کوئی صفائی دینے پر مجبور نہیں تھی۔ پھر جانے کیوں بتانا ضروری خیال کیا تھا۔ وہ شخص ونڈ سکرین سے گردن ہٹا کر اس کی سمت دیکھنے لگا تھا۔ شاید یہ بات اس کے لیے سرسری اور انتہائی غیر اہم تھی۔

''اینی وے تھینکس اس رات مسٹر حیات کے معاملے میں جھوٹ بولنے کے لیے اور آج کی شب اس گروہ سے جان بچانے کے لیے۔ میری پاکٹ میں صرف 175 پاؤنڈ تھے جو میرے کام کی ویکلی پے منٹ تھی۔ اگر یہ چلے جاتے تو میری کئی امیدیں بھی چلی جاتیں۔ کہنے کو یہ بہت معمولی رقم ہے مگر میرے لیے یہ بہت بڑی رقم ہے۔'' وہ سر جھکا کر کہہ رہی تھی۔ وہ لڑکی بلا کی پراعتماد تھی۔ خوداعتماد اور خوددار بھی۔ اس کے چہرے میں کچھ تو تھا کہ وہ لیا دیا رہنے والا شخص بھی اسے ایک پل کو دیکھتا رہا تھا۔ تبھی ایلیاہ میر نے نگاہ اٹھائی تھی۔ اس کی سمت دیکھا تھا۔ نگاہ ایک پل کو ملی تھی۔ وہ جانے کیوں جھجک کر نگاہ پھیر گئی۔ گاڑی اس کے گھر کے سامنے رکی تھی تو وہ چونکی تھی۔

''آپ کو کیسے پتا چلا کہ میں یہاں رہتی ہوں؟'' وہ چونکی۔ وہ دیکھتا رہ گیا۔ کوئی جواب نہ پا کر وہ خاموشی سے گاڑی سے اتر گئی۔ ریان تب تک کھڑا رہا جب تک وہ دروازے تک نہیں گئی۔ ایلیاہ میر نے جانے کیوں دروازے کا ہینڈل گھمانے سے پہلے پلٹ کر پیچھے دیکھا۔ وہ شخص اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔ کیا وہ صرف اس کے خیال سے رکا ہوا تھا؟ ایلیاہ کے پلٹ کے دیکھنے پر وہ قطعاً اجنبی بن کر نگاہ پھیر گیا اور گاڑی آگے بڑھا کر لے گیا تھا۔ ایلیاہ میر نے ایک گہری سانس خارج کی تھی اور اندر بڑھ گئی۔

۞.....۞.....۞

کھائے پیے پیٹ اٹھو تو صبح اتنی بے نور نہیں لگتی۔ جبکہ اس بات کی امید بھی ہو کہ اس دن کے آغاز کے بعد بھوکا نہیں سونا پڑے گا۔ اس نے بھوکا سونے اور اٹھنے کا تجربہ کیا تھا۔ ایک دن نہیں کئی دنوں تک سو وہ اس سکون اور اطمینان کو محسوس کر سکتی تھی۔ اندر ایک سکون والی کیفیت تھی۔ وہ کھڑکی کھولے دیر تک طلوع ہوتے سورج کو دیکھتی رہی تھی۔ لندن میں بہت کم دن سورج والے ہوتے تھے مگر گرمیوں میں کافی پرفیکٹ سمر ٹائم ہوتا تھا۔ رات نو بجے تک سورج نہیں ڈوبتا تھا۔ جبکہ سردیوں میں دن کے تین بجے ہی اندھیرا ہو جاتا تھا۔ یہ دن بہار کے تھے اور سمر کے آغاز کا اسے یہ موسم بہت بھلا لگ رہا تھا۔ اس نے آئینے میں خود کو بغور دیکھا تھا۔ برش کرتے ہاتھ رک گئے تھے۔ وہ کافی لین ہو گئی تھی۔ جب دبئی میں تھی تو دعوتیں اڑا اڑا کر اور ریسٹورنٹس کے کھانے کھا کھا کر اچھی خاصی صحت بن گئی تھی۔ لندن آنے کے بعد تو وہ پیٹ بھر کر کھانا تک بھول گئی تھی۔ تبھی کہتے ہیں دور کے ڈھول سہانے جو بھگتے وہی جانے۔ وہ اتنے دنوں میں پہلی بار مسکرائی تھی۔ جیب میں کچھ پاؤنڈ کا ہونا بھی کافی اطمینان دے رہا تھا۔

''میں نے بھوک کے احساس کو کبھی نہیں جھیلا تھا۔ اب پتا چلا یہ احساس اندر کتنا مارتا ہے اور اس سے زیادہ

اس بات کا احساس کہ دوسروں کے رزق کا سبب کیسے اور کس طرح بنے گا۔ مجھے خود کھانے سے زیادہ دوسروں کو کھلانے کی فکر تھی۔'' وہ نمرہ کے ساتھ چلتی ہوئی بولی تھی۔ نمرہ مسکرادی تھی۔

''چلو شکر ہے تمہیں یہ چھوٹی سی جاب ہی ملی مجھے بہت فکر ہو رہی تھی ارے ہاں یاد آیا تم مسٹر حیات سے ملی تھیں۔ انہوں نے کیا کہا؟''

''کچھ نہیں، وہ کافی بڑے بندے ہیں اور اس وقت مجھے بڑی جاب کی نہیں چھوٹی جاب کی ضرورت ہے۔'' وہ طنز سے بولی تھی۔ نمرہ کچھ سمجھی نہیں تھی۔

''کیا مطلب؟''

''کچھ نہیں۔''

''اور میں نے تمہیں بتایا نہیں بے چارے واش روم میں گر گئے تھے۔ اچھی خاصی ناک زخمی ہوگئی۔''

''اوہ، کافی گرے ہوئے آدمی معلوم ہوتے ہیں اینی وے میں چلتی ہوں، اگر کوئی صبح کی جاب کا بندوبست ہو سکے تو پلیز انفارم کر دینا۔ میں صرف دو گھنٹوں کی جاب پر اکتفا نہیں کرنا چاہتی۔''

''لیکن تم تو اسٹوڈنٹ ہو نا۔ پارٹ ٹائم ہی جاب کر سکتی ہوں۔'' نمرہ نے جتایا تھا۔

''م بھول رہی ہو۔ میں اپنی تعلیم ختم کر چکی ہوں۔''

''ٹھیک ہے میں کوشش کروں گی۔ فی الحال میرے پیسے لوٹانے کی کوشش مت کرنا۔ تمہیں اور بھی کئی ضرورتیں ہوں گی۔'' نمرہ نے خیال کر کے بولا تھا۔ وہ سر ہلا کر ٹیوب کی طرف بڑھ گئی تھی۔

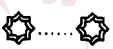

خواب بننے کی عمر نہیں ہوتی۔ مگر اس نے اس عمر میں بھی خواب نہیں بنے تھے۔ جب اسے خواب بننے تھے۔ جب موسم بھی تھا اور زمین بھی زرخیز تھی۔

''کوئی کوئی آنکھیں خواب بننے کے لیے ہوتی ہیں۔'' اس نے سوچا۔

''جانے کیوں تم کو دیکھ کر لگتا ہے تم کیکٹس کا پھول ہو۔ جسے دیکھو تو شاید خوش نما لگے مگر جس سے محبت نہیں ہو سکتی۔'' کوئی گمنام ساعتوں میں گونجا تھا۔ وہ چلتے چلتے کسی سے بے طرح ٹکرا گئی تھی۔ سوچتے ہوئے چلنا اور چلتے ہوئے سوچنا۔ کبھی کبھی واقعی خطرناک ہو سکتا تھا اس نے سنبھلتے ہوئے سوچا تھا۔ سر اٹھا کر دیکھا اسے گرنے سے بچانے کی سعی کرتا ہوا کوئی اسے تھامے کھڑا تھا۔ وہ بے طرح چونک پڑی تھی۔

''ریان حق.....!'' اس نے اپنی نظروں کے سامنے کھڑے شخص کو باقاعدہ پکارا تھا۔

''اوہ آئی ایم سوری مجھے دھیان نہیں رہا۔''

''کبھی اپنے دھیان سے باہر آ کر بھی دیکھا کریں۔ اس جہاں سے باہر بھی ایک دنیا ہے۔''

''اوہ آپ کے پروگرام میں کسی کی پروا کرنا بھی ہے؟'' وہ طنز کرتے ہوئے مسکرائی تھی۔

''کیا مطلب؟'' وہ چونکا تھا۔

''کچھ نہیں۔'' ایلیاہ میر نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''میرے ساتھ چلو۔'' وہ تحکم بھرے لہجے میں بولا تھا۔ وہ دوسری بار چونکی۔

''کہاں..... کیوں۔'' وہ بنا سوچے سمجھے بولی تھی۔ وہ بجائے اسے مطلع کرنے کے اس کا ہاتھ تھام کر اسے گاڑی میں بٹھا کر ریسٹورنٹ میں لے آیا تھا۔ وہ اس کی ہمت پر حیران رہ گئی تھی۔ جس طرح وہ بدستور اس کی کلائی تھامے ہوئے تھا اس پر وہ چونکتے ہوئے اسے دیکھنے لگی اس لمس سے کوئی خاص احساس ہوا تھا۔ کچھ خاص تھا جو اس سے پہلے محسوس نہیں ہوا تھا۔ وہ جو ویٹر کو مینیو آرڈر کر رہا تھا اس کی سمت دیکھنے لگا۔ پھر احساس ہوا تھا کہ اس کا ہاتھ بدستور اس کے ہاتھ میں ہے تبھی اس کی کلائی کو بہت آہستگی سے چھوڑ دیا تھا۔ ''ہم یہاں کیوں آئے ہیں؟'' وہ ایسی مراعات کی عادی نہیں تھی۔ تبھی بولی تھی۔

''تم سے ضروری بات کرنا تھی۔ اگر تمہیں برا لگ رہا ہو تو اس کھانے کا بل پے کر سکتی ہو۔'' وہ شکانے اچکا کر بولا تھا۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

''اوہ اب یہ مت سمجھنا کہ میں تمہاری غربت کا مذاق اڑا رہا ہوں۔ یا تم پر کوئی چوٹ کر رہا ہوں۔ میں مذاق کر رہا تھا۔ میرے پروگرام میں مذاق کرنا شامل ہے۔'' وہ اسے جتاتے ہوئے بولا تھا۔

''تم نے کبھی کیکٹس کا پھول دیکھا ہے؟'' وہ بولا تو وہ بری طرح چونکی تھی۔ مگر وہ بہت رسانیت بھرے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''تمہیں دیکھ کر جانے کیوں میں اس کیکٹس کے پھول کا دھیان آ جاتا ہے۔ جو بے پناہ مصائب میں گھرا ہونے کے باوجود بھی جینے کے لیے مائل دکھائی دیتا ہے اور اپنے اندر ایک بے خوفی رکھتا ہے۔ میں نے کل اپنے گارڈن میں ایک کیکٹس کا پھول دیکھا تھا۔ مجھے اس کی خوبصورتی دیکھ کر جانے کیوں تمہارا خیال آ گیا۔ تم اس پھول کی طرح بے فکر ہو، نڈر ہو اور حوصلہ مند بھی۔ تم تمام حقائق سے لڑ کر بھی کہنے کا ہنر جانتی ہو اور.....!'' وہ یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔ جب وہ چونکا۔ شاید وہ بہت زیادہ کہہ رہا تھا۔ وہ رک گیا تھا ویٹر کھانا سرو کر گیا تھا۔ اس نے کھانے کی طرف اشارہ کیا تھا۔ مگر ایلیاہ میر نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

''مجھے بھوک نہیں ہے۔'' ریان حق نے بغور اس چہرے کو دیکھا تھا جانے کیوں وہ اسے کچھ اداس لگی تھی۔

''تمہیں اچھا نہیں لگا جو میں نے کیا یا جس طریقے سے کیا؟'' وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا تھا۔

''میں صرف تمہاری ہمت کو سراہ رہا تھا اور.....!''

''نہیں ایسی بات نہیں ایسے ہی لفظ کسی اور نے بھی کہے تھے مگر ان لفظوں میں زیادہ کچھ واضح نہیں تھا۔ مجھے حیرت ہے دو لوگ ایک ہی طرح کی بات کیسے کر سکتے ہیں؟'' نظریں نیچی کیے بولی تھی۔

''کون..... کس نے کہا تھا ایسا؟'' وہ چونکا تھا۔

''میرے فیانسی نے۔'' وہ کہہ کر لب بھینچ گئی تھی۔

''اوہ۔'' وہ اپنا پورا دھیان اس پر سے ہٹا گیا تھا۔ ''سو کب شادی کر رہی ہیں آپ؟ ساری تگ و دو اسی

لیے ہے۔'' وہ اس کی اسٹرگل کے لیے بات کر رہا تھا۔

''نہیں۔'' وہ پرسکون انداز میں بولی تھی۔''وہ میری زندگی سے کب کا خارج ہو چکا ہے اور یہ چیپٹر میں نے خود کلوز کیا تھا۔ یہ ایچمنٹ میں نے خود ختم کی تھی۔''

''کیوں.....'' وہ پوچھنے لگا تھا۔ ایلیاہ میر نے اسے دیکھا تھا۔

''میں اس پر بات کرنا مناسب خیال نہیں کرتی۔ مگر اتنا بتا سکتی ہوں کہ یہ تمام اسٹرگل میری فیملی کے لیے ہے۔ میرے چھوٹے بہن بھائیوں کے لیے جواب میری ذمہ داری ہیں۔''

''اوہ۔'' وہ کہتے ہوئے اسے کھانے پر مائل کرنے لگا تھا۔ ایلیاہ میر نے صرف سوپ لیا تھا۔

''سو مجھے لگا کہ آپ بہادر ہیں۔ یہ آپ کی بہادری کا تیسرا ثبوت ملا اب تک۔ شواہد کافی گہرے ہیں۔'' وہ مسکرایا تھا۔

''تیسرا ثبوت۔'' وہ چونکی تھی۔

''پہلا میرے آفس میں گھس کر، دوسرا مسٹر حیات کو پیٹ کر اور تیسرا اس گروہ سے نمٹتے ہوئے اور.....اوہ سوری یہ تو چوتھا ثبوت بن گیا۔'' وہ اسے مسکرانے پر اکساتے ہوئے بولا تھا۔ شاید وہ اس کے چہرے پر مسکراہٹ لانا چاہتا تھا۔ وہ مسکرا دی تھی۔ وہ بغور اس کے چہرے کو دیکھنے لگا تھا۔ پھر آہستگی سے بولا۔

''میں دیکھنا چاہتا تھا اگر کوئی پھول مسکرائے تو کیسا لگ سکتا ہے۔ میں نے کیکٹس کے پھول کو مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا۔'' وہ مدہم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ ایلیاہ میر اپنے لب بھینچ گئی تھی اور سوپ پینے لگی تھی۔

''تمہاری ریسٹورنٹ کی جاب کیسی جا رہی ہے؟'' وہ مدعا پر آتا ہوا بولا تھا۔

''ٹھیک، مگر میں نے نمرہ سے ایک اور جاب ڈھونڈنے کے لیے بھی کہہ دیا ہے۔ میں صبح میں فارغ ہوتی ہوں تو وقت بھی اوپل کر سکتی ہوں۔'' وہ مدہم لہجے میں بولی تھی۔

''تو ٹھیک ہے پھر آپ صبح ہی جاب جوائن کر سکتی ہیں۔'' اس نے اچانک کہا۔

''صبح..... کیسے، میرے پاس ابھی صبح کے لیے کوئی جاب نہیں ہے۔'' وہ جتاتے ہوئے بولی تھی۔

''میرے گھر میں ہاؤس کیپر کی جاب کرو گی؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔ وہ چونکی تھی۔

اتنے مشکل حالات کے بعد اب برا وقت جیسے اپنے پر سمیٹ رہا تھا۔ اسے تعرض سے کام نہیں لینا چاہیے تھا۔ اس کے پاس کوئی آپشن نہیں تھا اور انکار کر کے وہ اس موقع کو گنوانا نہیں چاہتی تھی۔ تبھی سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ اسی شام وہ سامان پیک کر کے ایسٹ لنڈن سے Belgravia آ گئی تھی۔ جو لندن کا ہی ایک امیر ترین رہائشی علاقہ تھا۔

اس نے شاید ویسا گھر اپنی پوری زندگی میں نہیں دیکھا تھا۔ وکٹوریہ جو دیگر امور سنبھالنے پر مامور تھی نے اسے پورا گھر دکھا دیا تھا اور پھر اسے اس کی جاب سمجھائی تھی۔ ریان حق نے اسے نہیں بتایا تھا کہ وہ اسے کتنا پے کرنے والا ہے۔ مگر اسے امید تھی کہ اس سے اتنا مل سکے گا کہ وہ اپنے بہن بھائیوں کے لیے ایک معقول رقم گھر

بھجوا سکے۔ اس شام ندا ماسو سے بات ہوئی تھی۔

''مجھے سن کر خوشی ہوئی تم نے ایک اچھی جاب حاصل کر لی ہے۔ انتھک محبت کرنے والوں کی اللہ بھی مدد کرتا ہے۔ میگر ایلیاہ تم اس طرح خود کو اگنور مت کرو۔''

''میں کہاں خود کو اگنور کر رہی ہوں ماسو۔'' وہ مسکرائی تھی۔ ''آج کل تو خوب پیٹ بھر کر کھانے لگی ہوں۔ یہاں کھانا اور رہائش فری ہے۔ سو پہلے کی طرح وہ لڑکیوں کے ساتھ ایک روم بھی شیئر نہیں کرنا پڑتا اور میں جو جی چاہتا ہے کھاتی ہوں۔ ان فیکٹ یہاں آ کر تو میرا ویٹ بھی ایک پاؤنڈ بڑھ گیا ہے۔'' وہ ہنسی تھی۔

''میرا مطلب وہ نہیں ایلیاہ تمنا ڈاکٹر بننے جا رہی ہے اور جامی بھی اپنا تعلیمی سفر کامیابی سے کر رہے ہیں میں بھی ان کی دیکھ بھال کے لیے یہاں موجود ہوں۔ تم اپنے بارے میں کیوں نہیں سوچتیں؟

اب تو حمزہ سے سلسلہ ختم ہوئے بھی کئی سال ہو گئے۔ بیٹا تم اپنی زندگی کی راہ تلاش کرنے میں عار مت جانو۔ اچھی زندگی جینے کا حق ہے تو خواب دیکھنے سے ہچکچاؤ مت۔''

''ماسو جانے دیں نابقول حمزہ کے میں کیکٹس کا پھول ہوں۔ شاید اسے میرے اردگرد زیادہ ہی کانٹے دکھائی دیتے تھے۔'' وہ ہنسی تھی۔ ''ویسے فی الحال میں اپنا سوچنا نہیں چاہتی سب کی تعلیم مکمل ہو جائے۔ اپنے اپنے پیروں پر کھڑا ہو جائیں تو سوچوں گی۔'' وہ بولی تھی۔

''ایلیاہ مجھے ڈر لگتا ہے کہیں تم سب کے خواب پورے کرتے کرتے خود خواب نہ بن جاؤ۔ اپنے خوابوں کو خواہشوں کو اس طرح غیر اہم مت جانو۔ جامی، ثناء اور تمنا کے لیے ہم بھی ہیں نا۔''

''او کے ماسو مگر فی الحال زندگی کچھ کٹھن ہے اس دور سے باہر آنے دو پھر دیکھیں گے۔ میں چاہتی ہوں کل کو کوئی مجھے الزام نہ دے یوں بھی اپنے لیے تو سبھی جیتے ہیں۔'' وہ مسکرائی تھی۔ اس کے پیچھے کھٹکا ہوا تھا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا ریان حق کھڑا تھا۔ اسے دیکھ کر شاید مروت سے مسکرایا تھا۔ کیا وہ اس کے اور ماسو کے درمیان ہونے والی گفتگو سن چکا تھا؟

''کیسی جا رہی ہے جاب اچھا لگ رہا ہے؟'' وہ پوچھنے لگا تھا۔

''ہوں.....!'' اس نے سر ہلایا تھا۔

''تم دادی اماں سے ملی ہو۔ وہ اپنے کمرے سے باہر نہیں آتی۔ تمہیں ان سے ملنے خود ان کے کمرے میں جانا پڑے گا۔'' ریان حق نے کہا تھا۔

''ہاں جانتی ہوں مجھے وکٹوریہ نے پہلے ہی دن ان سے ملوا دیا تھا۔ دادی سے مل کر بہت اچھا لگا۔ ان کا ادبی ذوق عمدہ ہے۔ ان کے لیے بکس پڑھنا اچھا لگا مجھے۔ وہ مطلع کرتی ہوئی بولی تو وہ مسکرا دیا تھا۔

''اوہ تو تم ان کے لیے بک ریڈنگ بھی کر رہی ہو۔ دادی اماں کو کتابوں سے عشق ہے۔''

''صرف آپ اور دادی اماں ہی اس گھر میں رہتے ہیں۔'' اس نے پوچھا تھا۔

''ہاں فی الحال ٹینا کچھ دنوں کے لیے جرمنی گئی ہوئی ہے۔''

''ٹینا؟'' اس نے زیرلب دہرایا تھا۔

''میری جرمن گرل فرینڈ۔'' اس نے مختصر بتایا تھا۔ ایلیاہ میر کو جانے سن کر اپنے اندر سکوت پھیلتا لگا تھا۔

''ممی ڈیڈی کی ڈیتھ کے بعد بہت عرصہ صرف میں اور دادی اماں اس گھر میں رہے پھر ٹینا میری زندگی میں آ گئی۔ اس کے آنے سے ایک تبدیلی آئی کہ گھر کا سکوت کچھ ٹوٹ گیا۔ اسے میوزک کا شوق ہے۔ اس کا ایک بینڈ ہے جس کی وہ لیڈ واکلسٹ ہے۔ کئی gigs کر چکی ہے وہ۔ ان فیکٹ کئی ایک gigs تو میں بھی اٹینڈ کر چکا ہوں۔ وہ ماڈلنگ بھی کرنا چاہتی ہے اور فلموں میں کام بھی۔ میں چاہوں تو یہ ممکن ہے۔ مگر میں اس میں اس کی مدد نہیں کرنا چاہتا۔ میں چاہتا ہوں وہ صرف میوزک کی حد تک محدود رہے۔ ٹینا ایک سیلف میڈ لڑکی ہے۔ وہ بھی اپنے بل بوتے اور اپنی صلاحیتوں کے سہارے آگے بڑھنا چاہتی ہے۔ آئی ہوپ تمہیں اس گھر کے تیسرے فرد سے مل کر بھی اچھا لگے گا۔'' وہ مسکرا دیا تھا۔ وہ رسماً مسکرا دی تھی۔

خواب دیکھنا شاید اتنا آسان نہیں ہوتا۔ وہ خوابوں خیالوں کی دنیاؤں سے واقف نہیں تھی یہ سفر یقیناً مہنگا بھی پڑ سکتا تھا سو اس نے خواب نہ دیکھنے اور خواب جزیرے پر نہ جانے کا قصد کیا تھا اور کام میں مصروف ہو گئی تھی۔

شام میں جب گارڈن میں تھی تو کیکٹس کے پھولوں پر نگاہ پڑی تھی۔ وہ بے ساختہ ان کے قریب آ گئی اور پھولوں کو چھو کر دیکھنے لگی تھی تبھی کیکٹس کے کانٹوں نے اس کے ہاتھ کو زخمی کیا تھا۔

''آہ۔'' اس کے منہ سے سسکی نکلی تھی۔ جانے ریان حق کہاں سے اس کے پیچھے آن رکا تھا۔ اس کے ہاتھ کو تھاما اور دبا کر خون نکال کر اپنے رومال سے صاف کرنے لگا تھا۔

''ممی کہتی تھیں اگر کچھ چبھ جائے تو باقی کا رکا ہوا بلڈ دبا کر نکال دینے سے سیپٹک نہیں ہوتا۔ آؤ میں تمہارے ہاتھ میں بینڈیج کروا دوں۔'' وہ بولا تھا۔

''نہیں اس کی ضرورت نہیں۔'' اس نے ہاتھ کھینچا تھا۔ مگر وہ اس پر مائل دکھائی نہیں دیا تھا۔ اسے اندر لے گیا تھا اور اینٹی سیپٹک سے اس کے زخم صاف کر کے ان پر چھوٹی چھوٹی پٹیاں لگانے لگا تھا۔

''آپ.....!'' اس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا تھا۔

''شش.....!'' ریان حق نے اس کے لبوں پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ وہ ساکت اس کی سمت تکنے لگی تھی۔ کچھ تھا اندر دل بہت تیزی سے دھڑکا تھا۔ اس شخص کے قریب بیٹھنے سے بات کرنے سے اندر کوئی لگن لگنے لگی تھی۔ کچھ عجیب محسوس ہونے لگا تھا جو اس سے پہلے محسوس نہیں ہوا تھا۔ کیا یہ خواہشوں کا انبار تھا جو اس کے اندر لگتا جا رہا تھا یا کوئی اور احساس تھا۔ یہ صرف دل کا دھڑکنا تھا یا پھر..... کچھ اور.....؟ وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔

''محبت! محبت ہوئی ہے تمہیں؟' یک دم پوچھنے لگا تھا۔ یہ اچانک محبت کی بات کیوں آغاز ہوئی تھی؟ وہ بے طرح چونک پڑی تھی۔

محبت بھی کیکٹس جیسی ہوتی ہے، کتنے بھی خار کیوں نہ لگے ہوں، ذہن یہ جانتا کیوں نہ ہو مگر پھر بھی، محبت کے قریب جانے کو دل چاہتا ہے، اسے چھونے کو دل چاہتا ہے، یقین کرنے کو دل کرتا ہے، محبت شاید اتنی ہی

عجیب ہے۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا تھا۔ ایلیاہ میر کو اس کی سمت دیکھنا محال لگا تھا، وہ اپنی نظریں پھیر گئی تھی، ساتھ ہی گردن کا رخ بھی، ریان حق نے ہاتھ بڑھا کر اس کا چہرہ اپنی سمت موڑا تھا۔

''تم یقین کرو یا نہ کرو۔ مگر مجھے جانے کیوں لگتا ہے کہ تم محبت جیسی ہو، انوکھی، پُرکشش، پُریقین، نڈر، بہادر اور بھرپور خالص، مجھے حیرت ہے محبت سے کبھی تمہارا ساتھ کیسے نہیں پڑا، وہ مسکرایا۔

''ایلیاہ میر! تم اتنی خوف زدہ کیوں ہو؟ میں نے محبت کو نہیں دیکھا مگر مجھے یقین ہے وہ خوف زدہ نہیں ہوتی ہوگی اور اگر ہوتی ہوگی تو شاید تمہارے جیسی دکھتی ہوگی، ان آنکھوں میں کچھ تو ہے شاید کوئی راز؟ تم ان رازوں سے ایک ایک کر کے پردہ اٹھاؤ گی تو میری مشکل آسان ہو جائے گی یا پھر تم ایسا کر کے میری مشکل اور بڑھا دو گی؟ بہت مدہم لہجے میں وہ کہہ رہا تھا، ایلیاہ میر کے لیے وہاں رکنا محال ہو گیا تھا۔ اس کا چہرہ اس کی نظروں کی تپش سے جلنے لگا تھا۔ وہ ایسا کیسے ہو گیا تھا؟ اچانک اس کے قریب کیوں آ رہا تھا؟ اس کا اندر، اس کا دل، سارا وجود بدل رہا تھا، یہ تغیر کیسے رونما ہوا تھا؟

ریان حق نے ایک پل میں ساری دنیا کو اپنے سنگ کیسے باندھ لیا تھا؟ وہ ناقابل حصول تھا، ناقابل رسائی تھا۔ وہ کیوں اس سے بندھ رہی تھی؟ کیوں اس کے دیکھنے سے دل کے زمانے اس کے ساتھ بندھ رہے تھے؟ وہ یکدم گھبرائی تھی۔ ریان حق نے ہاتھ تھام لیا تھا، وہ پلٹ کر دیکھنے لگی تھی۔ وہ اسکی سمت بغور دیکھ رہا تھا، ایلیاہ میر کی جان مشکل میں گھرنے لگی تھی۔

''میں حیران ہوں، میں بہت حیران تھا، جب تم سے پہلی بار ملا تھا میں ایسی لڑکی سے پہلے کبھی نہیں ملا، مجھے قبول کر لینے دو کہ میں نے زندگی میں تمہاری جیسی لڑکی نہیں دیکھی۔ تم دوسروں سے الگ ہو، کچھ عجیب ہو نہیں جانتا میں کیوں سوچ رہا ہوں مگر تم سے ملنے کے بعد کئی بار تمہیں سوچا، تم بہت انوکھی لگیں۔ مجھے کبھی محبت نہیں ہوئی، اس کے لیے وقت نہیں شاید محبت اتنی ہی انوکھی ہوتی ہے؟ مگر.....'' وہ رکا تھا۔ ''میں نہیں جانتا کیا ہے مگر تم اپنا گہرا اثر چھوڑتی ہو، بالکل محبت کی طرح۔ تم اس دنیا کی نہیں لگتیں، میں الجھن میں ہوں، فی الحال سمجھ نہیں پا رہا یا پھر تمہیں اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ پا رہا، مجھے پوری عقل کو شامل کرنے دو پھر کسی نتیجے پر پہنچوں گا شاید یا پھر تمہیں سمجھنے کے لیے عقل و خرد کو ایک طرف رکھنا ہوگا؟'' اسے سوالیہ نظروں سے تکتا وہ کچھ الجھا ہوا دکھائی دیا تھا اور الجھ تو وہ بھی گئی تھی۔ وہ ہاتھ چھڑا کر وہاں سے نکل گئی تھی۔

تمنا، ثنا، جامی خوش تھے، انہیں معقول رقم مل گئی تھی انہوں نے کڑا وقت نہیں جھیلا تھا، وہ خود دھوپ میں جل رہی تھی اور انہیں چھاؤں دے رہی تھی۔ اپنے بارے میں وہ نہیں سوچ سکتی تھی اور اگر سوچ بھی لیتی تو اس شخص کے متعلق تو بالکل نہیں سوچ سکتی تھی۔

وہ سو کر اٹھی تھی، معمول کے مطابق دن کا آغاز کیا تھا اس شخص کے سامنے دانستہ نہیں گئی، وہ پریقین تھی کہ ریان حق کے دل و دماغ میں کچھ نہ تھا، بے تکلفی سے بات کرنا اس کی عادت تھی، وہ اس ماحول میں پلا بڑا تھا۔

وہ دوستانہ انداز رکھتا تھا، جو تھا وہ اس کی طرف سے تھا۔ وہ خود تھی جو غلط سوچ رہی تھی اور وہ ایسا سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ اسے صرف وہ اس لیے انوکھی لگی تھی کیونکہ وہ اس طرح کی لڑکیوں سے واقف نہیں تھا۔ اسے مشرق لڑکیوں سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ شاید اس لیے وہ اس کے اثر میں تھا اور وہ اسے انوکھی لگ رہی تھی، شاید تبھی وہ اس سے مل کر حیران تھا اور الجھا ہوا تھا۔

سہ پہر میں جب وہ دادی اماں کو کتاب پڑھ کر سنا رہی تھی تبھی گھر میں غیر معمولی شور کا احساس ہوا تھا۔

''اف! لگتا ہے جرمن بلی آ گئی۔'' دادی نے کہا تھا، اسے جاننے میں دیر نہیں لگی تھی کہ دادی کس کی بات کر رہی تھیں۔

''تم نے چیزوں کی ترتیب تو نہیں بدلی؟ اسے اس بات سے سخت چڑ ہے، ریان کی زندگی میں یا اس کے گھر میں کوئی مداخلت کرے تو پھر اس کی خیر نہیں، تم سے پہلے تین ہاؤس کیپر برخاست کر چکی ہے وہ۔'' دادی نے بتایا تھا۔

اف اس نے کتنی تبدیلیاں کی تھیں سو کیا اب اس کو بھی جاب گنوانے کے لیے تیار رہنا چاہیے تھا۔ وکٹوریہ بھاگی بھاگی اندر آئی تھی۔

اوہ! اس کے لیے بلاوا آ گیا تھا، تو کیا اب اس کی خیر نہیں تھی؟ ایلیاہ میر ڈرتے ڈرتے اٹھی تھی، اور ٹینا کے سامنے چلتی ہوئی آن کھڑی ہوئی تھی۔

''یہ سب تم نے بدلا؟ وہ سامنے دیوار کی پینٹنگ، اس لیونگ روم کے کرٹین؟ میرے کمرے میں اشیاء کی ترتیب؟'' ٹینا نے اسے گھورا تھا۔ اس نے ابھی اثبات میں سر نہیں ہلایا تھا جب ریان حق اس کے مقابل آن رکا تھا، اس سے پہلے کہ ٹینا اس پر غصہ نکالتی یا اسے جاب سے برخاست کرتی۔ وہ بول پڑا تھا۔

''ٹینا! اسے ایسا میں نے کہا، مجھے لگا تمہیں یہ تبدیلی اچھی لگے گی، جو بھی ہوا میری مرضی سے ہوا۔'' وہ اسے سپورٹ کر رہا تھا اسے صرف اس کے غصے سے بچا رہا تھا؟ ایلیاہ میر نے اس کی سمت دیکھا، تبھی وہ اس کی سمت دیکھتا ہوا بولا تھا۔

''ایلیاہ! تم جاؤ یہاں سے۔'' اسکے حکم پر وہ وہاں سے ہٹ گئی تھی۔ دروازے کے قریب جا کر اس نے جانے کیوں پلٹ کر دیکھا تھا۔ وہ دونوں قریب تھے، اس کے اندر جانے کیوں دور تک خاموشی پھیلنے لگی تھی۔

ٹینا کے آ جانے سے جانے کیوں اس کے اندر کے موسم خاموشیوں میں گھر گئے تھے، ایسا کیوں تھا؟ کیوں وہ ریان حق کو ٹینا کے ساتھ نہیں دیکھ سکتی تھی، کیوں اتنا عجیب سا لگ رہا تھا؟ کیوں وہ بے چین ہو رہی ہے؟ یہ اضطراب رگ و پے میں دور تک پھیل رہا تھا؟ وہ عجیب مشکلوں میں گھر گئی تھی، یہاں رکنے سے پہلے کچھ اور مسائل میں گھڑی تھی اور یہاں آ کر کچھ عجیب نوعیت کی مشکلات اس سے بھی دوگنا بڑھ گئی تھیں، ان مشکلات سے وہ مشکلات زیادہ بہتر تھیں، تب سکون تو تھا، چین تو تھا۔

اس نے کچن کے دروازے میں رک کر گہری سانس خارج کی تھی۔ جب اپنے پیچھے کسی کی موجودگی کا

احساس ہوا، اس نے پلٹ کر دیکھا، اس کا لائٹ آف کرتا ہاتھ وہیں رک گیا، وہ اس کے قریب آ رکا۔

''آج کل کچھ کم دکھائی دے رہی ہو، ٹینا سے بہت ڈر لگتا ہے؟'' اس کا مکمل جائزہ لیتا ہوا وہ بغور دیکھ رہا تھا، اس نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''میں یہاں جاب کے لیے ہوں، جاب کے دوران غلطی ہو جائے تو ڈانٹ پڑ سکتی ہے، ٹینا اس گھر کی مالکن ہیں، باقی لوگوں کی طرح مجھے بھی ان کی مرضی کا احترام کرنا چاہیے۔'' وہ مخصوص پروفیشنل انداز میں بولی تھی۔ ریان حق نے خاموشی سے اس کی سمت دیکھا پھر اور قریب آ گیا اور دیوار پر ایک ہاتھ رکھ کر اس کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے وہاں سے نکل جل جانے کی ہر راہ مسدود کر دی تھی۔

''لگتا ہے تم بھید جاننے لگی ہو۔'' اسکی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے مدہم لہجے میں بولا۔

''لگتا ہے تمہیں خبر ہونے لگی ہے، یہ جو آنکھوں میں رتجگوں کا شمار ہے یہ یوں ہی نہیں ہے یا پھر اس کا بھی کوئی بھید ہے؟'' بہت مدہم سرگوشی تھی۔

ایلیاہ کی ساری جان ایک پل میں مٹھی میں سمٹی تھی۔ ساری خود اعتمادی ایک پل میں اڑنچھو ہوئی تھی، کوئی کہہ سکتا تھا یہ وہی ایلیاہ میر تھی، چودیدہ دلیری کی حد کرتے ہوئے ایک بندے کو پنچ مار سکتی تھی یا نڈر ہو کر کسی کی بھی گاڑی کے ٹائروں کی ہوا نکال سکتی تھی، اس لمحے وہ کیسی چاروں شانے چت کھڑی تھی، کیا شکست خوردہ سا انداز تھا، جیسے وہ کوئی مزاحمت کر ہی نہیں سکتی ہو، ریان حق نے اس کے چہرے کو بہت آہستگی سے چھوا تھا۔

''محبت یہی ہے، ایسی ہی ہوتی ہے یا پھر یہ سارے بھیدوں سے واقفیت پانے کا احساس ہے اور یہ نگاہ اس لیے جھکی ہے کہ اگر ملی تو سارے راز افشاں ہو جائیں گے۔ شکست خوردہ انداز یہ ڈری سہمی نظر یہ سانسوں میں تلاطم، اس کے اسباب ڈھونڈنے میں کتنی دیر لگتی ہے ایلیاہ میر؟'' ایلیاہ میر اس کی سمیت دیکھنے سے مکمل گریز کرتے ہوئے اس کی گرفت سے نکلنے کی سعی کرنے لگی تھی مگر وہ اس آہنی دیوار کو نہیں ہٹا پائی تھی، اس کوشش میں سر اس کے سینے سے جا ٹکرایا تھا، اس کی مخصوص خوشبو اس کے نتھنوں میں گھسنے لگی تھی، اس کی گرم گرم سانسیں اس کے چہرے سے ٹکرا رہی تھیں، اس کے حواس خطا ہونے لگے تھے۔

گہرے سمندروں سے محبت ہے تو پھر سمندروں میں طغیانی کیوں لاتی ہے یہ محبت؟ کچھ سوچنے سمجھنے کیوں نہیں دیتی؟ کناروں پر رکو تو سفر پر مائل کیوں ہے؟ اور رک جاؤ تو بے چینیوں کو سوا کیوں کرتی ہے؟ پوچھو اس محبت سے بات کرو یا کہو اس محبت سے بے بس نہ کرے۔'' وہ جنونی انداز میں اس کے کانوں میں سحر پھونک رہا تھا۔

کیا تھا، کیوں تھا؟ جیسے دل کسی نے مٹھی میں کیوں لے لیا تھا؟ وہ آنکھیں میچ گئی تھی یا پھر اس میں سکت ہی نہیں تھی کہ آنکھیں کھول کر اسے دیکھ سکتی، سامنا کر سکتی۔

''ایلیاہ میر..... الجھنوں میں تیرتے رہنے سے سرا ہاتھ نہیں آتا، سرا ہاتھ میں لینے کے لیے دھڑکنوں کو سننا، آنکھوں کو پڑھنا، فاصلوں کو سمیٹنا ضروری ہوتا ہے اور فاصلوں کو سمیٹنے کے لیے خالی ہاتھ نہیں چلا جاتا، ہاتھ تھامنا ضروری ہوتا ہے۔'' اس نے ایلیاہ میر کا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھ میں لیا اور ایلیاہ میر اس گھڑی جیسے طوفان کی زد پر

تھی، سارا وجود کانپ رہا تھا، جیسے سمندر میں طغیانی آ جائے تو ناؤ ڈول جاتی ہے۔

سمندروں میں بے سمت سفر نہیں کیا جاتا ایلیاہ میر سمندروں کے سفر سے سمتوں کا تعین کرنے کے لیے دل سے پوچھا تھا۔ صرف دل کی سنو اور جانو کہ کیا کہتا ہے اور نظر کے لیے اور محبت کے لیے ضروری ہے، جانتی ہو؟'' مدہم سرگوشی اس کے کان قریب ہوئی۔

''محبت کے لیے محبت ضروری ہوتی ہے ایلیاہ میر! محبت کو جیتنے کے لیے صرف محبت سے جیتا جاتا ہے، اگر ذرا سی بھی حقیقت ہے تو میری نظروں میں جھانکو اور دیدہ دل وا کرو، اسی بہادری سے جیسے پہلے دن میرے آفس میں گھسی تھیں۔ اگر کچھ حقیقت ہے تو خرد کو ایک طرف رکھ دو، دل کو فیصلہ کرنے دو کہ کبھی کبھی عقل کو تنہا چھوڑ دینا بھی ضروری ہوتا ہے، وہ مدہم سرگوشی میں اس کی سماعتوں میں کوئی جادو پھونک رہا تھا، اسے لگا تھا کہ اس کے گرد محبتوں نے حصار کھینچ دیا ہو اور وہ بالکل بے بس ہو گئی ہو، وہ شخص جنونی ہو رہا تھا، کیا تھا یہ؟ کیا حقیقت تھی؟ ٹینا جو اس کے حوالے سے اس گھر میں تھی؟ یا پھر اس کا یہ پل، جب وہ اس کے قریب تھا، کیا تھا سچ؟

ایلیاہ میر نے سر اٹھا کر اس کی آنکھوں میں لمحہ بھر کو دیکھا تھا پھر بہت سہولت سے اسے پرے دھکیلا تھا اور وہاں سے نکل گئی، وہ نہیں جانتی تھی سچ کیا تھا، مگر اسے اپنا سارا وجود شل لگ رہا تھا، جیسے وہ کسی محاذ سے لوٹی تھی مگر وہ فاتح نہیں لوٹی تھی۔ کچھ تھا جو وہیں رہ گیا تھا، اسے اپنا آپ بہت ادھورا لگا تھا، کیسا احساس تھا یہ؟ کیوں تھا؟ وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔

''کیا ہوا؟ تم اتنی کھوئی کھوئی کیوں ہو؟'' دادی اماں نے پوچھا۔ اس نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''ٹینا نے کچھ کہہ دیا؟ تم اس کی باتوں کا برا مت ماننا، دل کی بری نہیں ہے، ویسے یہ جرمن لوگ کچھ Weird ہوتے ہیں، ان کی سمجھ زیادہ نہیں آتی بڑے ان پریڈکٹیبل قسم کے ہوتے ہیں مگر ایک بار سمجھ آ جائے تو پھر نبھا آسان ہو جاتا ہے، دیکھو ریان کے کتنے قریب ہے وہ۔'' وہ کہہ رہی تھیں۔

''آپ کو بہت پسند ہے وہ؟'' وہ جانے کیا جاننا چاہتی تھی۔

''میری پسند ناپسند کی بات نہیں، میں کچھ دیسی ہوں، جس مٹی میں پیدا ہوئی اس مٹی کی خوشبو بھاتی ہے۔ تم اچھی لگتی ہو تبھی تو ساتھ بٹھا کر گھنٹوں باتیں کرتے رہنا چاہتی ہوں، ریان کے دادا میں اور ریان کے ڈیڈی جب یہاں انگلینڈ میں آئے تھے تو ریان کے ڈیڈی بہت چھوٹے سے تھے، ریان یہیں پیدا ہوا ریان کا باپ بھی یہیں پلا بڑھا، ان لوگوں نے اس زمین کو اپنا لیا، مگر ہمارے لیے اب بھی اپنی مٹی اور زمین کی قدر ہے برسوں گزر گئے دیس کو چھوڑے مگر آج تم سے ملی تو اپنی مٹی کی مخصوص خوشبو آئی، اگر میرا بس چلے تو ریان کے لیے کوئی اپنے ہی دیس کی لڑکی ڈھونڈ کر دلہن بنا کر لاؤں مگر ریان کو مشرقی لڑکیاں زیادہ بھاتی نہیں، دو چار رشتے داروں سے کہہ کر رشتے دکھائے ہیں مگر ریان ٹس سے مس نہیں ہوا۔ اب تک تین گرل فرینڈ بدل چکا ہے اور ان میں کوئی ایک بھی دیسی نہیں، ایک آئرش تھی، دوسری انگلش اور تیسری یہ ٹینا جو جرمن ہے۔ مجھے لگتا ہے ان لڑکیوں میں اعتماد کی کمی ہوتی ہے، ماڈرن سوچ کی نہیں ہوتیں۔ عجیب چھوئی موئی ٹائپ ہوتی ہیں، انہیں قدم سے قدم ملا کر چلنا نہیں

آتا۔ آج تک کسی مشرقی لڑکی کے قریب سے نہیں گزرا، کہتا ہے انہیں دیکھتے ہی Touch me not کی آواز آتی ہے، اب تو میں نے بھی کسی مغربی بہو کے لیے مائنڈ سیٹ کر لیا ہے، اگر ریان کی ماں زندہ ہوتی تو شاید وہ اس کی سنتا، مگر اب ایسا مشکل دکھائی دیتا ہے۔'' دادی اماں نے افسوس سے کہا تھا۔

''ریان کے ممی ڈیڈی کی ڈیتھ کیسے ہوئی تھی؟'' اس نے پوچھا تھا۔

''ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں، دونوں ایک ساتھ چلے گئے۔ ریان کو اسکا بہت گہرا صدمہ ہوا، تبھی چپ سا ہو گیا، کئی برسوں تک تو نہ ہنستا تھا نہ بات کرتا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ زندگی معمول پر آ ہی جاتی ہے سو ریان کو بھی سچائی ماننا پڑی۔ گئے ہوؤں کو واپس نہیں لایا جا سکتا، مگر وہ ہماری یادوں میں ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔''

''ریان حق محبت کرتے ہوں گے ٹینا سے؟'' اس نے دل میں آیا سوال پوچھا تھا، دادی مسکرا دیں۔

''بیٹا! پچھلے دو سال سے وہ گھر میں ہے، محبت ہو گی تو ساتھ ہے نا۔ ہم ٹھہرے پرانے وقتوں کے لوگ، ہمارے لیے محبت دو لوگوں کا اور خاندانوں کا قانونی اور مذہبی طور پر جڑنا ہوتا تھا۔ محبت اس رشتے کے بعد شروع ہوتی تھی، آج کل یہی رسمیں نہیں نبھائی جاتیں، ان مغربی ملکوں میں تو بالکل بھی نہیں، ان کے لیے تو محبت بھی فاسٹ فوڈ ہے یا کوئی Smothy یا ڈرنک ادھر غٹا غٹ اندر اور نشہ ہرن۔'' دادی بدگمان دکھائی دی تھیں۔

''اس کے لیے آپ ریان حق کو قصوروار نہیں ٹھہرا سکتیں، وہ ایسا بن سکا کیونکہ وہ اس ماحول میں پیدا ہوا اور پروان چڑھا، اگر وہ کسی مشرقی ماحول میں پرورش پاتا تو شاید وہ ایسا ہی ہوتا۔ ایلیاہ میر نے اس کی حمایت کی تھی۔ وہ انگلش لوگوں کی طرح دوستانہ مزاج رکھتا تھا، اچھا حس مزاح رکھتا تھا، سو جہاں بہت سی چیزیں وہ نہیں سیکھ پایا تھا وہیں کچھ اچھی چیزیں تو اس نے ماحول سے آڈاپٹ کر ہی لی تھیں، اس کی اس اچھائی کو تو اس نے بھی مانا تھا، جس طرح وہ برے دور سے گزر رہی تھی اگر وہ اس کی مدد نہ کرتا تو آج شاید وہ اس سے بھی بدترین صورت حال سے دوچار ہوتی، وہ اتنا برا نہیں وہ سر جھکا کر سوچنے لگی تھی۔ اگر اسے مشرقی لڑکیوں سے لگاؤ نہیں تھا تو اس سے..... کیا جاننے کے لیے اس نے دادی اماں سے اتنی بات چیت کی تھی اور کھلا کیا تھا؟ اس کا دل بہت سکوت سے بھر گیا تھا۔

''تمہارا پاسپورٹ کہاں ہے؟'' وہ لیونگ روم میں تھی جب ٹینا نے اسے آ لیا تھا۔ وہ چونک کر اس کی سمت دیکھنے لگی تھی، ٹینا کو اس کی خاموشی سے الجھن ہوئی تھی تبھی دوبارہ پوچھنے لگی تھی۔

''میں نے تم سے پوچھا تمہارا پاسپورٹ کہاں ہے؟''

''وہ میرے پاس نہیں ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں بولی تھی۔

''اوہ! تم غیر قانونی یہاں ہو؟'' وہ سخت لہجے میں بولی تھی۔

''نہیں، میں نے اپنے ویزا کو Extend کرنے کے لیے اپلائی کیا ہے سو پاسپورٹ یونکے بارڈر ایجنسی میں جمع ہے۔'' وہ صاف گوئی سے بولی۔

''اوہ! تب تمہارا کام کرنا بھی قانوناً نہیں، تمہیں یہ رعایت اس لیے ملی ہوئی ہے کیونکہ ریان کے گرینڈز کی

لنٹری سے ہو۔'' وہ اپنے مخصوص جرمن لہجے میں انگلش بول رہی تھی۔ اسے یہ چھان بین بہت بُری لگی تھی اس کا فطری غصہ عود کر آیا تھا۔

''ایکسیوزمی! میں تمہاری ملازم نہیں ہوں، سو تمہیں مجھ سے پوچھ گچھ کا کوئی حق بھی نہیں ہے۔'' وہ کٹے ہوئے لہجے میں بولی تو ٹینا اس کے پراعتماد، انداز اور ایٹی ٹیوڈ پر حیران رہ گئی تھی۔

''آئندہ مجھ سے ایسے سوالات مت کرنا۔'' وہ کہہ کر وہاں سے نکل گئی تھی، کچھ فاصلے پر کھڑے ریان حق نے بغور دیکھ لیا تھا اور ٹینا کے قریب آ گیا تھا۔

''تمہیں ایلیاہ میر سے ایسے بات نہیں کرنا چاہیے، اسے میں نے یہاں جاب دی ہے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ اس سے سوالات کرنے کا حق بھی صرف تمہیں حاصل ہے؟'' ٹینا نے اسے کڑے تیوروں سے دیکھا تھا ریان حق سنجیدگی سے دیکھنے لگا تھا پھر شانے اچکا دیئے تھے۔

''جیسا تم سمجھو۔'' ٹینا اس کے انداز پر چڑ گئی تھی۔

''کیا؟'' اس نے سرد لہجے میں پوچھا۔

''مجھے یہ لڑکی بالکل مناسب نہیں لگتی، کچھ عجیب ہے۔ اس کے اندر خوامخواہ کی اکڑ ہے، تیسری دنیا کی ایک چھوٹی سی کنٹری سے ہے اور بات ایسے کرتی ہے جیسے کہیں کی پرنسس ہو۔'' وہ تپے لہجے میں کہہ رہی تھی ریان کو یہ الفاظ اچھے نہیں لگے تھے۔

''ٹینا انسان کی عزت کرنا سیکھو، ایک انسان کی عزت بڑی یا چھوٹی، ترقی یافتہ ترقی پذیر کنٹری کے باعث نہیں ہوتی، بہ حیثیت انسان ہوتی ہے، وہ بہت پڑھی لکھی اور قابل لڑکی ہے، وہ اتنی چھوٹی جاب کرنے پر مجبور ہے کیونکہ اس کا ویزا Expired ہو گیا ہے، وہ کسی سے بدتر ہے نہ کم تر۔'' وہ اسے بھرپور ڈی فنڈ کر رہا تھا، ٹینا نے اسے چپ چاپ دیکھا اور پھر وہاں سے چلی گئی تھی۔

✿.....✿.....✿

''کہاں غائب ہو تم؟ ایسی گئیں کہ پلٹ کر خبر بھی نہیں لی؟ لگتا ہے کافی اچھی جاب مل گئی ہے جو دوست بھی بھول گئے؟'' نمرہ فون کر کے شکوہ کر رہی تھی، وہ مسکرا دی تھی۔ ''ارے نہیں تمہیں بھول سکتی ہوں بھلا، یہاں آ کر مصروفیت کچھ بڑھ گئی ہے، اب مجھے لگ رہا ہے کہ ہاؤس کیپنگ کرنا اتنا آسان کام نہیں، سچ نمرہ اتنا بڑا گھر ہے، بالکل کسی محل سا، میرے تو گمان میں بھی نہیں تھا ایک دن اتنے بڑے گھر میں رہوں گی۔'' وہ صاف گوئی سے بولی تھی، نمرہ مسکرا دی تھی۔

''کہیں ارادہ قبضہ جمانے کا تو نہیں؟ ریان حق خاصا ہینڈسم ہے اور.....''

''کم آن نمرہ! ڈونٹ بی اسٹوپڈ'' ریان حق کی گرل فرینڈ ہے اور مجھے دوسروں کے حق غصب کرنے کا کوئی شوق نہیں یوں بھی ریان حق مشرقی لڑکیوں سے دس فٹ دور بھاگتا ہے، اسے ٹچ می ناٹ والا دیسی امیج بالکل بھی پسند نہیں۔'' ایلیاہ نے بتایا۔

''اوہ! یہ تو ٹھیک نہیں، تم قائل کرلو نا اسے؟'' وہ چھیڑنے لگی تھی۔ ''اسے بتا دو، ہم مشرقی لڑکیاں بھی کسی سے کم نہیں، یوں بھی دیسی ہونے کے ناتے پہلا حق تو ہمارا ہی بنتا ہے، آخر کو ہم پاکستانی ہی تو ہیں۔'' نمرہ مسکرائی تھی۔

''وہ خود کو انگلش اور برٹش کہلانے میں زیادہ فخر محسوس کرتا ہے۔'' ایلیاہ نے گہری سانس لی۔ ''تم بتاؤ کیا کر رہی ہو آج کل؟'' وہ بات بدلتے ہوئے بولی۔

''کچھ خاص نہیں یار! شادی کا بہت موڈ ہو رہا ہے مگر لگتا ہے یہ لیکر میرے ہاتھوں میں نہیں ہے۔ کون سی لکی لڑکیاں ہوتی ہیں جن کی شادیاں ہوتی ہیں اور جن کی شادی کی فکروں میں ان کے گھر والے گھلے جاتے ہیں، یہاں دیکھو سال پر سال گزر رہے ہیں، یہاں پرائے دیس میں کماتے ہوئے اور گھر چلاتے ہوئے کسی کو احساس ہی نہیں شاید بیٹیوں کو کمانا نہیں چاہیے کیونکہ جب بیٹیاں کماتی ہیں تو پھر والدین ان کی ذمے داریوں سے نبرد آزما ہونے کا نہیں سوچتے، میں اپنے ماں باپ کا بیٹا بننا چاہتی تھی اور دیکھو بیٹی بھی نہیں رہی۔ کسی کو میرے احساسات کی فکر نہیں، کسی کو نہیں لگتا میرا گھر بھی بسنا چاہیے، سب کو بس یہ فکر ہے کہ میرا گھر بس گیا تو ان کے اخراجات کون اٹھائے گا۔ یہ اپنے کبھی کبھی کتنے خودغرض ہو جاتے ہیں نا۔ ایلیاہ میرمان تو تُو بھی خود کو ایسے ضائع مت کر، کل کو کوئی کام نہیں آتا نا بھائی، نا بہن۔'' نمرہ حقائق بتا رہی تھی، اسے نمرہ سے ہمدردی محسوس ہوئی تھی۔

''نمرہ! تم کوئی اچھا لڑکا دیکھ کر شادی کرلو۔''

''اچھا لڑکا.....!'' ''یہاں اچھا لڑکا کہاں سے ملے گا؟ جو اپنے دیس سے یہاں آتے ہیں وہ گوریوں کے پیچھے بھاگتے ہیں تاکہ انہیں ریڈ پاسپورٹ مل سکے، وہ اپنی لڑکیوں کو لفٹ نہیں کرواتے اور جو گورے ہیں وہ میرے کسی کام کے نہیں، ان کے لیے سوچنے سے بہتر ہے میں شادی کا نہ سوچوں۔ مجھے اپنے بچوں کو آدھا تیتر، آدھا بٹیر نہیں بنانا۔'' وہ نمرہ کی بات پر ہنس دی تھی۔ نمرہ صاف دل کی تھی سیدھی بات کرتی تھی۔

''تم ان لڑکوں کو بھول رہی ہو جو Born and Bred یو کے ہیں۔'' ایلیاہ مسکرائی تھی۔

''ان کی تو بات ہی جانے دو ایلیاہ!'' وہ منہ بگاڑ کر بولی۔

وہ سب سے زیادہ ٹیڑھی لکیر ہیں، پہلے غلطی سے یہاں پیدا ہوتے ہیں پھر ساری زندگی اس غلطی کو سدھارنے میں لگا دیتے ہیں۔ ریان حق انہی میں سے ایک ہے نا؟ دیکھو اسے دیسی لڑکیاں سرے سے پسند ہی نہیں؟ وہ تمہیں گھاس نہیں ڈال رہا حالانکہ تم اچھی خاصی اسمارٹ ہو، خوب صورت ہو اور پراعتماد ہو۔'' نمرہ نے تجزیہ کیا تھا۔

''نمرہ بات کسی اور کی نہیں ہے، میری ہے اور میں جانتی ہوں مجھے کیا چاہیے۔'' وہ تھکے ہوئے لہجے میں بولی۔

''تمہیں ریان حق جیسا بندہ نہیں چاہیے؟'' نمرہ چونکی تھی، وہ چپ رہی تھی۔

''ویسے ایک ٹرائی تو کرو، بندہ برا نہیں ہے، کیا ہوا جو برٹش ہے، ہے تو رئیس اور ہینڈسم بھی۔'' وہ اسے چھیڑ رہی تھی۔

''میں رانگ نمبر پر ٹرائی کرنا مناسب خیال نہیں کرتی نمرہ!'' وہ آہستگی سے بولی۔

''رانگ نمبر کہاں ہے یار! سیدھے سے رائٹ بندہ ہے۔'' وہ ہنسی تھی۔

''شاید مگر، لائن انگیج ہو تو دوسری بار ٹرائی کرنا عقل مندی نہیں۔'' اس کے انداز میں بولی تھی اور نمرہ کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

''خیر ہیں کواکب کچھ، نظر آتے ہیں کچھ، چلو مجھے نیند آ رہی ہے پھر بات کرتے ہیں۔ تم اب بھول مت جانا، ورنہ وہاں آ کر پٹائی لگاؤں گی۔'' وہ ایسی ہی بے تکلف تھی، تبھی اس سے اس کی خوب بنتی بھی تھی، نمرہ سے بات کرنے کے بعد وہ کافی فریش ہو گئی تھی مگر اسے اس کے لیے افسوس بھی تھا، کیسی حسرت تھی اس کے انداز میں شادی کو لے کر تو کیا وہ خود کو نظر انداز کر کے غلطی کر رہی تھی، ندا ماسو کا لہجہ سماعتوں میں گونجا تھا۔

''ایلیاہ خود کو اگنور مت کرنا، اس نے بہت سی سوچوں سے گھبرا کر سر نفی میں ہلایا تھا، اسے اندازہ بھی نہیں ہوا تھا، کب ریان حق اس کے سامنے آن بیٹھا تھا۔

''کس سے بات کر رہی تھیں تم؟'' وہ تفتیشی انداز اختیار کر رہا تھا یا محض بات آغاز کرنے کو بولا تھا، وہ الجھتے ہوئے اس کی جانب دیکھنے لگی تھی۔

''نمرہ سے.....''

''شادی کی بات ہو رہی تھی؟'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔ اسے کیسے خبر ہوئی تھی، وہ اپنی جگہ دنگ رہ گئی تھی۔

''ہاں وہ نمرہ شادی کرنا چاہ رہی ہے مگر اسے کوئی اچھا لڑکا نہیں مل رہا۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا۔

''اور تم.....؟'' وہ اسے موضوع بناتا ہوا بولا تھا۔

''میں.....؟'' وہ چونکی تھی۔

''تمہیں شادی نہیں کرنا؟ کوئی ارادہ ہے بھی کہ نہیں؟ ہے کوئی نظر میں۔'' وہ اس سے کیسے سوال کر رہا تھا؟ وہ حیران ہوئی تھی پھر نفی میں گردن ہلا دی تھی۔

''فی الحال کوئی پلان نہیں، یوں بھی پلان کے لیے کسی کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔'' وہ سرسری لہجے میں بولی اور گلدان میں پھول سیٹ کرنے لگی۔

''تمہارے اس فیانسی کا کیا ہوا؟'' ریان حق نے پوچھا وہ چونک پڑی تھی۔

''اس کے بارے میں کیوں بات کر رہے ہیں آپ۔ میں یہاں رہتی ہوں، جاب کرتی ہوں، اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر الٹی سیدھی بات آپ مجھ سے پوچھیں گے۔'' حمزہ کا نام سن کر ہی اسے غصہ آ گیا تھا۔ وہ جانے کیوں مسکرا دیا تھا۔

''مجھے جانے کیوں لگا تم اس کی یاد میں بیٹھی ہو، مشرقی لڑکیوں کا مزاج نرالا ہوتا ہے۔ کسی دوسرے کا خواب میں بھی سوچیں تو گناہ سمجھتی ہیں۔'' وہ جانے کیوں اسے چڑا رہا تھا۔ وہ خود اپنے اندر کی الجھنوں سے الجھتے ہوئے تھکنے لگا تھا یا اس کی خاموشی اس کے لیے قابل قبول نہیں تھی؟ ایلیاہ میر نے اسے اعتماد سے سر اٹھا کر دیکھا تھا۔

''میں کسی بات کی وضاحت دینا ضروری نہیں سمجھتی، مگر اس شخص کے لیے میری زندگی میں کہیں جگہ نہیں ہے، یہ بات بہت پہلے بھی بتا چکی ہوں۔'' وہ دوٹوک انداز میں بولی۔ وہ اس کے پھول لگاتے ہاتھ کو بغور دیکھنے لگا تھا پھر جانے کیا سوچ کر اس کا وہ ہاتھ تھام لیا، کلائی پر گرفت مضبوط تھی۔ وہ کوئی معنی اخذ نہ کر پائی تھی مگر تکلیف کے احساس سے اس کی سمت تکنے لگی تھی۔

''ایک لڑکی کیا چاہتی ہے؟'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مدہم لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ وہ خاموشی سے دیکھنے لگی تھی۔ ''میں جاننا چاہتا ہوں۔''

''لڑکی لڑکی میں فرق ہوتا ہے ریان حق! ہر لڑکی کے خواب ایک سے نہیں ہوتے ہر لڑکی کی خواہشات مختلف ہوتی ہیں۔'' وہ تکلیف کے احساس سے اس کی گرفت سے اپنی کلائی چھڑانے کی سعی کرنے لگی تھی، وہ اس کے جواب پر مسکرا دیا تھا۔

''تم کیا چاہتی ہو؟'' وہ آج اتنے عجیب سوال کیوں کر رہا تھا؟ اسے حیرت ہوئی تھی۔

''کیوں؟ کیا حق ہے آپ کے پاس یہ سب جاننے کا؟'' وہ تپ کر بولی تھی، وہ مسکرا دیا تھا۔

''چلو نہ بتاؤ، مگر میں جانتا ہوں لڑکی کے خواب کیا ہوتے ہیں اسے جنون ہوتا ہے پانے کا اور مزید پانے کا مرد کی توجہ، اس کا حصول اور پھر اس کی دولت کا حصول اور مزید اچھی زندگی گزارنے کی چاہ، مہنگی قیمتی اشیاء خریدنے کی خواہش۔ بس یہی ہوتی ہے لڑکی کی خواہش۔'' جانے کیا جانا تھا اس نے یا کسی بات کے گنجل اس کے اندر تھے جو وہ اس طرح سے بات کر رہا تھا۔

''میں نے کہا نا ریان حق! ہر لڑکی یہ خواب نہیں دیکھتی۔''

''اچھا بتاؤ ایک اولڈ فیشنڈ لڑکی کیا خواب دیکھتی ہے؟'' وہ اس پر انگلی رکھتے ہوئے بولا تھا۔

''میری ماں کہتی تھی لڑکی کے لیے سب سے زیادہ اہم محبت ہوتی ہے، وہ مرد کی محبت سے محبت کرتی ہے، مرد سے زیادہ کچھ نہیں چاہتی محبت کے سوا۔''

''اوں ہوں..... تمہاری امی کی بات نہیں ہو رہی۔ تم..... تم کیا چاہتی ہو؟'' وہ ساری توجہ اس پر مرکوز کرتے ہوئے بولا۔

''محبت، عزت اور تحفظ۔'' ایلیاہ میر روانی سے بولی۔

''اور.....؟'' وہ براہِ راست اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا تھا۔

''اور کیا؟'' وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی تھی۔

''پیسہ..... دولت..... شہرت؟'' وہ مسکرا دیا تھا۔

''یہ میری ترجیحات میں شامل نہیں۔'' وہ اعتماد سے بولی۔

''آہ! انوکھی لڑکی ہو تم، اپنی نوعیت کی انوکھی ترین لڑکی۔'' اسے جیسے ایلیاہ میر کے جواب نے مطمئن نہیں کیا تھا۔ ایلیاہ میر کی کلائی پر اس کی گرفت جوں کی توں تھی۔

''میری کلائی چھوڑیئے۔'' وہ درخواست کرتی ہوئی بولی۔ ریان حق نے اس کی بات سنی ان سنی کر دی تھی۔ کیا وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ وہ اس کی دولت میں انٹرسٹڈ ہے؟ مگر کیوں وہ تو سرے سے اس میں انٹرسٹڈ نہیں تھی؟ پھر وہ ایسا کیوں سوچ رہا تھا؟

''ریان حق! میری کلائی چھوڑیئے۔'' اس نے سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ دیکھا تو وہ اس کے انداز سے محفوظ ہوتا ہوا مسکرا دیا۔

''کیکٹس کا پھول، دیکھنے میں دل رُبا..... چھونے میں تکلیف دہ۔'' وہ مدہم سرگوشی کرتا ہوا اس کا ہاتھ چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ ایلیاہ نے سر اٹھا کر تکلیف کے احساس سے اسے دیکھا تھا مگر ریان حق اس کی پروانا کرتے ہوئے وہاں سے نکل گیا تھا۔ وہ اپنی کلائی کو دیکھنے لگی تھی جہاں پر اس کی گرفت کے نشان پیوست ہو گئے تھے، یہ کون سا طریقہ تھا احتجاج کا؟ اس سے اس طرح کا برتاؤ کرنے کا؟

اس نے دھندلاتی آنکھوں سے پار دیکھا تھا وہ ٹینا کے ساتھ کھڑا تھا، جانے کیا بات کر رہا تھا، پھر اسکو اور قریب کر لیا تھا، وہ جانے کیوں دیکھ نہیں سکی تھی اور اس طرف سے دھیان ہٹانے کی سعی کرنے لگی۔

کسی کی نظروں میں ناپسندیدگی ہو یا پسندیدگی اس کے بارے میں علم ہو ہی جاتا ہے۔ ٹینا کی نظروں میں اس کے لیے پسندیدگی نہیں تھی۔ یہ بات وہ جان گئی تھی، اس کی نظریں اس کی طرف اٹھتیں تو وہ بہت سرد ہوتی تھیں۔ مگر وہ محسوس کرتی تھی وہ کہیں بہت ڈری سہمی ہوئی ہے۔

''تمہاری یونیورسٹی سے تمہیں ڈگری کب مل رہی ہے؟'' اس شام وہ اس کے سامنے آن بیٹھی تھی اور بہت فرینڈلی انداز سے بات چیت کرنے لگی تھی۔ ایلیاہ میر کو زیادہ حیرت نہیں ہوئی تھی۔

''اس کے لیے کچھ ویٹ کرنا پڑے گا جو فی الحال میں کرنا نہیں چاہتی، یونیورسٹی سے ٹیکسٹ میسج موصول ہو جائے گا یا پھر ای میل کر کے بتا دیں گے وہ میں خود چاہتی ہوں ایسا جلد ہو۔'' ایلیاہ میر اطمینان سے بولی۔

''تمہارے فیوچر پلانز کیا ہیں؟ یونیورسٹی سے سرٹیفکیٹ ملنے کے بعد تو تم یہاں سے جا سکتی ہو نا؟'' ٹینا نرمی سے بات کو رہی تھی۔

''یونیورسٹی سے سرٹیفکیٹ ملنے کے بعد میں پوسٹ اسٹڈی ورک کے لیے اپلائی کر سکوں گی اور دو سال مزید یہاں رک سکوں گی۔'' وہ کافی کے سپ لیتے ہوئے بولی۔

''اوہ! اور اگر تمہیں نہیں ملتا تمہارا ویزا Expend نہیں ہو پاتا تو؟'' وہ مسکرائی تھی، کچھ حس مزاح پھڑکی تھی تبھی اطمینان سے بولی تھی۔

''تو پھر کوئی اور راستہ ڈھونڈوں گی، ویزا کئی طرح سے سوئچ ہو سکتا ہے اگر میں کسی مقامی بندے سے شادی کر لوں تو بھی میں یہاں رک سکتی ہوں۔''

''اوہ! تو تمہارا خواب یہاں مستقل رکنے کا ہے؟ پاسپورٹ پانا؟ ٹینا نے اپنے طور پر اخذ کیا تھا، وہ اس کی

کیفیت سے محفوظ ہوتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

''ویل بندہ امیر ہو تو اس بارے میں سوچا بھی جا سکتا ہے۔''

''اوہ! مجھے اس کا اندازہ پہلے ہی ہو گیا تھا۔'' ٹینا نے ہونٹ سکوڑے تھے، ایلیاہ میر مسکرا دی تھی اور بغور اس کے چہرے کے تاثرات کو دیکھا تھا۔

''ہے کوئی نظر میں؟''

''کون؟'' ٹینا چونکی تھی۔

''جو مجھے ریڈ پاسپورٹ دلانے میں مدد کر سکے؟'' وہ جاننا چاہتی تھی کہ اس کا ذہن کیا سوچ رہا ہے اور اگر ریان حق نے اس طوری ریجیکٹ کیا تھا اس کی وجہ کیا تھی، کہیں وہ ٹینا تو نہیں تو جو ریان حق کا مائنڈ بدل رہی تھی، اسے ایلیاہ میر سے بدظن کر رہی تھی۔

''یہاں کئی ہیں جو تمہاری مدد کر سکتے ہیں، تم صرف پیپر میرج کر کے بھی وہ سب حاصل کر سکتی ہو جن کا خواب تم دیکھ رہی ہو، یہاں ایسی پیپر میرجز عام ہیں، یہ شادیاں صرف ریڈ پاسپورٹ حاصل کے حصول کے لیے ہوتی ہیں اور اس کے بعد ختم ہو جاتی ہیں۔'' ٹینا نے بتایا تھا، جیسے وہ اس کی سب سے بڑی خیر خواہ تھی۔

''جانتی ہوں۔'' ایلیاہ میر اطمینان سے بولی تھی۔ ''میں غلط راستوں سے منزل پانے پر یقین نہیں رکھتی! اگر منزل پانا قسمت میں ہے تو راستے خود مجھے منزل تک رہنمائی دیں گے۔ وہ ایک تمہی ہو جس نے ریان حق کو جتانے اور قائل کرنے کی کوشش کی کہ میں یہاں پیسوں کے لیے رکی ہوئی ہوں؟ لالچی ہوں اور دولت یا ریڈ پاسپورٹ چاہتی ہوں؟'' ایلیاہ میر نے دوٹوک پوچھا تھا، وہ ساکت رہ گئی تھی، پھر کچھ دیر خاموشی کے بعد بولی تھی۔

''تمہیں یہاں سے چلے جانا چاہیے ایلیاہ میر! تمہارے اس گھر میں آنے سے پہلے ریان حق میرے بہت قریب تھا۔ مگر تمہارے یہاں آنے کے بعد وہ قربت معنی کھو گئی۔ میں نہیں چاہتی تم یہاں رہو اور ہمارے درمیان دیوار اٹھاؤ؟ مجھے غلط ثابت کرو گی؟'' ایلیاہ میر نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا، ٹینا نے گہری سانس خارج کی تھی۔

''میرے لیے ریان حق، اہم ہے اور میں اسے کھونا نہیں چاہتی میں نہیں چاہتی کوئی اس کا فائدہ اٹھائے، اس کے لیے میں کسی صحیح غلط کو نہیں مانتی۔'' بات جب کھل ہی چکی تھی تو وہ بھی کچھ مزید چھپانے میں عار نہیں جانتی تھی۔

''تم مجھ سے خوف زدہ ہو؟'' ایلیاہ میر کو حیرت ہوئی تھی۔ میں اس کی ایک ملازم ہوں، وہ تمہارے ساتھ دو سال سے ہے، تم دونوں قریب ہو، میں کہاں ہوں؟'' وہ بولی تھی۔

''تم اس کے دل میں ہو، اس کی آنکھوں میں ہو۔'' ٹینا نے جتایا تھا اور فضا میں ایک سکوت پھیل گیا تھا۔ ایلیاہ میر کو یہ سن کر عجیب لگا تھا۔ یقین نہیں ہوا تھا، وہ سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

''پلیز چلی جاؤ یہاں سے، کوئی اور جاب ڈھونڈ لو، تم چاہو تو میں پاؤل سے بات کر سکتی ہوں۔'' ٹینا بولی تھی۔

''کیسی بات؟'' وہ چونکی تھی ٹینا اس کی سمت دیکھتی رہی تھی پھر بولی۔

''وہ تمہارے ساتھ پیپر میرج کر سکتا ہے، وہ برٹش ہے، میرے ہینڈ میں ہے مگر اس کے لیے تمہیں اسے کچھ

پیسے دینا ہوں گے۔'' نیشنلٹی ملنے کے بعد تم شادی سے، اس تعلق سے آزاد ہو گی۔ یہی چاہیے نا تمہیں؟ تم قابل ہو اچھی جاب حاصل کر سکتی ہوں، خوب صورت ہو بہت سے اور مل سکتے ہیں تمہیں، زندگی شروع کر سکتی ہوں، مگر ہماری دنیا سے نکل جاؤ۔ اس سے زیادہ تمہاری مدد میں نہیں کر سکتی۔'' ٹینا بول کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ اس کی سفاکی پر حیران رہ گئی تھی۔ ٹینا جانتی تھی ویزا سوئچ کرنے کے کئی طریقے اور بھی تھے مگر وہ اس کی شادی کرانا چاہتی تھی تاکہ ان کی راہ سے ہمیشہ کے لیے نکل جائے۔ وہ اتنی بچی نہیں تھی کہ آنکھیں بند کر کے ٹینا کی مان لیتی تو پھر ریان حق نے ٹینا کی کیسے مان لی تھی؟ وہ لمحہ بھر کو سوچ کر حیران ہوئی تھی۔

اس دن کے بعد سے وہ شخص اسے بہت سرد لگ رہا تھا۔ اس کے قریب نہیں آیا تھا، اس سے بات نہیں کی تھی، اس سے نگاہ بھی نہیں ملائی تھی۔ وہ اس کی طرف دیکھتا نہ بات کرتا مگر وہ اسے اپنے بارے میں وہ غلط فہمی مزید رکھنے نہیں چاہتی تھی۔ وہ اسے ایک لالچی لڑکی سمجھ رہا تھا، موقع پرست جان رہا تھا اور ایک غلط تاثر بنائے بیٹھا تھا، وہ اس تاثر کو ختم کرنا چاہتی تھی، تبھی اس شام جب بارش ہو رہی تھی اور وہ کار پورچ سے باہر نکال رہا تھا، وہ اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔ ریان حق نے ہارن پر ہاتھ رکھا تھا مگر وہ پیچھے نہیں ہٹی تھی، وہ تیز بارش میں بری طرح بھیگ رہی تھی۔ جس کا اسے مطلق احساس تھا نہ پروا۔ ریان حق جانتا تھا اس کا مزاج وہ اگر ٹھان چکی تھی تو وہ گاڑی کے سامنے سے نہیں ہٹ سکتی تھی تبھی اسے گاڑی سے نکل کر باہر آنا پڑا تھا۔

''کیا حرکت ہے؟'' وہ برہم ہوا تھا۔

''مجھے بات کرنا ہے؟'' ایلیاہ میر نے مدعا بیان کیا۔

''کیا بات؟'' اوہ! ٹینا نے بتایا تھا تم جاب چھوڑ کر جانا چاہتی ہو؟'' وہ اپنے طور پر اخذ کرتا ہوا بولا۔

''ٹینا کی کہی گئی ہر بات پر اتنا ہی اعتبار کرتے ہو؟'' اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

ریان حق اسے کچھ دیر خاموشی سے دیکھتا رہا تھا پھر اسے شانوں سے تھام لیا۔

''مرد کی سب سے بڑی بے وقوفی کیا ہوتی ہے؟ وہ حسن کے غلط سلط کہے جانے پر اعتبار کرتا ہے، اس سے آگے دیکھتا ہے نہ سمجھتا ہے۔ میں نے تمہاری آنکھوں میں دیکھا تو اس سے آگے نہیں دیکھ سکا۔ اس چہرے سے آگے دیکھنے کی سکت نہیں رہی۔ بس یہیں پر الجھ گیا اور یہیں پر شاید غلطی بھی کر دی۔ میں نہیں جانتا تھا تم یہاں رہنے کے لیے کچھ بھی کر سکتی ہو، تم پاؤل سے شادی کر رہی ہو؟ چلو کسی طرح تمہاری پرابلمز کا حل تو نکلا، اب تمہیں جگہ جگہ خوار نہیں ہونا پڑے گا۔'' اس کے شانوں پر اس کی گرفت سخت تھی۔ اس کی انگلیوں کا دباؤ اسے اپنے گوشت کے اندر پیوست ہوتا محسوس ہوا۔ وہ اس شخص کے سامنے کھڑی تھی جس کے باعث اس کے دل نے دھڑکنا سیکھا تھا۔ اس شخص کی کھری کھری سن رہی تھی، جس کو اس نے خوابوں میں جگہ دی تھی مگر وہ کچھ نہیں سمجھ رہا تھا، کچھ نہیں دیکھ رہا تھا۔ تیز بارش میں وہ ساکت اس کے سامنے کھڑی تھی پھر ایک دم اس نے ریان حق کے ہاتھوں کو اپنے شانوں سے ہٹا دیا تھا اور پورے اعتماد سے اس کی نظروں میں دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

''میں غلط نہیں ہوں، نہ ہی لالچی ہوں۔ میں پیسوں یا دولت کے پیچھے کبھی نہیں رہی اب میری سمجھ میں آ

رہا ہے اس روز تم مجھ سے کیوں پوچھ رہے تھے کہ ایک لڑکی کیا چاہتی ہے، میرا جواب سننا چاہو گے؟'' میرا خواب آج بھی وہی ہے، محبت، عزت اور تحفظ۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں، جانتے ہو میں نے منگنی کی انگوٹھی اپنے منگیتر کے منہ پر کیوں ماری؟ کیونکہ وہ مجھے یہ تینوں چیزیں نہیں دے سکتا تھا کیونکہ میں نے اپنی ماں کو ان تین چیزوں کے لیے اپنی زندگی میں سسکتے، تڑپتے دیکھا ہے، میں اپنی ماں کی زندگی جینا نہیں چاہتی تھی۔ وہ کیکٹس کا پھول کہتا تھا مجھے اس کے لیے میں دلچسپی کا باعث نہیں تھی اور میرے لیے وہ اہم نہیں تھا۔ میری ماں ان لوگوں کی وجہ سے اس دنیا سے گئی، میں ان لوگوں کو کوئی رعایت نہیں دے سکتی۔ میں نے انتھک محنت کی راہ چن لی۔ کیونکہ مجھے خود پر بھروسا تھا، میں نے پوری جان لگا دی کیونکہ میں اپنوں کے لیے سب کچھ کرنا چاہتی تھی، جو شخص کسی سے پیار کرتا ہو وہ ان سب باتوں کو سمجھ نہیں سکتا۔ یہاں مزید دو سال ٹھہرنے کی خواہش میرا حق ہے۔ میں نے اس کے لیے یہاں کا سفر کیا ہے، اس سے مجھے کوئی روک نہیں سکتا نہ مجھے لالچی کہہ سکتا ہے۔ ہوں گے آپ کہیں کے پرنس مگر میرے لیے میرا وقار، میری عزت میرے تشخص سے بڑھ کر اور کچھ نہیں۔ اگر مجھے آپ سے محبت بھی ہوتی ہے تو میں آپ کو اس الزام کے لیے معاف نہیں کرتی۔ مجھے آپ سے بات کرنے کا شوق نہیں تھا مگر میں خود پر لگائے گئے الزام کی صفائی دینے کے لیے آپ کی گاڑی کے سامنے آئی، اگر آپ ایسا سمجھتے ہیں تو سمجھتے رہیں، میں پاؤل سے شادی کروں یا کسی اور سے آپ کو اس سے فرق نہیں پڑنا چاہیے۔ ایک ملازم تو ہوں ناں میں آپ کی پھر کس نے حق دیا آپ کو یہ سب سوچنے کا، میرے لیے آپ ایک انتہائی بند عقل کے آدمی ہیں، جس کی خود کی کوئی سوچ ہے نہ سمجھ بوجھ۔ آپ کو لگتا ہے میں آپ کے پیچھے ہوں، آپ پر فریفتہ ہوں، محبت ہو گئی ہے آپ سے؟ دولت ہتھیانا چاہتی ہوں آپ کی؟ آ..... آپ اگر مفت میں بھی ملیں تو بھی آپ کو قبول نہ کروں، چھوڑ رہی ہوں میں آپ کی جاب، نہیں کرنا ایسے شخص کے ہاں جاب جسے دوسرے کے بارے میں غلط سلط باتیں سوچنے کا خبط ہو۔'' وہ پلٹنے لگی تھی، جب یک دم رک کر دوبارہ مڑی تھی۔

''سچ کہوں؟ آپ کوئی اچھی مشرقی لڑکی کی ڈی زرو بھی نہیں کرتے کیونکہ آپ خود اس لڑکی کو پانے کے گٹس نہیں رکھتے۔ میں فضول میں متاثر ہو رہی تھی آپ سے آپ کی اچھائی سے۔ کچھ دیر اور یہاں رہتی تو شاید محبت بھی ہو ہی جاتی، تھینک گاڈ آنکھیں کھل گئیں، اگر کہہ دیتی کہ محبت ہو چکی ہے تو شاید آپ اسے بھی کوئی ٹرکس سمجھ لیتے، جس بندے کی اپنی کوئی عقل سمجھ بوجھ نہ ہو، اس سے کوئی کیا توقع کر سکتا ہے؟'' وہ پلٹ کر وہاں سے جانے لگی تھی کہ یک دم ریان حق نے اسے کلائی سے پکڑ کر ایک جھٹکے سے اپنی سمت کھینچا، انداز جارحانہ تھا۔ وہ اس کے سینے سے آن ٹکرائی تھی۔ دونوں بارش میں بُری طرح بھیگ رہے تھے مگر دونوں ہی کو اس بات کی مطلق پروا نہیں تھی۔ ایلیاہ میر نے سر اٹھا کر اپنے سامنے کھڑے شخص کو دیکھا تھا، نگاہ ان آنکھوں سے ملی تھی، وہ دونوں آنکھیں اس کے چہرے پر ٹکی تھیں۔ ایلیاہ میر کی روح فنا ہو چکی تھی۔ پوری جان میں ایک قیامت برپا ہوئی تھی۔ ان آنکھوں کے سامنے وہ ہارنا نہیں چاہتی تھی، شکست نہیں چاہتی تھی، تبھی وہ اس کی سمت اپنی آنکھیں ہٹا گئی۔

''بہت رعایت دی تمہیں بہت مراعات دیں، اس گھر میں لایا، کیوں.....؟'' وہ سخت لہجے میں کہہ رہا تھا، وہ

آنکھیں اس پر گڑی تھیں۔ ''میں چاہتا ہوں تم زندگی کا فیصلہ خود کرو ایلیاہ میر، خود گوشوارہ بناؤ، مجھے اپنے نفع نقصان کی پروا نہیں، شاید تمہیں اس سے فرق پڑتا ہوں، اپنا حاصل جمع کرو اور بتاؤ کہاں میں غلط ہوں اور کہاں تم؟ مگر یہ سب کرنے سے سچ تبدیل نہیں ہوگا، ٹینا پر یقین نہ کرنا حماقت ہوگی، وہ جھوٹ نہیں بولتی، اگر اس نے کہا کہ تم لالچی ہو تو ہو، مجھے پہلے ہی دن اس کا احساس ہو جانا چاہیے تھا۔ وہ مدہم مگر سخت لہجے میں بولا تھا۔ ایلیاہ میر کی آنکھیں بھرنے لگیں مگر ریان حق کو اس کی پروا نہیں تھی، ایک جھٹکے سے اس نے اسے چھوڑا تھا اور وہاں سے چلا گیا۔ ایلیاہ میر کس جگہ ہاری تھی۔ کس جگہ دل نے ڈبویا تھا۔

شکست پائی بھی تو کس جگہ۔

وہ وہاں مزید رکنا نہیں چاہتی تھی تبھی سامان پیک کیا اور واپس ایسٹ لنڈن آ گئی تھی۔ نمرہ کے دل اور کمرے دونوں میں اس کے لیے جگہ تھی، ایک ہفتے کی کوشش کے بعد اسے ایک ریسٹورنٹ میں جاب مل گئی تھی تو وہ ایک شیئرنگ روم میں دوسری جگہ شفٹ ہو گئی تھی، اندر ایک گہرا سکوت تھا اور وہ اس سکوت کو توڑنے کی کوشش بھی نہیں کر رہی تھی۔ زندگی کو ایک توازن دینے کی کوشش میں وہ ایک مشین بن گئی تھی، پلٹ کر ریان حق کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

عزت، محبت اور تحفظ..... اس کی ترجیحات میں عزت اول نمبر پر آ گئی تھی۔ محبت کو اس نے ثانوی قرار دیا تھا، شاید محبت کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی، ان دنوں وہ ممی کو بہت یاد کر رہی تھی، کئی بار ان کو یاد کر کے آنکھیں بھیگ چکی تھیں، وہ رو کر خود کو کمزور کرنا نہیں چاہتی تھی مگر سمجھ نہیں آتا تھا کیوں وہ خود پر کنٹرول نہیں کر پا رہی تھی۔

''تم نے بتایا نہیں اچانک سے ریان حق کی جاب کیوں چھوڑ دی؟'' وہ اس بات کا کوئی جواب نہیں دے سکی تھی نمرہ نے اسے بغور دیکھا تھا۔

''کیا ہوا؟'' تمہاری آنکھیں ایسے ویران کیوں لگ رہی ہیں؟'' اس نے سر نفی میں ہلایا اور وہاں سے نکل آئی تھی۔ زندگی میں بھیانک ترین لمحہ تب لگتا ہے جب کوئی آپ کا یقین نہ کر رہا ہو اور تب کوئی آپ کو انتہائی ارزاں جان رہا ہوں، اسے قلق اس بات کا نہیں تھا کہ اسے رد کیا گیا تھا۔ کسی اور کو اس کی جگہ اپنا لیا گیا تھا یا کسی کے کہنے پر اس کی بے عزتی کی گئی تھی، اس نے تمام چیزوں کو اپنے اندر کہیں مار دیا تھا۔ کسی بات کا احساس وہ اپنے اندر باقی نہیں رکھنا چاہتی تھی۔ اس شخص سے ملنا، بات کرنا، محبت ہونا، شاید اس کی غلطی تھی اور وہ غلطیوں کو زندگی پر طاری یا عادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ اپنی ماں جیسی زندگی نہیں گزارنا چاہتی تھی۔ جو محبت کو فوقیت دیتی رہی تھی اور جس کی خود کی زندگی محبت سے خالی رہی تھی۔ بے حس لوگوں کے درمیان رہنے سے کہیں بہتر تھا وہ تنہا رہتی۔ سکون سے رہتی۔

وہ ریسٹورنٹ میں جاب ختم کر کے گھر کے لیے آ رہی تھی جب اسے میسج آیا تھا کہ شاید کل یونیورسٹی میں اس کا سرٹیفکیٹ مل جائے گا، جس کے لیے اسے بل فورڈ جانا تھا۔ وہ اپنے ہی دھیان میں چل رہی تھی جب گاڑی کی ہیڈ لائٹس سے اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ اس نے آنکھوں پر ہاتھ رکھا، گاڑی اس کے قریب آن رکی تھی اور

گاڑی سے جو شخص نکلا تھا اسے دیکھ کر اسے کوئی حیرت نہیں ہوئی تھی۔ وہ چپ چاپ ریان حق کو دیکھتی رہی تھی، وہ گاڑی سے نکل کر اس کے سامنے آن رکا۔

''تم بتائے بغیر چلی آئیں، اپنی سیلری بھی نہیں لی میں کسی کا حق غصب کرنا مناسب خیال نہیں کرتا۔ یہ رہے تمہارے پیسے۔'' اس کی سمت ایک لفافہ بڑھایا تھا۔ جسے وہ کچھ لمحوں تک خاموشی سے دیکھتی رہی تھی پھر آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر وہ لفافہ تھام لیا تا۔

''تم نے شادی نہیں کی، پاؤل تمہارے ساتھ دکھائی نہیں دے رہا؟'' وہ طنز کرنا اپنا حق سمجھتا تھا، وہ غصے سے اسے گھورنے لگی تھی۔

''میں پاؤل سے شادی کروں یا کسی اور سے، آپ کو اس سے مطلب؟'' وہ اپنے ازلی ایٹی ٹیوڈ سے بولی تھی، وہ جانے کیوں مسکرا دیا تھا۔

''تمہیں ستاروں پر چلنے کا بہت شوق ہے نا؟ کہکشاؤں پر پاؤں دھرنا خواب اولین ہے؟ اس لیے تم کانٹوں سے دامن چھڑانا چاہتی ہو، اور اس کے لیے تم ہر انتہائی قدم اٹھا سکتی ہو؟ تمہاری آنکھوں کی لگن بتاتی ہے، اندر کہیں بہت ویرانی ہے۔ ان کہکشاؤں کی روشنی تمہاری ان آنکھوں میں کیوں نہیں، ستارے قدموں میں ہیں تو اندر اتنی تاریکی کیوں ہے؟ کس بات کی لگن سانسوں میں ارتعاش کا باعث ہے؟ کس بات کا تلاطم ان دھڑکنوں میں ہے؟ ہم سر راہ اس کا فیصلہ نہیں کر سکتے ہم باتوں کو سر راہ ڈسکس نہیں کیا جا سکتا؟'' وہ بہت اطمینان سے کہتا ہوا مسکرا دیا تھا۔ کیسا بے حس شخص واقع ہوا تھا جسے ذرا بھی ملال نہیں تھا کہ وہ کسی کے دل کو زک پہنچا چکا ہے، ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں دنیا میں، وہ ابھی سوچ ہی رہی تھی جب ریان حق اس کا ہاتھ تھام کر اسے گاڑی کے پاس لے آیا، وہ ایک پل کو حیران رہ گئی تھی۔ یہ کیا کر رہا تھا وہ؟ کیوں اس کی اجازت کے بنا؟ یہ شخص کیوں سمجھتا تھا کہ اسے ہر جائز و ناجائز کرنے کا اختیار ہے اور وہ ہر طرح کا رویہ واجب رکھ سکتا ہے۔

''آپ.....'' اس نے سخت سست کہنے کے لیے منہ کھولنا چاہا تھا ریان حق نے اس کے لبوں پر ہاتھ رکھ دیا، وہ ساکت سی اس کی سمت تکنے لگی۔

''مجھے شور سے الجھن ہوتی ہے، فی الحال کوئی بات مت کرو۔'' وہ حتمی انداز میں کہہ کر گاڑی آگے بھگانے لگا، ایلیاہ میر چپ چاپ اسے تکنے لگی تھی۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟'' اسے اپنی سمت دیکھتا پا کر وہ بولا۔ وہ اس کی سمت سے اپنی نظریں ہٹا گئی تھی۔ وہ نظریں صاف کہہ رہی تھیں کہ انہیں گلہ ہے اور بات کرنا نہیں چاہتیں۔ ریان حق نے اسے بولنے پر نہیں اکسایا تھا۔ گاڑی ریان حق کے گھر کے سامنے رکی تھی تو وہ چونکی۔

''یہاں کیوں لے آئے آپ مجھے؟'' وہ چونکی۔

''ضروری بات کرنا ہے، ضروری باتیں سڑکوں پر کھڑے ہو کر سر راہ نہیں ہوتیں، اترو۔'' اسے گاڑی سے اترنے کا کہہ کر وہ ڈور کھول کر باہر نکلا تھا۔

''اتنی رات میں کسی بات کا احساس ہے آپ کو؟ کل مجھے کیمپس جانا ہے۔ ڈگری کلیکٹ کرنا ہے اور.....''

''اوہ! تم اب بھی اپنی ڈگری کا انتظار کر رہی ہو؟ مجھے لگا تم نے پاؤل سے شادی کر لی ہوگی اور تمام پرابلمز کا حل ڈھونڈ لیا ہوگا۔ مگر تمہاری سوئی تو وہیں اٹکی ہوئی ہے۔'' ریان حق کا انداز اسے تلملا گیا تھا۔

''انتہائی فضول درجے کے انسان ہیں آپ۔ دوسروں کی زندگی میں مداخلت کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں، جو کرتے ہیں اپنے طور پر کرتے ہیں اور اسے ہی مناسب خیال کرتے ہیں، جو کہتے ہیں وہی آپ کو صحیح لگتا ہے۔ آپ دوسروں کی زندگی میں مداخلت کرنا بند نہیں کر سکتے؟ امیر پیدا ہو گئے ہیں اس زمین پر پیدا ہو گئے تو پرمٹ مل گیا آپ کو کسی کو بھی ذلیل کرنے کا؟ میں قطعاً امپرسٹڈ نہیں ہوں آپ سے۔ آپ کی ان حرکتوں کے بعد تو قطعاً نہیں۔ آپ مجھے مزید غصہ مت دلائیں ورنہ.....'' اس نے دھمکی دی تھی اور ریان حق نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا اور کچھ قریب آ گیا تھا، اس کی آنکھوں میں مکمل توجہ سے دیکھا تھا۔

''ورنہ.....؟'' وہ اس کی دھمکی سے آگے سننا چاہتا تھا۔ ایلیاہ میر اسے غصے سے گھور رہی تھی۔ جب ریان حق نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر اس کی آنکھوں کو بھینچ دیا۔

''کبھی کبھی کھلی آنکھوں سے جو دکھائی نہیں دیتا بند آنکھوں سے دکھائی دیتا ہے۔ میں چاہتا ہوں تم میرے معاملے میں اپنی آنکھیں بند کر لو، سماعتوں کو تالے لگا دو اور صرف دل کو محسوس کرنے کے لیے تنہا چھوڑ دو۔ کبھی کبھی دل اپنی جانچ پڑتال خود جس ڈھنگ سے کرتا ہے اس میں فرد کو کچھ واسطہ نہیں ہوتا۔'' اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھے وہ بولا تھا۔ ایلیاہ میر آنکھوں سے سننے پر مجبور تھی اور اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ کیا کہہ رہا تھا اور کیونکر.....!

''میں چاہتا ہوں تم اپنی پوری عقل کو استعمال کرو۔ وہ جانو جو آج سے پہلے نہیں جانا یا پھر جانا بھی تو انجانا کر دیا۔ میں نے اس سے قبل اپنی دونوں آنکھوں کو استعمال نہیں کیا تھا۔ تم نے موقع ہی نہیں دیا، چاہتا تھا تمہیں دونوں آنکھوں سے بغور دیکھوں، پوری عقل سے جانچوں اور دل سے پہچانوں۔ میں چاہتا ہوں تم وقت کی رفتار کو کچھ دھیما کر دو تا کہ سارے منظر یک دم سے نہ گزرنے پائیں اور ساری چیزیں متواتر دل پر اثر کر سکیں، مجھے وقت کو تھامنے کا شوق تھا مگر میں نہیں کر پایا۔ تمہارے مقابل عجیب شکست خوردہ رہا، تم نے میرے وقت کو مجھ سے چھینا اور مجھے اپنے آپ سے بیگانہ کر دیا۔ محبت سے گلے ہیں تم سے اور سب سے لمحوں کا حساب لینا ہے مگر آج نہیں۔'' وہ مدہم لہجے میں کہہ کر اس کی آنکھوں پر سے اپنا ہاتھ ہٹا گیا۔ ایلیاہ میر نے اس کی سمت دیکھا تھا، رات کی اس تاریکی میں ان آنکھوں میں کچھ بے چینی تیرتی واضح دکھائی دی تھی۔ کس بات کا احساس تھا یہ؟ اس کے اثر کا تسلسل ٹوٹا تھا جب اس کا سیل فون بجا تھا۔ دوسری طرف ندا ما سوتھیں۔

''ایلیاہ کیسی ہو تم؟ تمنا کے لیے ایک اچھا پروپوزل آیا ہے، میں ای میل کرتی ہوں تم لڑکے کو دیکھ کر فیصلہ کرو، کیا کرنا ہے؟ مجھے اور تمہارے انکل کو تو کافی معقول لگا ہے وہ۔ تمنا کی تعلیم ختم ہونے والی ہے اور شادی بھی ہو جائے تو تمہاری ذمے داری کچھ تو کم ہوگی نا۔''

''لیکن ماسو ابھی؟ آپ جانتی ہیں میں یہاں کن حالات سے گزر رہی ہوں، اس میں تمنا کی شادی کیسے ہو گی؟ مناسب ہو گا ہم دو سال بعد ہی سوچیں اور.....''

''ان باتوں کو چھوڑ و تم..... میں نے ایک اچھا لڑکا تمہارے لیے بھی دیکھا ہے لڑکا انجینئر ہے اچھا کماتا ہے تم کہو تو تصویر بھجوا دوں؟ ندا ماسو نے ٹھان لی تھی تمنا کے ساتھ اس کی شادی بھی کروا کر ہی رہیں گی۔ اس نے ریان حق کی سمت دیکھا تھا۔

''میں نے آپ سے کہا تھا نا ماسو فی الحال میری شادی کے بارے میں مت سوچیں، جس لڑکے کو آپ نے قائل کیا ہے نا وہ صرف اس بات پر قائل ہوا ہو گا کہ میں یعنی لڑکی یہاں انگلینڈ میں ہوں، اسے نہیں معلوم کن حالات میں ہوں اور کتنی مشکلوں میں۔ مزید کسی اور کا بوجھ نہیں اٹھا سکتی اور.....'' اس نے کہنے کا قصد کیا تھا، ریان حق نے اس کے ہاتھ سے سیل فون لے لیا۔ وہ حیرت سے تکنے لگی تھی مگر وہ بنا اس کی نظروں کی پروا کیے ندا ماسو سے بات کرنے لگا تھا۔

''ندا ماسو! آپ کی بھانجی کافی ٹیڑھی لکیر ہیں، ان کے لیے کسی انجینئر کی نہیں دماغ کے ڈاکٹر کی ضرورت ہے۔ آپ کہیں تو میں یہاں نیوز پیپر میں اشتہار لگوا دوں، کسی کی شامت تو آئی ہو گی، کہتے ہیں گیدڑ کی جب شامت آتی ہے تو شہر کا رخ کرتا ہے، کسی عقل کے اندھے کی شامت آئی ہو گی تو ضرور ایلیاہ میر سے رجوع کرے گا۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟'' وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا، دوسری طرف ندا ماسو حیران ہوئیں، مگر کہنے والے نے اپنا تعارف کروانے کی بجائے یا اس کہے کی وضاحت دینے کی بجائے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے؟'' وہ اسے گھورتی ہوئی بولی تھی۔ ''کیا حق پہنچتا ہے آپ کو میری ماسو سے اس طرح سے بات کرنے کا؟ وہ بھی میرے بارے میں؟'' وہ سخت سست سنانے والی تھی جب ریان حق نے اس کے لبوں پر شہادت کی انگلی رکھ دی تھی اور پوری توجہ سے دیکھنے لگا تھا۔

''اور کتنے چاہئیں؟'' وہ پوچھنے لگا تھا وہ بری طرح چونکی تھی کچھ کہنا چاہا تھا مگر اس کی انگلی بدستور اس کے لبوں پر سختی سے جمی تھی سو وہ بول نہیں پائی۔

''ایک مل گیا سو کافی نہیں ہے؟'' وہ کس کی بات کر رہا تھا؟ اور اتنی دھونس سے کیوں؟ سارا رعب وہ اسی پر کیوں جماتا تھا؟ ایلیاہ میر کو غصہ آنے لگا تھا، وہ اس کی نظروں کی سرخی دیکھ کر مسکرا دیا تھا۔

''ان آنکھوں میں غضب نہیں پیار زیادہ سوٹ کرے گا تم اب نرمی اور محبت سے دیکھنے کی عادت ڈال لو۔'' ایلیاہ میر نے اس کا ہاتھ اپنے لبوں سے ہٹایا تھا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے؟ کیا بکواس کر رہے ہیں آپ؟ دو پیسے ہیں جیب میں تو کوئی بھی بات کہہ سکتے ہیں؟ کسی پر بھی رعب جما سکتے ہیں؟ آپ کی حیثیت سے متاثر ہو جاؤں گی، جرمن بلی سمجھ رکھا ہے مجھے؟'' وہ گھورتے ہوئے بولی۔

''اوں ہوں، جرمن، جرمن بلی..... جرمن بلی کا یہاں کام نہیں۔ اس کا قصہ تمام ہوا۔'' وہ بہت رسانیت

سے بولا تھا، وہ چونکی تھی۔

''کیا مطلب؟'' ایلیاہ میر جاننے کی خواہاں ہوئی تھی۔

''ٹینا کو لگتا تھا مجھے اس سے محبت نہیں ہے اور مجھے محبت تھی بھی نہیں، دو سالہ رفاقت میں، میں نے اسے کبھی دو تین لفظ نہیں کہے، کبھی وہ محسوس نہیں کیا جو دو دلوں میں رابطہ ہوتا ہے، ہم میں سب بہت سرد تھا اور بہت سرد مہری میں زمانے بیت رہے تھے، شاید میں انہی زمانوں میں ایک سرد وجود بن جاتا جب تم مجھ سے ٹکرا گئیں۔ تم سے ملا تو حدت کا احساس ہوا، شدت کا احساس اہوا۔ مجھے قبول کرنے دو کہ تم پہلی لڑکی ہو جس نے مجھے حیران کیا اور پریشان بھی۔ کئی دن تک الجھنوں میں رہا، خود اخذ نہ کر پایا کہ ایسا کیوں ہے اور تبھی ٹینا نے تمہیں راہ سے ہٹانے کی ٹھانی، بتایا کہ تم پاؤل کو پسند کرتی ہو، اس سے شادی کرنا چاہتی ہو اور میرے قریب اس لیے آئی ہو کہ میری دولت کو ہتھیا سکو۔ تم مجھے بند دماغ کا آدمی کہہ سکتی ہو، جس پاؤل کو ٹینا چاہتی تھی اور جس سے تم کبھی ملی بھی نہیں تھیں اس سے تمہیں محبت کیسے ہو سکتی تھی؟ یا تم اس سے شادی کرنے کا کیسے ٹھان سکتی تھیں۔ یہ بات تب میری سمجھ میں نہیں آئی تھی؟ مگر تمہارے جانے کے بعد آئی جب ایک دن پاؤل سے ملاقات ہوئی۔ وہ گھر آیا تھا ٹینا سے ملنے۔ تبھی مجھے اس سے بات کرنے پر پتا چلا کہ وہ تو تمہارے نام سے بھی واقف نہیں۔ مجھے ٹینا سے یہ امید نہیں تھی مگر شاید وہ مجھے گنوانا نہیں چاہتی تھی، تم اس گھر میں تھیں۔ مجھ سے قریب تھیں یہ بات اسے فکرمند کر رہی تھی بہرحال ایک کہانی کو ختم ہونا تھا سو تمام ہوئی۔ وہ گھر سے چلی گئی، اسے یہاں رکنے کا جواز نہیں دکھائی دیا اور مجھے بھی یہ مانتے ہی بنی کہ تم کیا ہو اور کیا اہمیت رکھتی ہو۔ شاید اب اگر میں کہوں کہ میں آج تمہیں اپنی پوری توجہ سے اور دونوں آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں تو تمہارا دل میرا سر پھوڑ دینے کو چاہے گا مگر یہی سچ ہے۔'' ریان حق نے کہہ کر اسے خود سے کچھ اور قریب کیا۔

وہ آنکھیں پھاڑے اسے دیکھنے لگی تھی، یہ کیسا اظہار تھا اسے خود اپنی سماعتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ قسمت اس پر مہربان ہو رہی تھی، ڈھنگ سے، وہ خود یقین کرنے کو تیار نہ تھی۔

''میں ان دھڑکنوں کو تمہارے ساتھ جوڑنا چاہتا ہوں، تمہارے قدموں سے قدم ملا کر چلنا چاہتا ہوں، کیا تم اس کا موقع دو گی؟'' ایلیاہ میر اسے جامد نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ ریان حق نے اس کے چہرے پر آئے بالوں کی لٹ کو اس کے چہرے سے ہٹایا اور مدہم سرگوشی میں بولا۔

''ایلیاہ میر! مجھے ایسی ہی لڑکی کی ضرورت تھی، جو مجھے اچھی طرح جانتی ہو اور مجھے اپنے ساتھ باندھ سکے، تم نے پہلے ہی دن اپنے اثر میں لیا اور سنگ جوڑ دیا، مجھے دبی ڈبی دبو قسم کی لڑکیاں پسند نہیں، لڑکیوں میں حوصلہ ہونا چاہیے اپنی ذات کو منوانے کا ڈھنگ ہونا چاہیے۔ اعتماد ہونا چاہیے، اور تم میں وہ سب ہے۔ تم نے جس طرح مسٹر حیات کو اس رات روز دار پنچ مارا اس سے میں بہت زیادہ متاثر ہوا تبھی مجھے لگا میں تمہارے ساتھ اندر سے کہیں جڑ رہا ہوں۔ میں نے شور نہیں مچایا، بس خاموشی سے اپنے اندر کی آواز کو سنا۔ اپنے اندر کے شور کو سمجھا اور جانا کہ دل کیا کہتا ہے اور اندر کی آواز کیا ہے، کوئی تم جیسی دلیر دھانسو قسم کی لڑکی ہی ہو سکتی تھی، جس کے ساتھ

میں قدم سے قدم ملا کر چل سکتا تھا، میں تم سے ملنے سے پہلے خود نہیں جانتا تھا کہ میرے اندر کیا ہے یا میری خواہش کیا ہے، تم نے میرے نظریات کو بدلا میری سوچ کو بدلا اور میرے دل کو جیتا، ایسی ہی ہوتی ہے نا محبت؟ دلیر، نڈر، بے ریا، اور بے غرض اور مصائب کے باوجود بھی تھکنے والی نہ رکنے والی؟ تبھی میں نے تمہیں کیکٹس کا پھول کہا۔ تم ویسی ہی تو ہو۔ اجلی اجلی، کھلی کھلی بہت سے مصائب کا ڈٹ کا سامنا کرتی، ایسی جیون ساتھی کون نہیں چاہے گا؟ اور کون ہوگا جو پاگر گنوا دے گا؟ میں ان کم عقلوں اور نافہم لوگوں کی فہرست میں نہیں شمار ہونا چاہتا تھا تبھی میں نے لمحوں کو شمار کرنا ترک کیا اور تم تک کا سفر کیا۔

میں جانتا ہوں ان دھڑکنوں میں کیا ہے اور یہ دل کس باعث دھڑکتا ہے، اتنا احمق نہیں ہوں، قیاس آرائیوں پر یقین نہیں کرتا مگر محبت ایک یقین ہے، ربط ہے اور میں اپنے دل کو تمہارے دل سے جڑا ہوا محسوس کرتا ہوں اور میں جانتا ہوں تم بھی ایسا ہی محسوس کرتی ہو، دادی اماں کی خواہش بھی یہی تھی میری دلہن دیسی ہو پکی مشرقی ہو بچے آدھے تیتر آدھے بٹیر نہ ہوں۔ سو اب سب کی خواہشوں کے پورا ہونے کا وقت آ گیا ہے۔

''وہ مسکرایا تھا، وہ پلکیں جھکا گئی تھی، اس خاموشی میں ریان حق کے دل کی دھڑکنیں اسے بہت واضح سنائی دی تھیں، وہ ان دھڑکنوں کے معنی سمجھ سکتی تھی۔ ان دھڑکنوں میں چھپے راز جان سکتی تھی لمحہ بھر کو اس نے آنکھیں موند لیں شاید یقین کرنے کے لیے کہ وہ بند آنکھوں سے بھی وہی دیکھ رہی ہے جو کھلی آنکھیں اسے دکھا رہی تھیں؟ لمحہ بھر کو وہ اس طرح کھڑی رہی تھی پھر اپنی آنکھیں کھول کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

بند آنکھوں سے کیا دکھائی دیا؟'' وہی نا جو کھلی آنکھوں سے دکھائی دے رہا ہے؟'' ریان حق نے پوچھا تھا، ایلیاہ میر نے چند لمحوں تک سوچا پھر ہاتھ کا پنچ بنا کر اس کی سمت بڑھایا تھا، جسے ریان حق نے ہاتھ بڑھا کر تھام لیا تھا، اس کا ہاتھ اس کے ہاتھ کی گرفت میں آ گیا تھا۔ ایلیاہ خاموشی سے دیکھنے لگی تھی پھر مسکرا دی تھی، اس کے چہرے کو بغور تکتے ہوئے ریان حق بھی مسکرا دیا۔

''تمہاری مسکراہٹ بہت بھلی ہے، میں نے اس سے زیادہ خوب صورت مسکراہٹ نہیں دیکھی۔ تم کچھ نہ بھی کہو مگر میں جان سکتا ہوں تم خوش ہو اور میں تمام عمر اس مسکراہٹ کو برقرار رکھنے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔''

وہ یک دم پریشان ہوئی۔

''اس سفر میں اب تم تنہا نہیں ہو، میں تمہارے ساتھ ہوں۔ جب بھی تم ایک قدم اٹھاؤ گی، تم دوسرا قدم میرا اپنے ہمراہ پاؤ گی، ہم مل کر ان کی ذمہ داریوں کو پورا کریں گے۔ تمنا کی شادی بھی ہوگی اور جامی، ثناء کی پڑھائی بھی، اب خوش؟'' وہ مسکراتے ہوئے اُس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا تھا۔ اب تعرض کی کیا وجہ نکلتی تھی؟ کوئی جواز نہیں بچا تھا انکار کرنے کا، سو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

ریان حق نے اس کے سر کے ساتھ اپنے سر کو جوڑا تھا تو وہ دھیمے سے مسکرا دی تھی آسمان پر بادلوں میں چھپا چاند ان دونوں کو دیکھ کر بادلوں کے سنگ آگے بہنے لگا تھا۔

تارا تارا اجلا

جانے کب تک تری تصویر نگاہوں میں رہی
ہو گئی رات ترے عکس کو تکتے تکتے
میں نے پھر تیرے تصور کے کسی لمحے میں
تیری تصویر پہ لب رکھ دیے آہستہ سے!

اس اعتراف محبت کی روداد جسے کوئی سننے والا نہ تھا

''نگاہ بتا رہی ہے بہت ویرانی ہے اندر..... بے حد ویرانی..... اور شاید سب کچھ بے جان ہے۔ منظر بہت ساکت دکھائی دے رہے ہیں۔ ٹھہرے ہوئے..... منجمد..... بنجر ہے یہاں تو سب کچھ، ایک دم بنجر!''

تامیہ شاہنواز بالکل جادوئی انداز میں اپنے نازک ہاتھ کو میرے چہرے کے قریب کر کے جیسے کوئی اسم پھونک رہی تھی۔ کتنی شگفتہ سی مسکراہٹ تھی اس لمحے اس کے گداز لبوں پر..... جیسے وہ واقعی دسترس رکھتی ہو، اس کی رسائی ہر راز تک ممکن ہو۔ غیب کی کوئی نگاہ ہو اس کے پاس، جس سے وہ سارے منظر دیکھ رہی ہو اور فقط اپنے ایک اسم سے سارے منظروں کو بدلنے کی اہلیت رکھتی ہو۔

''کتنی صدیوں سے یہ عالم ہے، کتنے برسوں سے ان بے رنگ منظروں میں قید ہو ضاد الرحمٰن! وحشتوں کے کتنے غبار ہیں یہاں وہاں، کتنے منظر تو اس قدر دھول سے اٹے ہوئے ہیں کہ نگاہ باوجود کوشش کے، نہیں دیکھ پا رہی۔''

میں جیسے کوئی کھلی کتاب تھا اس کے سامنے..... جسے وہ دھیمے سے مسکراتی ہوئی حرف حرف پڑھتی جا رہی تھی۔

''خیر نہیں تیری اب تو۔ ایکسرے فٹ ہیں موصوفہ کی نگاہوں میں!'' ارسلان ہنستا چلا گیا تھا۔

''کئی پول کھلیں گے تیرے اب تو!''

حارث کا قہقہہ بھی بہت بے ساختہ تھا۔

''چلو کسی بہانے یہ معمہ حل تو ہو گا۔ تامیہ شاہنواز، لے چلو اسے جادوئی جہانوں میں..... مگر سنو واپس

ضرور کر دینا، بندہ بہت قیمتی سے بھئی۔'' تانیہ ایک آنکھ دبا کر شرارت سے مسکرائی تھی اور پھر ایلیاہ کے ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہوئے دونوں ہنستی چلی گئی تھی۔

آؤ حضور تم کو ستاروں میں لے چلوں دل جھوم جائے ایسی بہاروں میں لے چلوں! کامران ملک اپنی بھونڈی آواز میں باآواز بلند گانے لگا تھا۔

''شٹ اپ، کامی!'' تامیہ شاہنواز نے چہرے کا رخ موڑ کر مسکراتے ہوئے اسے ڈپٹا تھا۔

''او کے لیکن یہ کون سا طریقہ علاج ہے؟'' کامران ملک مسکرایا تھا۔

''دوستی اور محبت کا..... ایک دوست جس طرح سے اپنے دوست کی دلجوئی کر سکتا ہے اور کوئی نہیں کر سکتا۔'' تانیہ مسکرائی تھی۔ ''آئی جسٹ وانٹ ٹو ریلکس۔'' تامیہ نے کہہ کر پھر مجھے دیکھا تھا۔

''ضاد الرحمٰن بتاؤ اسے، کہاں تک ٹینشن دور ہوئی ہے تمہاری۔'' اس نے میری جانب دیکھا تھا اور میں مسکرا دیا تھا۔

''تمہارے اسم سے کون انکار کر سکتا ہے۔'' میرے کچھ کہنے سے قبل ہی ارسلان نے شرارت کی تھی۔

''ہے تو جادوگرنی، کبھی کبھی تو مجھ کو بھی اس پر شک ہوتا ہے جب یہ اپنی خوابناک آنکھوں سے مجھے دیکھتی ہے۔ کتنی ہلچل نہیں مچ جاتی۔ کوئی میرے دل سے پوچھے۔'' حارث نے بھی اک گہرا انکشاف کیا تھا۔

میں تامیہ کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ وہ ان سب کے مذاق پر محظوظ ہوتے ہوئے مسکرا رہی تھی۔

''رئیلی آئی فیل بیٹر ناؤ۔ اگر کوئی ٹینشن تھی بھی تو وہ یہاں آنے کے بعد اب نہیں رہی۔'' میں نے مسکراتے ہوئے تامیہ شاہنواز کا بچاؤ کیا تھا۔

''حیرت ہے، تامیہ شاہنواز کا جادو چل گیا تھا تم؟'' کامران ملک نے مسکراتے ہوئے بغور مجھے دیکھا تھا۔ انداز جتانے والا تھا۔

میں جو مسکرا رہا تھا، یکدم ہی لب بھینچتے ہوئے نگاہ پھیر گیا تھا۔

''تامیہ شاہنواز کا جادو کس پر نہیں چل سکتا..... کوئی منکر ہو گا تو دنیا کا سب سے بڑا جھوٹا ہو گا۔'' ارسلان نے مسکراتے ہوئے تامیہ شاہنواز کے شانے پر ہاتھ دھرا تھا۔

''نہیں مگر ہوتے ہیں کچھ عقل کے اندھے بھی۔ قریب کی چیزیں جنہیں نظر ہی نہیں آتیں۔'' کامران ملک نے مسکراتے ہوئے ایک اور جملہ کہا تھا۔

''ہاہ..... تم ضاد الرحمٰن کو عقل کا اندھا کہہ رہے ہو؟'' تامیہ نے مسکراتے ہوئے حیرت کا بھرپور اظہار کرنے کو باقاعدہ منہ پر ہاتھ دھرا تھا۔

سب ہنسنے لگے تھے اور اس مسکراتے دلربا نگاہ پیکر کی ان تمام منظروں سے کٹ کر فقط مجھ پر آن ٹھہری تھی۔

کتنی روشنی تھی ان نگاہوں میں.....

جیسے کسی سے بہت سے جگنو ان میں بھر دیے ہوں.....

جیسے ساری کائنات ان میں آسمائی ہو.....

مگر میں بہت ہولے سے مسکراتے ہوئے کسی قدر سرسری سے انداز میں چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔

میری نگاہ میں اک گریز تھا، یا پھر کوئی چور..... یا پھر کسی قدر شرمندہ تھا۔

کچھ کیے پر پشیمان تھا.....

شاید نہیں.....

میں نے تامیہ شاہنواز کے مسکراتے چہرے پر اک نگاہ کی تھی۔ وہ اس لمحے میری جانب دیکھ رہی تھی اور میں جیسے مروتاً مسکرا دیا تھا۔

''کیا ہوا..... تم کچھ پریشان ہو؟''

دوستوں کی سنگت سے جب ہم باہر نکل رہے تھے۔ تب تامیہ شاہنواز نے بہت ہولے سے نگاہ اٹھا کر مجھے دیکھا تھا۔ میں نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر مسکرا دیا تھا۔

''غالباً چھومنتر والا جادو کیا تھا تم نے۔'' بات مذاق میں ٹالنا چاہی تھی۔

وہ مسکرا دی تھی۔

''ہاں مگر شاید تم پر اثر نہیں ہوا۔'' جملہ کسی قدر ذو معنی تھا۔

میں اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔ پھر شاید تاثر قائم رکھنے کو لبوں پر اک رسمی مسکراہٹ رکھی تھی۔

''اک کوشش اور کر دیکھو۔''

وہ جانے کیوں ہنس دی تھی۔

''کیا تم پر اثر ہو جائے گا؟'' وہ اپنی خوبصورت آنکھوں کو مجھ پر جماتے ہوئے مسکرائی تھی۔

''کوشش کر دیکھنے میں حرج کیا ہے؟'' میں مسکرایا تھا۔

اور کوشش گر رائیگاں رہی تو؟'' وہ بغور مجھے دیکھ رہی تھی۔

''تو.....'' مجھ سے کوئی جواب نہ بن پڑا تھا۔ شاید تبھی میں بہت دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

''تو سے آگے کی داستان اتنی مشکل ہے کہ تم سے بیان ہونا محال ہے؟'' وہ مجھے دلچسپی سے دیکھتی ہوئی جیسے اس کیفیت سے محظوظ ہوئی تھی۔

میں نے لمحہ بھر کو جیسے بدمزہ ہو کر لب بھینچے تھے پھر دوسرے ہی پل مسکرا دیا تھا۔

''تم تو جادوگرنی ہو۔ کئی اسم آتے ہوں گے تمہیں..... تمہیں فکر کرنے کی ضرورت کیوں آن پڑی۔ کیا میں سمجھوں کہ ضیاالرحمٰن کے سامنے تمہارا کوئی جادو، کوئی منتر کام ہی نہیں کرتا۔''

بات بہت سنجیدہ نوعیت کی تھی مگر میں اسے برابر مذاق میں اڑانا چاہ رہا تھا۔ کبوتر کی طرح آنکھیں بند رکھنا چاہ رہا تھا حالانکہ مجھ پر یہ حقیقت منکشف تھی کہ اس سے کوئی فائدہ نہ تھا۔

''ضیاالرحمٰن..... محبت کچھ نہیں دیتی، محبت کے سوا..... اور محبت کچھ نہیں لیتی، محبت کے سوا..... کبھی آزمانا

چاہو تو آزما دیکھو۔ جنگلوں میں آگ کیسے لگتی ہے اور سارا منظر دھواں کیسے ہو جاتا ہے۔ کچھ چیزوں کا ادراک ان کے پوشیدہ رہنے میں ہی ہوتا ہے ورنہ..... قدر کھو جاتی ہے ضاد الرحمٰن۔ محبت کے حوالوں سے بچنے والوں کے لیے محبت کے پاس کوئی گنجائش نہیں..... جو محبت سے کتراتے ہیں، محبت انہیں خود سے محروم کر دیتی ہے۔

So dont hurt to love because

love can bear every thing

But, this hurts so bad!

تامیہ شاہنواز کا لہجہ کسی قدر مدھم تھا۔ میں نے اس کی سمت نگاہ کی تھی مگر وہ اس لمحے میری جانب متوجہ نہیں تھی۔

کتنے زمانے ٹھہرے ہوئے تھے اس کے لہجے میں یا پھر.....

پتا نہیں میں اس کے مزاج کے موسموں کو پڑھ پایا تھا یا کہ نہیں..... یا پھر میں نے ایسی کوئی کوشش کی ہی نہیں تھی۔ وہ تامیہ تھی..... تامیہ شاہنواز۔ جو میری نگاہ کا ہر تیور سمجھتی تھی، جو فقط اک نگاہ کر کے میرے اندر کا ہر موسم جان جایا کرتی تھی مگر میں.....

شاید یہ درست نہیں تھا۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ مگر میں کبھی اسے اس طور جان نہیں پایا تھا۔ وجہ کیا تھی؟

''محبت کچھ نہیں دیتی محبت کے سوا اور محبت کچھ نہیں لیتی محبت کے سوا۔''

کتنے بے غرض رشتوں کی بات کر رہی تھی تامیہ شاہنواز اور میں..... شاید میں ان باتوں کو سمجھنے کی سعی بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

بہت سے اقدامات دانستہ اختیار کیے جاتے ہیں۔ میں بھی شاید دانستہ گریز پائی کے راستوں پر چلنا چاہتا تھا۔ دانستہ ہر منظر سے نگاہ بچانا چاہتا تھا۔

کتنی حیرت کی بات تھی۔ میں محبتوں سے خوفزدہ تھا۔ میں محبتوں سے بھاگ رہا تھا۔ کیسا بزدل تھا میں۔

میں نے تامیہ شاہنواز کی سمت نگاہ کی تھی۔ اس لمحے مجھ سے اپنا دھیان پھیرے وہ بہت الجھی ہوئی نظر آ رہی تھی مگر میرے پاس ایسا کوئی اسم نہیں تھا کہ میں پڑھ کر اس پر پھونک سکتا یا پھر ہاتھ بڑھا کر جادوئی سے انداز میں ''چھومنتر'' کا ایک ڈرامائی ورد کرتا اور اس کی تمام الجھنوں کو اپنے اس ہاتھ پر سمیٹ لیتا۔ شاید مجھے ایسا کوئی اسم نہیں آتا تھا یا پھر میں ایسا کوئی ورد کرنا چاہتا ہی نہیں تھا۔

میں نے اک اچٹتی نگاہ کی تھی اس پر۔ ونڈ اسکرین سے نگاہ ایک لمحے کو ہٹی تھی اور اس دلربا چہرے کا طواف کیا تھا۔ وہ مجھ سے یکسر بے خبر اس لمحے ڈیش بورڈ پر پڑی کیسٹیں اٹھا کر دیکھ رہی تھی، چند ثانیوں بعد اس نے ایک کیسٹ اٹھائی تھی اور پلیئر ڈال دی تھی۔

How do I live without you

I want to know

How do I breathe without you

If you ever go

ٹریشا ایئر وڈ کی آواز گاڑی کے ماحول کو اپنے سنگ باندھ رہی تھی اور میں..... میرے اندر جانے کیوں غبار بڑھنے لگا تھا۔

How do i live

without you

How i ever, ever survive

جانے کیا ہوا تھا۔ میں نے یکدم ہی ہاتھ بڑھا کر پلیئر آف کر دیا تھا۔ تامیہ نے میری طرف اک نگاہ کی تھی۔ پھر جانے کیوں اس کے لبوں پر ایک دھیمی سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

''بھاگنے سے راستے اور لمبے ہو جاتے ہیں ضاد الرحمٰن۔ ساری راہیں مسدود ہو جاتی ہیں۔ تم کیوں چاہتے ہو کہ راستے تمہارے لیے پھیلتے ہوئے جنگل بن جائیں اور تم کوئی راہ پا ہی نہ سکو۔''

وہ میری جانب دیکھ نہیں رہی تھی مگر اس کا مخاطب میں ہی تھا۔ میں نے گاڑی کو یکدم ہی بریک لگا دیے تھے۔

''تمہاری منزل آ گئی ہے تامیہ شاہنواز۔'' بہت ہولے سے میرے لب وا ہوئے تھے اور وہ بہت دھیمے سے مسکرا دی تھی۔ انداز جانے کیوں کسی قدر محظوظ ہونے والا لگا تھا۔ شاید وہ محظوظ ہی ہوئی تھی۔ میری کیفیت سے، میری بے بسی سے یا پھر..... میری چپ سے..... شاید میں اس گھڑی کسی قدر کمزور لگ رہا تھا اور.....

''منزلوں کی حقیقت بہت مختلف ہے ضاد الرحمٰن۔ کبھی کبھی نگاہ کے سامنے ہوتی ہے اور نگاہ سے اوجھل ہو جاتی ہے اور کبھی کبھی..... قدم راستوں کی خاک ہو جاتے ہیں اور ہاتھ کچھ نہیں آتا۔ لگن کو بڑھانا ضروری ہے مگر اس کے ساتھ کھلی آنکھوں کے ساتھ صحیح سمت کا تعین کرنا بھی ضروری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ منزل، راستے، سفر، سب خواب ہو جائیں، خاک میں مل جائیں اور..... اور باقی کچھ بچے ہی نہ، پچھتانے کے لیے بھی نہیں۔''

میری جانب سے چہرے کا رخ پھیرے وہ دھیمے سے مسکرائی تھی اور پھر گاڑی کا دروازہ کھول کر اتر گئی تھی۔

میں نے خاموشی سے گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔ وہ پراعتماد قدم مجھ سے بہت پیچھے چھوٹ گئے تھے۔ وہ جادوئی سراپا نگاہ سے اوجھل ہو گیا تھا اور میں اسے دیکھنا بھی کب چاہتا تھا۔ میرے اندر جانے کیوں خامشیوں کے پہرے بڑھنے لگے تھے۔ وحشتیں سر اٹھانے لگی تھیں۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر اسی عالم میں پلیئر آن کیا تھا۔

How do I live

without you

Baby you a take away

Every good thing in my life

''محبت کچھ نہیں لیتی، محبت کے سوا..... اور محبت کچھ نہیں دیتی محبت کے سوا.....''

تامیہ شاہنواز کے مدھم لہجے کی کتنی ہی سرگوشیاں دبے پاؤں میرے تعاقب میں چلی آئی تھیں اور میں نے یکدم ہی ہاتھ بڑھا کر پلیئر کو آف کر دیا تھا۔

کبھی کبھی بھاگتے رہنا بھی اچھا لگتا ہے۔ شاید اس لیے کہ..... کہ اس میں کسی قدر ہمارا مفاد پوشیدہ ہوتا ہے۔

کیا نہیں تھا اس میں..... لیکن میں جانتا تھا وہ میرے لیے نہیں بنی تھی۔ وہ میرے وجود کا حصہ نہیں تھی۔ تبھی تو غافل تھا میں اس سے، اس قدر کہ..... اس کی سمت نگاہ کرنا بھی محال لگتا تھا مجھے..... یا پھر میں سرے سے اس کی جانب دیکھنا ہی نہیں چاہتا تھا۔

☆.....☆.....☆

وہ سر جھکائے کتنی خاموشی سے اپنے اندر کے غبار کو دھو رہی تھی۔ جب کامران ملک نے بہت ہولے سے اس کے شانے پر اپنا ہاتھ دھرا تھا۔

''تم ڈس ہارٹ مت ہو، سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ کوئی محبت سے کب تک بھاگ سکتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ وہ فرار کے راستوں پر مسلسل گامزن ہے۔ اس کے پاؤں شل ہو چکے ہیں مگر..... کبھی کبھی خود کو دھوکہ دینے میں بھی بہت لطف رہتا ہے۔ کبھی کبھی خود فریبی بہت تسکین دیتی ہے۔ ایسے میں جب آپ کو پتا ہو کہ آپ کتنے کمزور ہیں۔''

کامران ملک نے اسے باور کرانا چاہا تھا مگر وہ اسی طرح سر جھکائے بیٹھی رہی تھی تبھی وہ دوبارہ بولا تھا۔

''تامیہ، محبت کو آزاد منش رکھنا ہی دانش مندی ہے۔ چھوڑ دو اسے آزاد اگر وہ تمہارا ہوا تو لوٹ آئے گا..... سو کوس پرے سے بھی اور.....''

''اور اگر وہ نہ لوٹا تو.....''

تامیہ شاہنواز نے ایک وحشت سے اپنی بھیگی پلکوں کو اٹھا کر کامران ملک کو دیکھا تھا۔ کتنے خوابوں کی کرچیاں اس کی پتلیوں میں صاف دکھائی دے رہی تھیں۔

کامران ملک کے لیے جیسے اس کی سمت دیکھنا محال ہو گیا تھا۔ بہت آہستہ سے وہ چہرے کا رخ پھیر گیا تھا پھر اسی قدر آہستگی سے بولا تھا۔

''تو بھول جانا اسے..... وہ تمہارا نہیں، تمہارے لیے نہیں۔''

''کیا یہ کہنا اتنا آسان ہے کامران ملک..... اتنا آسان ہے کامران ملک..... اتنا آسان ہے خود کو ایسا باور کرانا..... نہیں ہے مجھ میں اتنی ہمت، قطعاً بھی نہیں۔ میں کوئی دلاسہ خود کو دے کر بہلانا نہیں چاہتی۔ تمہاری پرابلم یہ ہے کامران ملک کہ تم نے کبھی اس طور بسر ہی نہیں کیا۔ کبھی اس طور برتا ہی نہیں۔ محبت آسان

نہیں ہے۔ اگر جانتے تو مجھے بہلاووں کی ترغیب نہ دیتے۔''

کامران ملک اسے دیکھ کر رہ گیا تھا جیسے وہ بالکل بے بس تھا اس معاملے میں، جیسے اس کے پاس واقعی کوئی حل نہ تھا مگر وہ تامیہ شاہنواز کو اس طرح بکھرتے ہوئے بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ شاید تبھی اس کے شانے پر بہت ہولے سے اپنا ہاتھ دھرتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔

''چلو مان لیا محبت بہت مشکل ہے مگر سنو، میں خوش نصیب سمجھتا ہوں خود کو۔ کم از کم میں بہت سکون میں ہوں اور.....''

''محبت کسی اختیار سے وقوع پذیر نہیں ہوتی کامران ملک! میں نے کب کوئی پلان بنایا تھا۔ کب کوئی اسٹریٹجی وضع قطع کی تھی مگر جانے کب محبت کے بہت سے خودرو پودے میرے اندر بہت ہولے ہولے سر اٹھانے لگے اور میں محبت کا وصف اختیار کرنے لگی۔ محبت مجھ پر چھانے لگی۔ مجھے اپنے رنگ میں رنگنے لگی اور میں.....''

اپنی پروحشت نگاہیں سامنے دیوار پر جمائے وہ جانے کیا تلاش کر رہی تھی۔

''یہ کیسے ممکن ہے کامران ملک..... یہ کیسے ممکن ہے کوئی کسی کو اتنا بے حساب چاہتا رہے اور اس کو اس کی خبر نہ ہو؟''

کتنا پیچیدہ تھا اس کا سوال اور کامران ملک کے پاس جیسے اس کا کوئی جواب نہ تھا۔

''میں محبت ہوں، سر سے پاؤں تک محبت..... اور..... اور وہ میری سمت دیکھتا تک نہیں اک نگاہ غلط انداز بھی نہیں۔ کوئی اک لمحہ نوازش کا بھی نہیں۔ اک نظر التفات بھی نہیں اور میں.....؟ میں پھر بھی نہیں رکتی۔ پھر بھی میرے قدم تھمتے نہیں۔

میں بولتی ہو تو محبت کے لہجے میں اور..... اس کی سمجھ میں میری کوئی بات نہیں آتی۔

میں اس کی سمت تکتی ہوں تو میری ساری جان میرا آنکھوں میں آن سماتی ہے اور وہ..... وہ ہے کہ ان نگاہوں کو تکنے کی جسارت ہی نہیں کرتا۔

یہ یہ کیسے ممکن ہے کامران ملک..... محبت ڈھونڈتی رہے اور اسے کوئی راستہ نہ ملے۔ کھوجتی رہے اور اسے کوئی چہرہ نہ ملے..... کل بھیدوں اور تمام علموں کی واقفیت رکھتی ہو اور کوئی اس کی زبان ہی نہ سمجھے..... یہ، یہ کیسے ممکن ہے کہ محبت تھک جائے۔ ہار جائے ٹوٹ کر بکھر جائے اور کوئی اسے سمیٹنے والا ہی نہ ہو۔

محبت کی پذیرائی نہ ہو تو محبت کیسی شکستہ ہو جاتی ہے۔ تغافل کیسے ہار جاتا ہے اسے اور.....''

وہ چہرے کا رخ پھیر کر کامران ملک کی سمت تکنے لگی تھی۔

''سنو کامران ملک۔ تغافل کے موسموں میں محبت کی آبیاری مقصود ہو تو کیا سد باب کرنا چاہیے؟''

وہ اس کی سمت تکتے ہوئے اس طرح دریافت کر رہی تھی جیسے وہ تمام سوالوں کے جوابات اپنے پاس محفوظ رکھتا ہو..... مگر اس لمحے کامران ملک کے لبوں پر گہری چپ تھی۔ وہ اٹھا اور چلتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

شاید وہ ایک اچھی دوست کو اس کیفیت میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ان کے حلقے میں تمام دوست ایک

Pakistanipoint Waqar Azeem

دوسرے کا سکھ ہی نہیں دکھ بھی بانٹتے تھے اور وہ کیا بانٹتا، اس کے پاس تو حوصلہ ہی نہ تھا۔ تمام دوستوں میں اگر واقف تھا تو فقط وہ..... ضاد الرحمٰن کیوں گریز برت رہا تھا، وہ جانتا تھا مگر وہ کیا کہتا، تامیہ شاہنواز سے، شاید وہ بہت بے اختیار تھا۔

☆☆☆

اپنی جانب بڑھتی ہوئی محبت کی راہ روکنا ایسے ہی ہے جیسے کوئی اپنے ہاتھوں زندگی کے دروازے آپ بند کر رہا ہو۔ میں جانتا تھا میں، ضاد الرحمٰن، ایسا کر کے کچھ اچھا نہیں کر رہا تھا مگر میں کیا کرتا، جب میرا دل اس محبت کی جانب مائل نہیں تھا۔ یہ گریز، یہ تغافل دانستہ تو نہ تھا۔

یہ سچ تھا مجھے کبھی تامیہ شاہنواز سے کوئی انسیت محسوس نہیں ہوئی۔ ہاں یہ سچ تھا کہ وہ میری بہترین دوست تھی۔ کامران ملک، ارسلان، حارث، تانیہ اور ایلیاہ کی طرح..... وہ مجھے ٹھیک اسی طرح عزیز تھی جس طرح مجھے اپنے حلقے کے دیگر دوست عزیز تھے اور اس پذیرائی میں، میں کوئی ترمیم کرنا چاہتا بھی نہیں تھا۔ مجھے تامیہ شاہنواز عزیز تھی۔ مگر باقی سب دوستوں کی طرح، اس سے بڑھ کر کچھ نہیں تھی وہ میرے لیے.....

ہاں اس کی آنکھوں میں محبت کے جہاں بستے تھے۔ وہ میری جانب تکتی تھی تو اک دنیا اس کی آنکھوں میں سمٹ آتی تھی۔ بولتی تھی تو اس کی ساری جاں اس کے لہجے میں سمو جاتی تھی۔ وہ محبت تھی مگر میں..... میں شاید وہ دل نہیں تھا جس کے لیے وہ دھڑکنا چاہتی تھی۔ اتنی سی بات وہ سمجھنا نہیں چاہتی تھی اور میں.....

ایسی بات نہیں تھی کہ میں اسے زک پہنچانا چاہتا تھا۔ کسی طرح کے دھوکے میں رکھنا چاہتا تھا۔ وہ عزیز تھی مجھے مگر اس کی دل جوئی کے وصف مجھے نہیں آتے تھے۔ اس شام جب لان میں سنگی بینچ پر بیٹھا اس کے متعلق سوچ رہا تھا، وہ آ گئی تھی۔ مجھے اس طرح سر جھکائے بیٹھی دیکھ کر کسی قدر محظوظ ہوئی تھی۔ پھر بہت دھیمی سی مسکراہٹ پھیلی تھی اس کے لبوں پر.....

"I know you were

thinking about me"

کیسا یقین بول رہا تھا اس کے لہجے میں، میں ساکت رہ گیا تھا۔ مگر وہ اسی اطمینان سے میرے قریب کھڑی اپنا نازک سا ہاتھ میرے شانے پر دھر گئی تھی۔

"You want to escape"

اس کی نظروں میں کتنے سوال بول رہے تھے اور میں چہرے کا رخ بہت بے تاثر انداز میں پھیر گیا تھا۔ وہ جانے کیوں ہنس دی تھی۔

''مجھے معلوم ہے تم مجھ سے خوفزدہ ہو رہے ہو مگر میں تمہیں بھاگنے نہیں دوں گی۔ تمہارے ہر رستے پر اپنے قدم جما دوں گی، اپنے عکس پھیلا دوں گی۔ کہاں تک بھاگ سکو گے ضاد الرحمٰن۔'' وہ کتنی پر یقین تھی۔

میں نے سر اٹھا کر اسے کسی قدر ناگواری سے دیکھا تھا پھر دوسرے ہی لمحے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''پلیز تامیہ شاہنواز۔ میں کسی مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں آج۔''

جانے میں نے کسے جھٹلانا چاہا تھا، اسے یا پھر خود کو.....

کتنی دھیمی دھیمی پھوار برس رہی تھی، موسم کی شاید پہلی بارش تھی مگر ہم اس میں ساتھ بھیگتے ہوئے بھی اک دوجے سے کتنے انجان کھڑے تھے۔ میرا دل تامیہ شاہنواز کے لیے نہیں دھڑک رہا تھا اور وہ.....

میرے انتہائی لفظوں کو سن کر وہ لمحہ بھر کو چپ ہوئی تھی۔ پھر دوبارہ اسی طرح دلکشی سے مسکرا دی تھی۔ بہت ہولے سے ہاتھ بڑھا کر میرے شانے پر دھرا تھا اور میرے چہرے کو اپنی جانب موڑ کر کسی قدر توجہ سے تکتے ہوئے بولی تھی۔

''میں محبت ہوں ضاد الرحمٰن، کہاں تک بھاگ سکو گے مجھ سے؟''

میرے کڑھنے کے انداز سے غالباً وہ محظوظ ہو رہی تھی۔

میں خالی خالی آنکھوں سے اس کے دلکش چہرے کو تکتا گیا تھا کتنے قریب تھی وہ میرے مگر کوئی احساس، کسی طرح کی کوئی لگن کیوں نہ جاگی تھی میرے اندر..... کیوں اس کا ہونا نہ ہونا میرے لیے بے معنی ہو گیا تھا۔ کیوں اس کا احساس میرے لیے مر گیا تھا۔ کتنی توجہ سے سر اٹھائے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

''چلو کوشش کر دیکھو ضاد الرحمٰن مگر کہاں تک بھاگو گے۔ لوٹنا تو آخر تمہیں میری ہی سمت ہے۔ محبت اپنے بھگوڑوں کو بھاگنے نہیں دیتی۔ دائیں بائیں آگ لگا کر آگے اک جنگل کر دیتی ہے۔ میری آنکھوں کو غور سے دیکھو، کیا تم اس کے جادو سے ناواقف ہو؟''

کتنی دلکشی تھی اس کی آنکھوں میں، کتنا یقین بول رہا تھا اس کے لہجے میں مگر میں..... اسی طرح منکر کھڑا تھا، جب وہ میرے کوٹ کے کالر کو کھینچتے ہوئے کسی قدر غم سے بولی تھی۔

''چلو لکھ کر رکھ لو..... اک دن پاگل نہ کر دیا تو کہنا..... یہ دن، یہ لمحہ..... یہ بھیگتا ہوا موسم،..... سب گواہ ہیں میرے، ضاد الرحمٰن، پاگل کر دوں گی تمہیں۔ ڈھونڈتے پھرو گے مجھے۔ ہر سمت، اپنے چار سو۔ دیوانہ وار لپکو گے میری جانب۔ مگر تب میں تمہارے ہاتھ نہیں آؤں گی۔''

کتنی دلکش مسکراہٹ رکی ہوئی تھی اس کے لبوں پر اور میں کتنا ساکت سا تکتا چلا گیا تھا اس کی سمت اور وہ..... اسی طرح مسکرا رہی تھی۔

''محبت کچھ نہیں دیتی، سوائے محبت کے..... اور کچھ نہیں لیتی سوائے محبت کے۔''

اس نے بہت آہستگی سے میرے شانے پر سے اپنا نازک سا ہاتھ ہٹایا تھا۔ ہاتھ میں تھمے کالر کو چھوڑا تھا اور پھر اسی طرح مسکراتی ہوئی پلٹ گئی تھی۔

کتنی دیوانی تھی وہ..... کتنی پاگل.....

اور میں.....

شاید میں واقعی بدنصیب تھا، اس کے لائق نہ تھا مگر کیا کرتا، دل کے کھیل اسی طور تو بسر ہوتے ہیں۔

بے اختیاری میں، کچھ خماری میں اور میں.....

میں بھی تو دیوانہ تھا کسی کا، پاگل تھا کسی کے لیے..... تامیہ شاہنواز یہ بات نہیں جانتی تھی تو اس میں اس کا کیا قصور تھا۔ وہ مجھے پتھر سمجھتی تھی، پتھر کہتی تھی مگر درحقیقت..... میں خود محبت کے اک اسم سے زیر تھا اور موم ہی موم تھا..... فاکہہ تو خیر جو چاہتی تھی، روا رکھتی تھی مجھ سے.....

تامیہ شاہنواز مجھے پتھر جانتی تھی مگر میرا دل بھی دھڑکنا جانتا تھا، محبت کرنا جانتا تھا۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ اس محبت کی سمت مختلف تھی۔

اس شام کامران ملک آیا تھا اور کتنی دیر بیٹھا مجھے بے فقط سناتا رہا تھا۔

''شیم آن یو ضاد الرحمٰن، تم جو کر رہے ہو وہ محبت نہیں ہے۔''

میں نے کسی قدر ناپسندیدگی سے اس کی سمت دیکھا تھا۔

"Stay out of this, this is not matter

I knpw whatever I am doing!"

میرا انداز کسی قدر ریش تھا۔ کامران ملک مجھے بے یقینی سے تکتا ہوا رخ پھیر گیا تھا۔ شاید مجھے اس لمحے اندازہ ہوا تھا، تبھی قدرے توقف سے ایک گہری سانس خارج کرتا ہوا اس کی سمت پلٹا تھا۔

''دیکھو کامران ملک، میں جانتا ہوں۔ تامیہ شاہنواز کے ساتھ غلط ہو رہا ہے مگر میں نے کبھی اس کی اس معاملے میں پذیرائی نہیں کی۔ کبھی اسے اس راہ پر نہیں لایا۔ میں اس تمام معاملے میں بالکل بھی ذمے دار نہیں۔''

''تم ذمے دار نہیں ہو ضاد الرحمٰن مگر وہ..... وہ بہت بے بس ہے۔ تم دانستگی یا نادانستگی میں اسے رد کر رہے ہو، اسے ہرٹ کر رہے ہو اور کسی کو ہرٹ کرنا اچھا نہیں ہوتا۔''

''تو پھر بتاؤ مجھے کیا کروں، میں اس کی جھوٹی پذیرائی کروں جبکہ میں اسے سرے سے چاہتا ہی نہیں۔ ہاں عزیز ہے وہ مجھے، ایک دوست ہونے کے ناتے میں اس کا خیر خواہ بھی ہوں مگر..... آئی کانٹ بیئر اینی مور..... کم از کم میں اپنی اس ہمدردی کو، سمپتھی کو اور زیادہ دیر تک برقرار نہیں رکھ سکتا۔ بہت مشکل ہے یہ میرے لیے۔''

میں نے مکمل طور پر سچ کہا تھا مگر کامران ملک میری طرف تکتا ہوا جانے کیوں مسکرا دیا تھا۔

''اور آسان کیا ہے تمہارے لیے ضاد الرحمٰن ایک شادی شدہ عورت سے عشق کرنا..... وہ تمہارے ساتھ ایک ایکسٹرا میری ٹل افیئر کا شکار ہے۔ کیا سمجھتے ہو، مصائب سے تھکی ہاری ایک ان تھک زندگی گزارنے والی ورکنگ وومین جو تمہارے آفس میں بزنس منیجر کی پوسٹ پر کام کر رہی ہے، دو بچوں کی ماں..... فاکہہ تو قیر۔ تم سے، اپنے چھبیس سالہ ایم ڈی سے کتنی کھری محبت کرتی ہے۔ وہ ایم ڈی جو اس پر دل و جاں سے فریفتہ ہے اور ہر ماہ تحفے تحائف کے نام پر قیمتی اور عالیشان چیزیں اپنی اس منظور نظر کو نذرانہ کرتا ہے۔ "Is it love?"

اس نے میری آنکھوں میں بغور جھانکا تھا پھر مسکرا دیا تھا۔

"If it is love it is so cheep and disgusting!"

میں نے اس کے زہر خند انداز پر اسے دیکھا تھا پھر جانے کیوں بہت اطمینان سے مسکرا دیا تھا۔

''تم ایسا اس لیے کہہ رہے ہو نا کہ تمہارا اپنا دل تامیہ شاہنواز کے لیے دھڑکتا ہے؟''

میں نے اس کی دکھتی نبض پر جیسے ہاتھ دھرا تھا۔ وہ چونکا تھا پھر مسکرا دیا تھا۔

''تو کیا؟'' میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس نے دیکھا تھا۔ ''اگر یہ محبت ہے تو میں اس پر شرمندہ نہیں۔ آئی لو ہر۔ رئیلی آئی لو ہر۔ وہ ہے ہی اتنی اچھی..... کسی کو بھی اس سے پیار ہو سکتا ہے۔ محبت سے محبت کسے نہیں ہوگی؟ تامیہ شاہنواز محبت ہے ضاد الرحمٰن..... اور میں کم از کم محبت سے منکر ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ محبت اپنے شکار کو بھاگنے نہیں دیتی۔ نیچے گاڑ کر پکڑ لیتی ہے، جکڑ لیتی ہے اور میں کچھ اتنا بھگوڑا بھی نہیں، نہ ہی یہ قید کچھ اتنی بری ہے۔ کم از کم میں یہ بات تو جانتا ہوں کہ میں محبت کر رہا ہوں۔ ایک سیدھی اور سادی محبت، بنا کسی غرض کے، بنا کسی مطلب کے، ایک سیدھی سادھی معصوم لڑکی سے ایک خالص محبت..... تو پھر کیا ہوا کہ وہ محبت یکطرفہ ہے یا دوطرفہ؟''

کامران ملک کا لہجہ کیسا بے خوف و خطر تھا۔ جیسے اسے نتائج کی واقعی کوئی پرواہ نہیں تھی جیسے وہ واقعی ان رسمی قسم کی باتوں سے بے بہرہ ہو گیا تھا۔ کیسی چمک تھی اس کی آنکھوں میں۔ شاید یہ روشنی محبت کی تھی اور میں..... کیسا ساکت سا اس کی سمت دیکھتا جا رہا تھا جب اس نے دو قدم آگے بڑھ کر میرے شانے پر اپنا ہاتھ دھرا تھا اور پھر اسی قدر آہستگی سے گویا ہوا تھا۔

''تمہیں نہیں معلوم ضاد الرحمٰن تم کیا گنوانے جا رہے ہو۔ کاش تمہیں اندازہ ہو سکے۔''

کسی قدر پرافسوس انداز میں وہ بول کر پلٹا تھا اور چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

کیا ہو رہا تھا یہ، کیا کر رہے تھے سب میرے ساتھ..... میں نے ہاتھ مار کر ٹیبل پر دھرا قیمتی گلدان چکنا چور کر دیا تھا۔ شاید میرا اپنا ہاتھ بھی زخمی ہو گیا تھا مگر مجھے پروا نہیں تھی۔ اپنی ذاتی اور نجی زندگی میں کسی دوست کی اس درجہ مداخلت، مجھے اچھی نہیں لگی تھی اور اس کے لیے میرا احتجاج بہت بھرپور تھا۔

☆.....☆.....☆

اس روز ہم سب دوست ساحل پر تھے۔ جب وہ ایلیا اور تانیہ کے ساتھ بال کھیلتے ہوئے، لہروں کے سنگ متواتر کھیلتی ہوئی مجھے گاہے بگاہے پرشرارت نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ کبھی مجھ پر لہروں کا پانی اچھال دیتی تھی تو کبھی وہ بال جان بوجھ کر میری جانب لڑھکا دیتی تھی۔

ہم سب دوست بچپن سے ساتھ تھے۔ اب جبکہ ہم اپنی اپنی پیشہ وارانہ زندگیوں کا آغاز کر چکے تھے تب بھی وہ نشستیں ختم نہ ہوئی تھیں۔ ہم اب بھی وقت نکال کر سب دوست ملتے تھے اور خوب انجوائے کرتے تھے۔ ٹھیک اس طرح جس طرح کالج یا اسکول میں کرتے تھے۔ ان لمحوں میں ہم بالکل بچے بن جایا کرتے تھے اور اس کا بھی اپنا ہی ایک لطف تھا جس طرح ابھی حارث، کامران ملک اور ارسلان ریت پر بیٹھے مسکراتے ہوئے گا رہے تھے۔

دل چاہتا ہے!
کبھی نہ بیتے چمکیلے پل
ہم رہیں سدا
یاروں کے سنگ!

میں گھٹنے ریت پر ٹکائے مسکراتا ہوا فقط ہولے ہولے تالیاں بجاتے ہوئے ان کا ساتھ دے رہا تھا۔ جب میری نگاہ قدرے فاصلے پر بال کھیلتی ہوئی ایلیا، تانیہ اور تامیہ شاہنواز پر پڑی تھی۔ تامیہ شاہنواز کے چہرے کا رخ میری جانب تھا اور لہروں کی سمت اس کی پشت تھی جب ایلیا نے اس کی سمت بال اچھالا تھا۔ وہ اپنی پوری دلربائی اور رعنائی کے ساتھ مسکراتی ہوئی قدم پیچھے کی سمت اٹھا رہی تھی۔ میں جانتا تھا، وہ بہت بہترین سوئمر تھی مگر اس لمحے جب اس کا پاؤں لڑکھڑا رہا تھا اور وہ ایک اونچی لہر کی زد میں آ کر بے قابو ہونے لگی تھی۔ میں نے ایک لمحے میں اس کی جانب پیش قدم کی تھی۔

ساحل پر بیٹھے تمام دوست اس واقعے پر چونک گئے تھے اور میں لہروں کے سنگ بہتا ہوا اس کا ہاتھ تھامنے کی کوشش کرنے لگا تھا۔

پتا نہیں وہ کوئی مزاحمت کیوں نہیں کر رہی تھی حالانکہ وہ ایک بہترین سوئمر تھی مگر اس لمحے جیسے وہ قطعی نابلد نظر آ رہی تھی۔ لہروں کا تیز بہاؤ اس کے وجود کو اپنے سنگ بہائے لے جا رہا تھا اور اس کیفیت پر جانے کیوں میرا دل جیسے مٹھی میں آ گیا تھا۔ میں نے ہاتھ پاؤں تیزی سے چلاتے ہوئے فاصلے سمیٹنے چاہے تھے اور بالآخر اس کے نازک سے ہاتھ کو اپنی آہنی گرفت میں لے لیا تھا۔

اور تھوڑی دیر بعد جب میں اسے لے کر پانی سے باہر نکل رہا تھا۔ وہ بالکل نڈھال ہو رہی تھی۔ میں نے اسے اپنی گرفت سے آزاد کرتے ہوئے اس کا زرد پڑتا چہرہ دیکھا تھا۔ تمام دوست اس کیفیت پر پریشان ہو اٹھے تھے۔ میں دیوانہ وار اسے جھنجھوڑنے لگا تھا۔ اس کے جسم سے اضافی پانی نکالا تھا۔ تبھی وہ کھانسنے لگی تھی۔ اس کی کھنکتی آنکھیں دیکھ کر جیسے میری جان میں جان آئی تھی۔

''تھینک گاڈ!'' میں نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

تامیہ شاہنواز نے اپنی آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا تھا۔ شاید مجھے اپنے قریب دیکھ کر اس کی آنکھوں میں کسی قدر حیرت سمٹ آئی تھی۔ شاید وہ حیران تھی مگر میں یکدم ہی وہ جگہ چھوڑ کر اٹھا تھا اور چلتا ہوا دور جا رکا تھا۔

نے اسے خاموشی سے دیکھا تھا جب وہ بہت دھیمے سے مسکرا دی تھی۔

''تھینکس!'' وہ جیسے اس گھڑی مشکور نظر آ رہی تھی۔

''اٹس اوکے۔'' میں نے بہت ہولے سے اس مسکراہٹ کا جواب مسکراہٹ سے دیا تھا۔

تامیہ شاہنواز کی آنکھوں کی روشنیاں جگمگا اٹھی تھیں۔

''تم نے کوئی مزاحمت کیوں نہیں کی؟''

میں نے دریافت کیا تھا جب اس کے کھلتے ہوئے چہرے کی مسکراہٹ ایک پل میں غائب ہوئی تھی۔ پھر دوسرے ہی پل وہ مسکرا دی تھی۔

''تمہاری وجہ سے۔'' اس کا لہجہ بہت مدھم تھا۔

''میری وجہ سے'' مجھے جیسے اس کے پاگل پن پر حیرت ہوئی تھی۔

''ہوں..... میں تمہیں یہ موقع دینا چاہتی تھی۔''

''کیسا موقع؟'' میں چونکا تھا۔

وہ مسکرا دی تھی۔

''ضاد الرحمٰن میں چاہتی تھی تمہیں کسی طرح کا کوئی گلہ نہ رہے۔''

''کس طرح کا گلہ؟''

''کہ تم نے مجھے بچانے کی سعی نہیں کی۔''

''اور اگر میں ناکام ہو جاتا تو۔'' میں کسی درجہ حیرت سے اس کی بے وقوفی کو دیکھ رہا تھا۔

اس نے مسکراتے ہوئے مجھے دیکھا تھا۔ پھر شانے اچکا دیے تھے۔

''تم نے جان بوجھ کر خود کو مصیبت میں کیوں ڈالا؟'' میں نے برہمی کا اظہار کیا تھا۔

''تمہاری وجہ سے۔'' وہ اب کے ہنس دی تھی۔ ''میں دیکھنا چاہتی تھی تم کتنے اچھے سوئمر ہو۔ یہ قدم میرے لیے کہاں تک اٹھنے کی سعی کر سکتے ہیں۔ یہ مضبوط ہاتھ مجھے تھامنے کو کس قدر آگے بڑھ سکتے ہیں اور.....''

''شٹ اپ تامیہ۔'' میں نے کسی قدر مدھم انداز میں اسے ڈپٹا تھا مگر وہ ہنس دی تھی۔

''وہاٹ شٹ اپ..... سچ کہہ رہی ہوں۔ اگر تم مجھے بچانے نہ آتے تو میں انہی لہروں کے سنگ ہوا ہو جاتی اور تم باقی ماندہ ساری زندگی ان ساحلوں کی ریت پر بھٹکتے ہوئے گزار دیتے اور.....''

''شٹ اپ تامیہ..... بند کرو یہ پاگل پن۔ ایسا کوئی جوگ نہیں لینے والا میں۔''

میں نے باور کرایا تھا مگر وہ دلکشی سے مسکراتی ہوئی مجھے تکتی رہی تھی۔

''جوگ تو تم لو گے ضاد الرحمٰن۔'' وہ پر یقین تھی۔

''ہاں مگر تمہارے لیے نہیں۔'' میں نے کسی درجہ کٹھور لہجے میں کہا تھا۔

''پھر کس کے لیے؟'' وہ اپنی جگنوؤں سے بھری آنکھیں مجھ پر ٹکاتے ہوئے محظوظ ہوتے ہوئے دریافت کر رہی تھی۔

میں خاموشی سے اس کی سمت تکتا رہا تھا۔ جانے کیوں میں اس لمحے اسے کوئی جواب کیوں نہ دے سکا تھا اور وہ.....

''میں ان آنکھوں کو کھوج رہی ہوں ضاد الرحمٰن پڑھ رہی ہوں ان آنکھوں کو۔ جانتے ہو یہ کیا کہہ رہی ہیں؟''

''کیا؟'' میرا اپنا لہجہ جیسے میرے لیے اجنبی تھا۔

''یہ آنکھیں مجھے اک دن ضرور ڈھونڈیں گی۔ اپنے اردگرد، اپنے چار سو، یہاں وہاں، ادھر اُدھر اور.....''

''اور تم پاگل ہوتامیہ شاہنواز۔''

میں نے اسے ڈپٹا تھا مگر وہ مسکرا دی تھی۔

''جانتے ہو تم بے خوف وخطر میرے لیے سمندر میں کیوں اترے؟

"Because you care about me!"

''ہاں مگر بس ایک دوست کی حیثیت سے۔'' میں نے باور کر دیا تھا۔

''چلو آج کے لیے یہ بہلاوا اچھا ہے۔''

وہ مکمل طور پر مطمئن تھی۔ بہت دھیمی مسکراہٹ اس کے لبوں پر تھی اور میں..... کتنا ساکت سا اسے دیکھ رہا تھا۔

''کل کے اندیشے اپنی فکر آپ کر لیں گے تمہیں اس کی ضرورت نہیں مگر سنو یہ آنکھیں کہہ رہی ہیں یہ مجھے کھونا نہیں چاہتی۔ یہ مجھے گنوانے سے خوفزدہ ہیں۔ بہت ڈر چھپا ہوا ہے ان میں، حیرت ہے تم اپنی ہی آنکھوں کی زبان نہیں سمجھتے۔''

''تامیہ شاہنواز کیا تم چاہتی ہو کہ میں تمہیں اب اپنے انہی ہاتھوں سے اٹھا کر اس گاڑی سے باہر پٹخ دوں؟'' میں نے کسی قدر تپے ہوئے انداز میں کہا تھا اور وہ ہنستی چلی گئی تھی۔

مجھے اس لڑکی کی سمجھ نہیں آتی تھی۔ کتنا تغافل برتتا تھا میں۔ کس درجہ روڈ نیس کا مظاہرہ کرتا تھا لیکن اس پر کسی طرح کا کوئی اثر ہی نہیں ہوتا تھا جیسے.....

پتا نہیں وہ اس طرح کا رویہ اختیار کر کے مجھے زچ کرنا چاہتی تھی یا پھر خود کو کوئی دھوکہ دینا چاہتی تھی۔ بہرحال مجھے اس کی کوئی پروا نہیں تھی مگر مجھے اس کا متواتر آگے بڑھنا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ میں اس سے کسی طرح کی لگاوٹ کا مظاہرہ نہیں کر سکتا تھا، مگر ایک دوست ہونے کی حیثیت سے مجھے اس طرح تغافل کا نشانہ بنانا بھی اچھا نہ لگتا تھا۔ میں فاکہہ توقیر سے محبت کرتا تھا۔ تو کیا ہوا وہ دو بچوں کی ماں تھی..... تو کیا فرق پڑتا تھا کہ وہ میرے ہی آفس میں میری ماتحت تھی۔

محبت کب دیکھتی ہے کچھ، جو میں دیکھتا..... مجھے اس کی دلکشی کے علاوہ اور کچھ دکھائی دیتا ہی نہ تھا۔

کامران ملک فقط یہ بات جانتا تھا۔ وہ بھی اسے میں نے خود نہیں بتایا تھا، ایک دن اس نے مجھے اس کے ساتھ شنگریلہ میں دیکھ لیا تھا اور اس کے بعد سے وہ کتنی کوششیں کرتا رہا تھا مجھے فاکہہ توقیر سے دور رکھنے کی۔ کتنی بار مجھے سمجھایا تھا۔ شاید وہ میرا خیر خواہ تھا۔ اس نے اس بات کو عام نہیں کیا تھا، وہ ان تمام دوستوں میں میرے سب سے زیادہ قریب تھا اور تامیہ شاہنواز کے بھی۔ شاید وہ ہم دونوں کے بے حد قریب تھا، تبھی کوئی راہ

ہموار کرنا چاہتا تھا مگر وہ نہیں جانتا تھا، ایسا ممکن نہیں تھا۔ وہ ہم دونوں کے ساتھ مخلص تھا مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ دل ایسے نہیں ملتے......

دلوں کے ملنے کے اسباب کچھ اور ہوتے ہیں۔ کچھ اور وصف درکار ہوتے ہیں......

کچھ اور ماحول چاہیے ہوتا ہے...... کچھ اور موسم......

اور تامیہ شاہنواز کے ضمن میں کوئی شے بھی حق میں نہ تھی۔ نہ موسم، نہ ماحول نہ ہی دل......

اور کوئی زبردستی کہاں کرسکتا ہے۔ یہ کھیل تو بہت بے اختیاری کے ہوتے ہیں♥

موسم ان دنوں اسی طرح خاموشی سے دبے پاؤں گزر رہے تھے جب ارسلان نے ایلیاہ کے ساتھ شادی کی خبر سنا کر ہم کو بہ یک وقت حیران کر دیا تھا۔ حالانکہ ہم سب جانتے تھے کہ ارسلان کہیں اور انٹرسٹڈ تھا اور ایلیا...... ایلیاہ کی تو انگیجمنٹ کسی اور سے ہوگئی تھی۔ ان دونوں کے درمیان تو ایسا کوئی چکر تھا ہی نہیں پھر اچانک دبے پاؤں کیسے یہ فیصلہ ہوا تھا۔ شاید بے دھیانی میں دونوں الگ الگ سمتوں میں چل رہے تھے اور جب اس بات کا ادراک ہوا تھا تو دونوں نے اپنی سمت تبدیل کرنے میں دیر نہیں کی تھی۔

''یہ فیصلے اوپر درج ہوتے ہیں کہیں، حالانکہ میں نے ایلیاہ کو اتنی قریب اور ایک عرصے کی شناسائی کے باوجود کبھی اس نظر سے نہیں دیکھا تھا۔''

ارسلان سگریٹ کا دھواں فضا میں چھوڑتا ہوا بہت مسرور سا مسکرا رہا تھا اور میں اسے خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔ ارسلان نے بہت ہولے سے میرے ہاتھ پر ہاتھ دھرا تھا۔

''یار ضیاء الرحمٰن، زندگی بڑی بے معنی لگتی ہے کسی سمت کے بغیر، اسپیشلی محبت کے بغیر...... میں نہیں جانتا ہم دونوں کو اک دوجے سے محبت کیسے ہوئی مگر میں اتنی بات جانتا ہوں، اس سے قبل میں کبھی اتنا خوش نہیں تھا۔ میرے اندر اتنا اطمینان کبھی نہ تھا اور میں نے خود کو کبھی اتنا مسرور محسوس نہیں کیا تھا۔ بہت دلکشی اتر آئی ہے ان دنوں میرے اندر...... اک جہاں آن سمایا ہے محبتوں کا...... دور تک پھیلی ہوئی وسعتیں مجھے محبت کے ہونے کا یقین دلاتی ہیں اور میں...... اتنا خوش ہوں کہ شاید اس سے قبل میں نے خود کو اتنا خوش کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔

''اور تمہارا وہ گزشتہ کا افیئر؟''

میں نے بہت آہستگی سے دریافت کیا تھا۔ اور ارسلان کھلکھلاتا چلا گیا تھا۔

''محبت نے پانی پھیر دیا میرے دوست۔''

''محبت اس قدر اچانک...... اور وہ اس سے قبل تمنا ظفر کے ساتھ کیا معاملہ تھا؟''

''شاید دھوکہ...... شاید جسٹ کرشنگ...... لٹل کرش یا پھر فقط کوئی بہلاوا...... اور یہ مجھے تب پتا چلا جب ایلیاہ نے ایک دن مجھے بتایا کہ وہ اپنی منگنی سے خوش نہیں ہے کیونکہ وہ دل سے اس رشتے کو قبول نہیں کرتی۔''

''تو کیا ایلیاہ تمہارے ساتھ؟''

میں نے جاننا چاہا تھا اور وہ سگریٹ کا ایک گہرا کش لگاتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

''ایسی کوئی ٹیپکل محبت ہمارے درمیان واقع نہیں ہوئی ضاد الرحمٰن۔ شاید ہمارے درمیان جو انڈر سٹینڈنگ تھی، وہ اس کا باعث بنی۔ وہ اپنی موجودہ منگنی سے خوش نہ تھی اور میں..... میں بھی صحراؤں کی خاک چھانتے ہوئے تھک چکا تھا اور تب وہی ایک لمحہ تھا جب ہم نے فیصلہ کیا کہ ہمیں ساتھ چلنا چاہیے۔ اک ساتھ، ایک راہ پر۔''

''اور محبت؟''

میں نے بہت ہولے سے دریافت کیا تھا۔ ارسلان ہنس دیا تھا۔

''ضاد الرحمٰن تم نے کبھی غور سے ایلیاہ ظہیر کو دیکھا ہے؟ اس لڑکی سے کسے محبت نہیں ہو سکتی؟ کیا ایسا ممکن ہے کہ کوئی اسے دیکھے اور اپنا آپ نہ ہار دے۔ وہ تو محبت ہے ضاد الرحمٰن سرتاپا محبت۔ اور محبت سے کون منہ موڑ سکتا ہے۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ میں نے پہلے کبھی اسے اس زاویہ سے دیکھا نہ تھا۔ غافل، یہاں سے وہاں، آوارہ سا بادل بنا بھٹکتا رہا تھا مگر ایلیاہ ظہیر نے میری نگاہ کو سمت دے دی۔ میری زندگی کو اک نیا موڑ دے دیا اور میں نے پابند ہونے کا فیصلہ کر لیا۔''

ارسلان بہت مسرور تھا اور میں، میں جانے کیوں حیران تھا۔ شاید یہ ساری کہانی، یہ سارا معاملہ میری سمجھ سے بالاتر رہا تھا۔

اور پھر..... پھر یوں ہوا تھا کہ ارسلان اور ایلیاہ کی شادی کی رسمیں ہونے لگی تھیں۔ ہمارے گروپ سے یہ پہلا جوڑا تھا جو کسی نئے بندھن میں بندھنے جا رہا تھا۔ یعنی ہم سب میں وہ دونوں نئے رجحان کا باعث بنے تھے، ایک اہم ترین فیصلہ لے کر، پہلا جوڑا تھا جو اپنی پریکٹیکل لائف اسٹارٹ کرنے جا رہا تھا۔ شاید وہ واقعی اپنے فیصلے پر بہت خوش تھے۔ ان کے چہرے اس بات کے عکاس تھے اور میں، ہاں میں بھی اپنے دوستوں کی اس خوشی میں خوش تھا۔ مجھے بھی اچھا لگ رہا تھا مگر.....

میں کامران ملک کے ساتھ کھڑا تھا۔ جب تامیہ شاہنواز کو میں نے اپنی سمت بڑھتا ہوا دیکھا تھا۔ کامران ملک دانستہ اس مقام سے ہٹ گیا تھا۔

وہ دلکشی سے مسکراتی ہوئی، مجھے بغور دیکھتی ہوئی شاید اس لمحے واقعی خوبصورت لگ رہی تھی۔ میں نے اپنے چہرے کا رخ پھیرنا چاہا تھا مگر اس نے بول کر میری ساری توجہ اپنی جانب مبذول کروالی تھی۔

''ضاد الرحمٰن دیکھو موسم بدل رہے ہیں۔ ہواؤں میں محبتوں کی مہک بسی ہوئی ہے۔ کتنی سوندھی سوندھی خوشبو پھیلی ہوئی ہے چار سو۔ کیا ایسے میں تمہارا دل کچھ نہیں کہہ رہا؟''

کتنی شرارت تھی اس کی آنکھوں میں، اس لمحے شاید وہ مجھے جان بوجھ کر چھیڑ رہی تھی یا پھر..... پھر کوئی ذہنی رو بھٹکی ہوئی تھی اس کی..... میں جان نہ پایا تھا مگر اس نے اپنا نازک سا ہاتھ بڑھا کر ہتھیلی کو یکدم پھیلا دیا تھا۔

میں کسی قدر حیرت سے اس کی جانب تکنے لگا تھا جب وہ بہت دھیمے سے مسکرا دی تھی۔

''بدھو تمہیں ہاتھ نہیں دکھا رہی۔ میں جانتی ہو تم جوتشی نہیں ہو۔ ہو بھی کیسے ہو سکتے ہو۔ تم جیسے عقل کے اندھے عشق سے ایکسپٹ بھی کیا کیا جا سکتا ہے۔''

''تامیہ!'' میں نے اس کے منہ پھٹ ہونے پر احتجاج کیا تھا مگر وہ مسکرا دی تھی۔

''او کے...... نہیں کہتی برا بھلا مگر سنو یہ مہندی تو لگا دو ذرا میرے ہاتھ پر۔'' شوخ لہجے میں عجب فرمائش تھی۔

میں بری طرح چونکا تھا مگر اس نے کون میرے ہاتھ میں تھما دی تھی۔

''شاباش جلدی کرو۔ مجھے اور بھی بہت سے کام نمٹانے ہیں۔ ابھی مہندی کی رسم کے لیے کئی اہم ترین کام پڑے ہوئے ہیں اور وقت بہت کم ہے میرے پاس۔''

وہ اس طرح بول رہی تھی جیسے معمول کے کسی واقعے کا ذکر رہی ہو اور میں کون ہاتھ میں لیے کس درجہ حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ شاید شرارت پر مائل تھی۔ کیسی دلربائی اس کے چہرے پر رکی ہوئی تھی۔

''لگاؤ بھی نا۔ کوئی بیل بوٹا ہی بنا دو...... کچھ اور نہیں تو اپنا نام ہی لکھ دو۔''

وہ مسکراتی ہوئی گویا ہوئی تھی مگر میں اسی طرح ساکت رہا تھا۔

''ضاد الرحمٰن وقت نہیں ہے میرے پاس۔ شاباش جلدی کرو۔'' اس نے جیسے ضد کی تھی۔

''مجھے نہیں آتا یہ سب۔'' میں نے یکدم ہی سب کچھ رد کر دیا تھا۔

''تو پھر کیا کروں میں؟ بھئی کرو گے نہیں تو آئے گا کیسے؟ چلو شاباش کوشش کرو، سیکھ جاؤ گے جلد ہی، کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے۔ کون کو اپنے ہاتھ کے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی سے تھامو اور میری ہتھیلی پر لگا دو۔''

''تامیہ آئی کانٹ ڈو ڈیٹ۔ مجھ سے نہیں ہو سکے گا یہ۔ بہت مشکل ہے یہ۔'' میں نے تامل برتا تھا۔

''ہو تو تم سے کچھ بھی نہیں سکتا۔ ضاد الرحمٰن۔'' وہ جیسے کوئی طنز کرتی مسکرا رہی تھی۔

''خیر یہ اتنا مشکل نہیں ہے۔ شیریں نے تو فرہاد سے نہر کھودنے کی فرمائش کر دی تھی اور اس نے اس فرمائش کو پورا بھی کر دیا تھا۔ مانا تم اتنے سچے پکے عاشق واقع نہیں ہوئے ہو مگر کسی قدر تو چاہتے ہو نا مجھے۔ سو شاباش Lets start now۔

کتنے سرسری سے انداز سے وہ گویا تھی اور اس کی جگنوؤں سے بھری وہ آنکھیں کس درجہ شرارت پر مائل تھیں، اس لمحے جیسے وہ مجھے مشکل میں ڈال کر بہت محظوظ ہو رہی تھی۔

''ایلیاہ سے لگوا لو۔'' میں نے مشورہ دیا تھا۔

''مایوں بیٹھی ہوئی ہے وہ۔''

''اور تانیہ؟''

''مصروف ہے وہ۔''

''اور تم؟''

''ہاں میں فارغ ہوں مگر فقط تمہارے لیے۔ آئی مین اس ضروری کام کو نمٹانے کے لیے۔''

''پارلر چلی جاؤ۔'' ایک اور مشورہ دیا تھا۔

''وقت نہیں ہے!'' اس نے بے فکری سے شانے اچکائے تھے۔'' بائے دی ہے، جان کیوں مشکل میں پھنس گئی ہے تمہاری، فقط مہندی لگانے کو کہہ رہی ہوں تمہیں، شادی رچانے کو تو نہیں۔'' وہ شرارت سے مسکرا رہی تھی۔

اور تب میں نے اس کی سمت بغور تکتے ہوئے اس کا نازک سا ہاتھ اپنی آہنی گرفت میں لے لیا تھا۔

''آہستہ ذرا۔ ایک نازک لڑکی کا ہاتھ ہے۔'' وہ چڑانے والے انداز میں مسکرائی تھی۔

میں نے سنی ان سنی کرتے ہوئے کون کو تھام کر اس کی ہتھیلی پر آڑی ترچھی لکیریں لگانا شروع کر دیں۔ سخت الجھا ہوا تھا میرا دماغ! جانے کیوں۔ حالانکہ ایسی تو کوئی بات ہوئی ہی نہ تھی۔ سب کچھ حسب معمول اپنی جگہ تھا معمول پر تھا۔ کوئی نیا واقعہ نہ ہوا تھا۔ کوئی نیا حادثہ نہ ہوا تھا اور.....

میرا ہاتھ رکا تھا۔ شاید میں نے مہندی لگانے کا وہ سلسلہ موقوف کر دیا تھا جب تامیہ نے میرے ہاتھ سے بہت ہولے سے اپنا ہاتھ نکالا تھا۔ اپنی ہتھیلی کو وہ دیکھتی ہوئی کس قدر چونکی تھی پھر نگاہ اٹھا کر میری جانب کسی قدر حیرت بھری پر نظروں سے دیکھا تھا۔

میں اس لمحے سراسیمہ سا تھا۔ ذہن عجب الجھا ہوا تھا تبھی اس کی کیفیت پر غور نہ کر سکا تھا مگر جب اس نے اپنا ہاتھ اٹھا کر اس کا رخ میری جانب پھیرا تھا۔

میں ساکت رہ گیا تھا۔ اس ہتھیلی پر میرے ہاتھوں سے کچھ اور نہیں فقط "ZZAD" لکھا ہوا تھا۔

تامیہ شاہنواز کی آنکھوں کی چمک سوا ہو گئی تھی۔ ان جگنوؤں کی روشنی اور بھی بڑھ گئی تھی۔ میں ساکت تھا جب وہ دھیمے سے مسکرائی تھی اور پھر اسی طرح مجھے ساکت چھوڑ کر پلٹی تھی اور وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔

کیا ہوا تھا یہ.....

کیا ہوا تھا.....

کچھ سمجھ میں نہ آیا تھا۔ ذہن کس قدر الجھا ہوا تھا میرا۔ یہ میں نے کیا لکھ دیا تھا تامیہ شاہنواز کے ہاتھ پر..... کیا دانستہ..... یا پھر بے خیال میں؟ سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا مگر میں چونک ضرور گیا تھا۔ بہت ساکت سا رہ گیا تھا میں۔

جانے کیا حقیقت تھی۔ میں جتنا بھاگنا چاہتا تھا، جتنا بھاگتا تھا، میں تامیہ شاہنواز کو اپنے اتنے ہی قریب پاتا تھا اور..... یہ کس لیے تھا۔ میں نہیں جانتا تھا مگر میں تامیہ، شاہنواز سے بہت دور ضرور نکلنا چاہتا تھا۔ اس کے سائے بھی دور بھاگنا چاہتا تھا..... کیوں؟ شاید اس لیے کہ وہ میری بہترین دوست تو تھی مگر میں اس سے محبت نہیں کرتا تھا۔

مگر اس میں اس قدر خوفزدہ ہونے والی بات کیا تھی.....

کیوں اس قدر خوفزدہ تھا میں اس سے.....

اس کی بے تحاشا محبت مجھے خوف میں مبتلا کیوں کر دیتی تھی۔ اس کی جگنوؤں سے بھری آنکھیں مجھے پریشان کیوں کر دیا کرتی تھیں۔ میں نہیں جانتا تھا مگر مجھے اس کی انکھوں کی وہ پھوٹتی روشنی ڈسٹرب ضرور کرتی تھی۔ اس کا پریقین لہجہ میرے اندر اک آگ ضرور لگا دیا کرتا تھا اور میں اس سے دور نکلنے کے جتن سوچنے لگتا تھا۔ کبھی کبھی شاید محبت بھی خوفزدہ کر دیتی ہے اور مجھے بھی تامیہ شاہنواز کی محبت بہت خوفزدہ کر دیتی تھی۔

ایلیاہ اور ارسلان کی شادی انجام پذیر ہوگئی تھی۔ مگر ہوا یوں تھا کہ میں ان قربتوں سے دور نکلنے لگا تھا۔ ان نشستوں سے دور بھاگنے لگا تھا۔ دوستوں کی وہ سنگت، وہ ہمراہی اب مجھے جیسے کاٹنے کو دوڑتی تھی مگر اس درجہ کٹ کر رہنا بھی جیسے ناممکن تھا میرے لیے.....

اس شام جب میں نیٹ سرفنگ کر رہا تھا، وہ آ گئی تھی۔ میرے مقابل کھڑی مجھے تکتی رہی تھی۔ میں دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

''کیا ہوا؟ بھاگ رہے ہو مجھ سے؟'' ان جگنوؤں سے بھری آنکھوں کی جوت اس روز کچھ بجھی بجھی سی تھی۔

میں نے اسے دیکھا تھا پھر دھیمے سے مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا۔

''ایسا کچھ نہیں ہے۔ بس مصروفیت زیادہ ہوگئی ہے اور تم، تم کہاں غائب ہو؟''

میں نے الٹا اس پر سوال داغ دیا تھا مگر وہ خاموشی سے مجھے تکتی رہی تھی۔

''تمہیں نہیں لگتا ضاد الرحمٰن، کس قدر بزدل ہو رہے ہو؟ میری محبت تمہیں خوفزدہ کر رہی ہے؟ کیوں بھاگ رہے ہو تم؟ میں نے تو تم سے کبھی کچھ نہیں چاہا۔''

کتنا مدھم تھا اس کا لہجہ.....اور میں خاموش تھا۔

''ضاد الرحمٰن محبت کچھ نہیں چاہتی محبت کے سوا..... کچھ نہیں دیتی محبت کے سوا.....اور کچھ نہیں لیتی محبت کے سوا۔ مگر تم، شاید تم نہیں سمجھو گے۔''

اس کا لہجہ عجب استدعا لیے ہوئے تھا اور میں ساکت سا اسے تکتا گیا تھا۔ اس کی آنکھوں کی ضیاء کتنی بجھی بجھی سی تھی۔

میں نے اس شانے پر بہت ہولے سے ہاتھ دھرا تھا۔

''دیکھو تامیہ شاہنواز.....''

میں نے کچھ کہنا چاہا تھا مگر اس نے اس لمحے بہت ہولے سے میرا ہاتھ اپنے شانے سے ہٹا دیا تھا۔

"This hurt so bad zaad. Please dont do this any more!"

بہت مدھم لہجے میں کہتی ہوئی وہ اپنی جگنوؤں سے بھری وہ نظریں جو اس لمحے بجھی بجھی سی تھیں، میرے

چہرے پر سے ہٹا گئی تھی۔ پھر اس آہستگی سے پلٹی تھی اور وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔ میں جانے کیوں ساکت سا کھڑا رہ گیا تھا۔

مجھے لگا تھا اس دن کے بعد سے وہ مجھ سے متنفر ہو جائے گی، مجھ پر لعنت بھیجے گی اور دوبارہ کبھی میرے قریب بھی نہیں آئے گی۔ مگر ایسا ہو نہیں سکا تھا اور وہ دوسرے ہی دن پھر میرے سامنے تھی۔ میں کسی قدر حیرت سے اسے تکنے لگا تھا۔ مگر وہ چلتی ہوئی بہت اعتماد سے میرے قریب آن رکی تھی۔ کچھ دیر تک بغور مجھے دیکھا تھا پھر بہت دھیمے سے مسکرادی تھی۔

''کیا سمجھتے ہو تم، چھوڑ دوں گی میں تمہیں ضاد الرحمٰن!''

ان جگنوؤں سے بھری آنکھوں میں سے پھر وہی روشنی پھوٹ رہی تھی۔ وہی جوت جل رہی تھی اور میں کس قدر حیران تھا۔

''ہاں، کیا سمجھتے ہو تم اتنی آسانی سے چھوڑ دوں گی میں تمہیں؟ میں تو تمہیں تب تک نہیں چھوڑوں گی ضاد الرحمٰن جب تک تم پاگل نہیں ہو جاتے میرے عشق میں۔ گوڈے گوڈے ڈبو نہ دیا تو پھر کہنا۔ مشکل میں کر دوں گی یہ جان۔ بھولنے تو نہیں دوں گی، کیا کرو گے تم؟ بولو کیا کرو گے تم، اتنی مشکل میں کیسے بسر ہو گی تمہاری ضاد الرحمٰن؟؟''

وہ اسی شرارت سے میری جانب دیکھ رہی تھی۔ میں کتنا ساکت سا اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔ جب وہ مسکرائی تھی۔ اس مسکراہٹ میں جیسے کوئی جادو تھا جو میرے چار سو پھیل کر مجھے اپنے سنگ باندھ گیا تھا۔ وہ قدم اٹھا کر میرے کچھ اور قریب آ گئی تھی۔ پھر بہت مدھم لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

مجھے یاد کر.....

تیرے بغیر بھی ہو سکے تو میں جی سکوں اور مر سکوں
تجھی تیرے آگے نکھر سکوں
کبھی اپنے آگے بکھر سکوں
مجھے یاد کر..... کہ
میں اپنا آپ بھلا سکوں
تجھے اپنا راز بتا سکوں
میرے پاس تو نہ ہو پھر بھی میں
تجھے بار بار چھپا سکوں،
میں اپنے درد کا سلسلہ تیرے آنسوؤں سے ملا سکوں
مجھے ایسا وصف نصیب ہو
تجھے زاردار بنا سکوں

یہ بھی معجزہ ہو زمین پر
تجھے کھو سکوں تجھے پا سکوں
مجھے اپنی یادوں میں رہنے دے
مجھے روک لے،
مجھے کوئی بات نہ کہنے دے
مجھے یاد کر.....
کہ میں سوچتا ہی رہوں تجھے
میری فرصتوں کو کوئی پناہ نہ مل سکے
مجھے کوئی راہ نہ مل سکے،
میرے آس پاس یہیں کہیں
تیرے موسموں کی ہو سرزمین
کبھی دیکھتا ہی رہوں تجھے
کبھی ڈھونڈتا ہی رہوں تجھے
مجھے گھر بلا
مجھے شاد کر
آباد کر.....آزاد کر..... مجھے یاد کر

کتنا جادو تھا اس کے لہجے میں، مدھم آواز میں کیسی محبت بول رہی تھی۔ دھیمی سرگوشیوں میں کتنی دلربائی تھی اور میں کتنا ساکت سا اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔

''بھول سکتے ہو تو بھول جاؤ۔ مت یاد رکھو، کوئی حوالہ بھی نہیں۔ نکل جاؤ اس دنیا سے دور۔ میری حدوں سے بھی پرے.....مگر ایسا ممکن نہیں ہوگا ضاد الرحمٰن۔ آزما دیکھو، کہیں بھی چلے جاؤ..... جاؤ.....آزاد کیا تمہیں اپنے جادو سے اپنے اسم سے۔''

اس نے اپنا نازک سا ہاتھ میرے چہرے پر عجیب جادوئی انداز میں پھیرا تھا اور دل ہی دل میں کوئی اسم پھونکا تھا جیسے۔ میری ساری جان میں جیسے قیامت سی مچل گئی تھی، مگر وہ اس قدر اطمینان سے مسکرا دی تھی۔

''جاؤ آزاد کیا تمہیں..... کیا کرو گے اب تم۔ جان تو اور بھی مشکل میں گھر جائے گی تمہاری۔ جی نہیں پاؤ گے چین سے۔ اک اضطراب جو تمہارے اندر سر اٹھائے گا، اس کا کیا کرو گے؟؟ ہوں!!''

بہت دلکشی سے مسکراتے ہوئے اس نے مجھ پر اپنی نگاہ کی تھی۔

مجھے یاد کر
مجھے گھر بلا

مجھے شاد کر.....

آباد کر..... آزاد کر..... مجھے یاد کر.....!!

بہت مدھم سے جادوئی لہجے میں کہتی ہوئی وہ مسکراتی ہوئی پلٹی تھی اور اس کے قدم تفاوتوں کی کہانی لکھتے چلے گئے تھے اور میرے اردگرد کتنی سرگوشیاں پھیلتی چلی گئی تھیں اس کی..... کتنی دیر اس کی آواز کی بازگشت میرے کمرے میں گونجتی ہوئی میرا طواف کرتی رہی تھی۔

☆☆☆

فاکہہ تو قیر ان دنوں جانے کیوں چڑچڑی سی ہو رہی تھی۔ وہ اب میرے ساتھ پہلے والے انداز میں ملتی بھی نہیں تھی۔ بات بھی نہیں کرتی تھی اور میں جانے کیوں اس کے رویے پر پریشان ہوا تھا۔ میں نے اس پر التفات کی نوازشیں اور بھی بڑھا دی تھیں۔ اسے نیو ماڈل Civic بھی گفٹ کی تھی۔ وقتی طور پر تو وہ بہل گئی تھی۔ اس کا رویہ چند دنوں تک تو بہتر رہا تھا مگر پھر چند دنوں بعد سب اسی طرح اپنے معمول پر آ گیا تھا۔ اور یہ صورتحال یقیناً میرے لیے پریشان کن تھی۔

بہت ڈپریسڈ تھا میں ان دنوں اور اس ڈپریشن میں مزید اضافہ ماما پاپا نے یہ بتا کر کر دیا تھا کہ وہ میرے لیے یعنی ضاد الرحمٰن کے لیے تامیہ شاہنواز کو Consider کر رہے ہیں۔

گو یہ بات اس قدر اچنبھے کا باعث ہونا نہیں چاہیے تھی۔ شادی تو ایک نہ ایک دن مجھے کرنا ہی تھی اور میرے ذہن میں فقط ایک نام گونج رہا تھا، فاکہہ تو قیر کا نام..... وہ کہاں تک سنجیدہ تھی میرے ساتھ، میں نہیں جانتا تھا۔ مگر میں نے اب تک اس تعلق کو کسی نہج پر لانے کے لیے نہیں سوچا تھا مگر اب جبکہ ماما پاپا نے تامیہ شاہنواز کا نام میرے سامنے رکھ دیا تھا تو صورتحال اور بھی مشکل ہو گئی تھی۔ مجھے یقیناً جلد سے جلد کوئی نہ کوئی حل ضرور ڈھونڈنا تھا۔ مگر فی الحال میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ دوسرے فاکہہ تو قیر کا رویہ بھی میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اور.....

''ضاد الرحمٰن محبت کچھ نہیں دیتی محبت کے سوا..... اور کچھ نہیں لیتی محبت کے سوا.....''

ایک مدھم دھیمی سرگوشی میرے اردگرد پھیلی تھی مگر میں تمام آہٹوں سے، آوازوں سے کان بند کرتا ہوا ایک بار پھر فرار کی راہ پر چل پڑا تھا۔

گو میں نے کوئی حتمی رائے نہیں دی تھی مگر ماما کو کچھ زیادہ ہی جلدی تھی۔ ارسلان کی شادی کے بعد تو وہ جیسے اور بھی سنجیدگی سے اس جانب سوچنے لگی تھیں۔ شاید اسی لیے انہوں نے بنا میری مرضی پوچھے پروپوزل تامیہ شاہنواز کے ہاں بھجوا دیا تھا۔

''مت بتاؤ ہمیں مگر ہم جانتے ہیں۔ عرصہ دراز کا ساتھ ہے۔ انڈر اسٹینڈنگ ہے۔ ہر جگہ ساتھ پائے جاتے ہو۔ تم دونوں سے بہتر اور کوئی کپل کیا ہو گا اور کیا درکار ہوتا ہے؟ کوئی اور لڑکی نہ تمہیں سمجھ سکے گی اور نہ ہی تم کسی اور لڑکی کو جان سکو گے۔ تامیہ شاہنواز بہترین انتخاب ہے تمہارے لیے..... ہم جانتے تھے اس

لیے تم سے پوچھے بغیر اسے تمہارے لیے چن لیا۔ ہمیں یقین تھا تم انکار ہرگز نہیں کرو گے۔''

ماما بول رہی تھیں اور میں چپ چاپ انہیں دیکھتا رہ گیا تھا۔

اسے خبر ہوئی تھی تو کیسی سرشاری مجھ تک پہنچی تھی۔

''چچ چچ..... قید بامشقت ہونے جا رہی ہے تمہیں تو..... میں نے سوچا حال احوال ہی جان لوں۔ بائے دی وے تاثرات کیا ہیں؟'' وہ میری آنکھوں کو بغور تکتے مسکرا رہی تھی۔

میں یکدم ہی چہرے کا رخ پھیر گیا تھا اور ان جگنوؤں کی ضیاء کچھ اور بھی بڑھ گئی تھی۔

''ہار گئے نا! میں جانتی تھی۔ ہار جاؤ گے تم..... دم ہی کہاں ہے تم میں!'' وہ مسکرائی تھی۔

اور میں نے یکدم ہی اسے اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ اس کے شانوں کو مضبوطی سے تھامے میں اس گھڑی اس کے چہرے کو بغور دیکھ رہا تھا۔ انداز کسی قدر جارحانہ تھا مگر تامیہ شاہنواز کے چہرے پر اطمینان ہنوز برقرار تھا۔ کتنی پراعتماد نظر آ رہی تھی جیسے اسے کوئی خوف نہ تھا کسی بات کا۔ وہ اب بھی اسی طرح مسکرا رہی تھی حالانکہ میری آہنی گرفت اس کے شانوں پر تھی۔ شاید ہاتھ کے دباؤ سے میں اسے کسی قدر اذیت دینا چاہتا تھا مگر اس کے چہرے کا اطمینان ہنوز برقرار تھا جیسے اس کے لیے ہر اذیت بے معنی تھی۔

''تامیہ شاہنواز۔ Idont like you۔''

میں تمہیں نہیں چاہتا ہوں۔ کہیں بھی نہیں ہو تم میرے اندر۔ تمہاری پرچھائیں تک نہیں ہے۔ کس بات کا گماں ہے تمہیں؟ کیا سوچتی ہو تم! کیا معجزے اس زمین پر ہوتے ہیں؟

بس میں کر سکتی ہو اپنے، جب چاہو جیسے چاہو صورتحال اپنے بس میں کر سکتی ہو۔ بہت سے اسم آتے ہیں تمہیں، کل بھیدوں سے واقفیت ہے تمہاری! جب چاہو جیسے چاہو کوئی بھی منتر پڑھ کے سب نظروں کو اپنے رنگ میں رنگ سکتی ہو۔ کیا ہو تم، ہاں؟ کیا سمجھتی ہو تم خود کو؟ جادوگرنی ہو کوئی؟ اس آدم زادے پر جب چاہو اسم پھونک کر اپنے بس میں کر سکتی ہو؟ کیا بہت آسان ہے یہ تمہارے لیے؟ کیا کیا کر سکتی ہو تم ہاں؟ تم میرے ہاتھوں پر ہاتھ رکھ کر کوئی اسم پھونک کر میرے جسم سے میری جاں نکال لو گی اور پھر کوئی نیا اسم پھونک کر مجھ میں کوئی نئی جان ڈال دو گی؟ اس دل پر ہاتھ رکھو گی اور سارے جذبے اپنے نام لکھ لو گی؟ ان آنکھوں پر اپنے لب رکھو گی تو سارے منظر روشنی سے بھر دو گی؟ رنگوں کے، باتوں کے، چہروں کے مفہوم بدل دو گی؟ نئی پہچان دے دو گی؟ میری نگاہوں میں نئے منظروں کی رعنائی بھر دو گی۔ اپنے خوابوں سے انہیں آباد کر دو گی؟ تو کیا..... یہ سب کچھ ہو جائے گا؟ تو کیا یہ آدم زاد تمہارے بس میں ہو جائے گا؟ ہاں بولو نا کیا کرو گی تم؟

کچھ ہاتھ نہیں آئے گا تمہارے۔ ضاد الرحمٰن عام آدم زاد نہیں ہے تامیہ شاہنواز۔ کر ڈالو تم اپنے سارے جادو، پھونک ڈالو اپنے سارے منتر۔ کھینچ لو یہ جان۔ روک لو ان دھڑکنوں کو۔ پتھر کر دو ان آنکھوں کو۔ مگر نہیں، ضاد الرحمٰن تمہارا نہیں ہو سکتا۔ never never۔

نہیں ہے مجھے تم سے محبت۔ ہو بھی نہیں سکتی۔ پڑھو کوئی منتر، کرو کوئی ٹونا، دھڑکنا سیکھا دو اس دل کو

اپنے لیے۔ بھر دو اس میں تم اپنی محبت! مگر نہیں....." اس نے سر نفی میں ہلایا تھا۔ "تم ایسا کچھ نہیں کر سکتیں۔ کچھ بھی نہیں۔ بہت بودے ہیں تمہارے دعوے، بہت کھوکھلے ہیں سارے ارادے۔ مجھے خوفزدہ کرنا چاہتی ہو تم، ضاد الرحمٰن کو، حقیقت یہ ہے کہ تم خود خوفزدہ ہو، ڈرتی ہو اپنی شکست سے، اس پسپائی سے جو تمہیں توڑ کر رکھ دے گی، ہار جاؤ گی تم، یہی ڈر ستاتا رہتا ہے تمہیں اور تم....."

میں نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے نفی میں سر ہلایا تھا، وہ میری طرف ساکت سی دیکھ رہی تھی جب بہت ہولے سے اسے میں نے اپنی گرفت سے آزاد کر دیا تھا اور اسے اسی طرح ساکت چھوڑ کر کمرے سے نکلتا چلا گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

جانے کیا ہو گیا تھا اس شام مجھے، میرے اندر ایک غبار بھرا ہوا تھا اور جانے کیا کچھ کہتا چلا گیا تھا میں اسے۔ اس کی ساکت جامد آنکھیں یاد آتی تھیں تو مجھے کسی قدر پچھتاتا ہوا تھا۔ شاید مجھے اسے ہرٹ نہیں کرنا چاہیے تھا، اس سے اس طرح بات نہیں کرنی چاہیے تھے۔ کچھ بھی تھا، وہ دوست تھی میری بہترین دوست.....بچپن سے لے کر ہم نے کئی ادوار ساتھ گزارے تھے، کئی موسموں میں ساتھ بھیگے تھے، ساتھ کھیلے تھے۔ حد رجہ understanding تھی ہماری۔ ایک دوجے کی من کی باتیں بنا کہے ہی ہم جان جایا کرتے تھے لیکن جس طرح میں نے اسے جانا تھا اور جس طرح وہ کھلی تھی، یہ ٹھیک نہیں تھا۔

مجھے اس سے محبت نہیں تھی، منکشف تھا یہ مجھ پر مگر.....اس طرح نہیں ہونا چاہیے تھا۔ مجھے اس کے ساتھ اس طرح harsh wording نہیں استعمال کرنا چاہیے تھی۔ اس طرح کا رویہ روا رکھنا نہیں چاہیے تھا۔

اس شام جب میں اس کا نمبر ملا رہا تھا تو میں کسی قدر شرمندہ ضرور تھا۔

"I a sorry"

مگر دوسری طرف خاموشی تھی، گہری دھند چھائی رہی تھی۔ وہ کچھ نہیں بولی تھی اور میرے اندر کی وحشتیں اور بھی بڑھنے لگی تھیں۔

"تامیہ شاہنواز شرمندہ ہوں میں بہت زیادہ، شاید میں کچھ زیادہ ہی بول گیا تھا، مجھے وہ سب کچھ تم سے نہیں کہنا چاہیے تھا۔ تم جو چاہو رویہ مجھ سے روا رکھو، جو چاہے سزا دو۔ تیار ہوں میں۔ مجھے تم سے جڑنے والا یہ نیا تعلق بھی قبول ہے، میں نے بہت سوچا ہے، مجھے لگا میں غلط تھا۔ اپنی تمام غلطیوں کو قبول کرتا ہوں میں اس رشتے کو قبول کرنے کے لیے میرا فیصلہ کوئی ردعمل نہیں ہے نہ ہی میں کوئی ازالہ کرنا چاہتا ہوں، ہم ساتھ چل سکتے ہیں۔ زندگی کی راہ گزر پر ایک دوسرے کے لیے سہارا بن سکتے ہیں۔ شادی جیسی چیز کے لیے محبت کوئی ضروری نہیں ہوتی۔ ساتھ رہیں گے، ساتھ چلیں گے تو محبت بھی ہو ہی جائے گی۔ سچ تو یہ ہے کہ میں تمہیں گنوانا نہیں چاہتا، اپنی اچھی دوست سے محروم نہیں ہونا چاہتا۔"

میں confess کر رہا تھا مگر تبھی اس نے میری بات کاٹی تھی۔

''ترس کھا رہے ہو ضاد الرحمٰن، یہ ازالہ نہیں تو اور کیا ہے۔ مگر محبت کا ازالہ کچھ نہیں، سوائے محبت کے۔ you are sick ضاد الرحمٰن۔'' کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔

میں ساکت سا بیٹھا رہ گیا تھا۔ یہ جانتا تھا، اس کے لیے یہ کہنا آسان نہ تھا وہ یقیناً گھٹنوں پر سر دیے رو رہی ہوگی، کمزور تھی بہت اور محبت نے تو اسے اور بھی کمزور کر دیا تھا۔

میں چابی لے کر اٹھا اور گاڑی اس کی سمت جانے والے راستے پر ڈال دی تھی۔ کچھ ہی دیر میں، میں اس کے مقابل تھا اور وہ اپنی بھیگی پلکیں اٹھائے مجھے ساکت سی دیکھ رہی تھی۔ میں چلتا ہوا اس کے قریب جا رکا تھا۔

تب وہ یکدم میرے شانے پر سر رکھے روتی چلی گئی تھی اور میں محبت جیسے ایک انجان جذبے کے متعلق تادیر سوچتا رہا تھا۔

کیا تھی یہ محبت؟ کیسا تھا یہ احساس..... ہم دو مختلف سمتوں کے مسافر تھے اور یہ احساس ہمیں ایک راہ پر ڈال رہا تھا۔ میں جانتا تھا مجھے اس سے محبت اب بھی نہیں..... مگر ایک دوست ہونے کے ناتے میں اس کی بہت کیئر کرتا تھا اور وہ مجھے شکستہ حال نہیں دیکھ سکتی تھی۔ ہم اب بھی ایک دوسرے کو سمجھتے تھے۔ ایک دوسرے کی خطاؤں کو معاف کرنے کا ظرف رکھتے تھے اور زندگی گزارنے کے لیے یہ کافی تھا۔

☆☆☆

میری رضا مندی کے بعد گھر میں انگیجمنٹ کی تیاریاں زور پکڑ گئی تھیں۔ اس شام جب میں نے تامیہ شاہنواز کی انگلی میں رنگ پہنائی تھی، تو وہ بہت مسرور سی نظر آ رہی تی۔ اس کی جگنوؤں سی آنکھوں کی چمک اور بھی بڑھ گئی تھی۔ میں نے اس کا ہاتھ تھام کر اس کے اطمینان کو ایک نیا احساس بخش دیا تھا، لیکن میرا انداز بہت چپکے چپکے وحشتوں کی نذر ہو رہا تھا۔

اس شام فاکہہ توقیر کا فون آیا تھا، وہ مجھ سے ملنا چاہتی تھی۔ میرے دل کے دھڑکنے کے عنوان یکدم بدلنے لگے تھے، میں اس تقریب کو ادھورا چھوڑ کر معذرت کر کے نکل آیا تھا۔ وہ شام میں نے فاکہہ توقیر کے ساتھ گزاری تھی اور مجھے اس کا ملال تک نہیں تھا۔ شاید اپنی دانست میں، میں نے جو کیا تھا، ٹھیک کیا تھا۔ تامیہ شاہنواز کا دل توڑنا میرے آسان نہ تھا اور خود اپنے دل کو ٹوٹتا ہوا میں دیکھ نہیں سکتا تھا۔

سچ کو لاکھ پردوں میں بھی چھپاؤ تو چھپتا نہیں۔ تامیہ شاہنواز کو ہمارے تعلق کی خبر ہو گئی تھی اور اس دن اس کی آنکھوں میں ایک عجب وحشت دیکھی تھی میں نے۔ کتنی ڈبڈبائی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہی تھی، میں سمجھا تھا مجھ سے کوئی شکوہ کرے گی، کوئی شکایت کرے گا لیکن اس کے لبوں پر اک ساکت جامد چپ تھی، کچھ نہیں بولی تھی، بس نگاہ جھکا کر اپنے بائیں ہاتھ کی انگلی میں پڑی چمکتی رنگ کو دیکھا تھا اور پھر اپنے ہاتھ کی اس نازک انگلی کو وہ جیسے ایک بوجھ سے آزاد کرنے لگی، بہت آہستگی سے اس نے وہ رنگ اپنی انگلی سے نکالی تھی، دائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھ کر چند ثانیے اسے دیکھا تھا اور پھر اسے میری طرف بڑھا دیا تھا۔

کچھ نہیں بولی تھی وہ، اور میں بھی تو کتنا چپ تھا۔ کسی قدر آہستگی سے اس کی پھیلی ہوئی ہتھیلی سے اٹھایا تھا اور تبھی وہ بھاگتی ہوئی وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔ اسے روکنا چاہتا تھا میں، کچھ کہنا چاہتا تھا۔ کوئی کمزور سا بہانہ، کوئی کھوکھلی سی وضاحت..... مگر نہیں! وہ نہیں رکی تھی۔ چلی گئی تھی اور اندر کی وحشتیں کچھ اور بھی بڑھتی چلی گئی تھیں۔

محبت کے حوالوں سے بچنے والوں کے لیے محبت کے پاس کوئی گنجائش نہیں..... جو محبت سے کتراتے ہیں، محبت انہیں خود سے محروم کر دیتی ہے.....

یہی کہا تھا اس نے اور یہی کر دکھایا تھا۔ محروم کر دیا اس نے مجھے خود سے، اپنی محبت سے، اپنی ہمراہی کے احساس سے، چھوڑ دیا تھا اس نے میرا ہاتھ..... آزاد کر دیا مجھے ہر بندھن سے..... مگر جانے مجھے کیوں لگ رہا تھا جاتے سمے دو بھیگی پلکیں میرا سب کچھ اپنے ساتھ لے گئیں، میرا سب کچھ..... اپنا اندر مجھے بہت خالی سا لگ رہا تھا۔ جانے کیا ہوا تھا یہ مجھے، کیوں ہوا تھا، میں کچھ سمجھ نہ پایا تھا..... مگر اس سے اگلے کئی دنوں تک بہت سی وحشتیں اپنے اندر لیے طویل راہوں پر بھٹکتا رہا تھا۔ خالی ہاتھ، خالی دل اور تنہا..... کتنی بار اس کی طرف پلٹا تھا، کتنی بار اسے منانا چاہتا تھا مگر اس نے ایک بار بھی میری طرف نہیں دیکھا تھا۔ جیسے پہچان کے سارے حوالے ختم ہو گئے تھے، جیسے یکسر اجنبی ہو گیا تھا میں اس کے لیے، میرا ہونا نہ ہونا اس کے لیے برابر ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھوں کی جوت بجھ گئی تھی اور شاید محبت بھی!!

اس نے مجھے معاف نہیں کیا تھا، زندگی اور بھی مشکل ہو گئی تھی۔ اس نے مجھ سے اپنی محبت نہیں چھینی تھی، اپنے ہاتھوں کو میرے ہاتھوں پر دھر کر روح کھینچ لی تھی میری اور میں خالی رہ گیا تھا، ایک خالی جسم کے ساتھ..... کیا ہوا تھا یہ.....

میں دل کو اچانک در آنے والے احساس کو کوئی نام نہ دے پایا تھا۔ شاید مجھے خوش ہونا چاہیے تھا کہ تامیہ شاہنواز نے مجھے ایک بندھن سے آزاد کر دیا تھا اور اب میں آزاد تھا اپنے من چاہے ہمسفر کا ہاتھ تھامنے کے لیے مگر حیرت کی بات یہ تھی کہ اس لمحے میری آنکھوں کے سامنے فاکہہ توقیر کا چہرہ نہیں تھا، میرے ذہن میں اس کا خیال نہیں تھا۔

☆.....☆.....☆

حالات یکساں نہیں رہتے۔ وقت ایک سا نہیں رہتا۔ فاکہہ توقیر نے بالآخر مجھے چھوڑ دیا تھا کیونکہ وہ اپنے گھر اپنے بچوں کو چھوڑنا نہیں چاہتی تھی..... شاید اسے مجھ سے محبت نہیں تھی۔ اپنی خواہشات کو پایہ تکمیل کو پہنچانے اور آسودگی حاصل کرنے کے لی، فقط ایک مہرہ تھا میں اس کے لیے اور بالآخر اس نے مجھے استعمال کر کے وہ آسودگی حاصل کر لی تھی۔ اس نے میری جاب چھوڑ دی تھی اور دنیا کی بھیڑ میں کھو گئی تھی مگر مجھے اس کے کھونے کا ملال نہیں تھا۔ مجھے تو وہ آنکھیں نہیں بھولتی تھیں۔

وہ دو ساکت، ڈبڈبائی ہوئی آنکھیں..... کتنے شکوے تھے ان میں..... کس قدر گلے اور میں..... میرے پاس کچھ بھی تو نہیں تھا اس سے کہنے کے لیے.....

کتنی خاموشی تھی میرے اندر اور اس خاموشی کا پہرہ میں آج بھی اپنے اندر محسوس کرتا ہوں۔

مجھے وہ آنکھیں نہیں بھولتیں، پل پل مارتی ہیں اور جلتا بجھتا ہوا، ان دیکھے انگاروں پر لوٹتا رہتا ہوں۔

یہ سب کیا ہے، میں نہیں جانتا۔ مگر میں جانتا ہوں محبت نے مجھے خود سے محروم کر دیا ہے۔

محبت کو رد کرنے والوں کے لیے سب سے بڑی سزا ہے یہ کہ محبت انہیں خود سے محروم کر دے اور مجھے محبت نے رد کر دیا تھا۔

تامیہ شاہنواز نے اپنی محبت مجھ سے چھین کر مجھے خود سے محروم کر دیا تھا۔ یہ سزا نہیں تو اور کیا تھا کہ میں دن رات جل رہا تھا اور سد باب کچھ نہ تھا، تدارک کچھ نہ تھا۔

اس شام جب مجھے خبر ہوئی تھی کہ تامیہ شاہنواز نے کامران ملک کو ہمسفر چننے کا فیصلہ کر لیا ہے تو میرے اندر وحشتیں کچھ اور بھی بڑھ گئی تھیں۔ کتنی دیر میں خالی خالی آنکھوں سے دور تک پھیلے رستوں کو تکتا رہا تھا۔ کتنے بے سمت راستے تھے، کہیں کوئی نشان منزل نہ تھا۔ کہیں کوئی راستہ نہ تھا، کس قدر اکیلا تھا۔ محبت مجھے خود سے محروم کر گئی تھی اور بس میں جل رہا تھا۔

اس شام میں کتنی دیر تک انہی بے سمت راستوں پر گاڑی دوڑاتا رہا تھا مگر میرے اندر کی خاموشیاں اسی طور قائم رہی تھیں، وحشتیں کچھ اور بھی بڑھ گئی تھیں۔

تیرے واسطے میں تارا تارا اجلا
کہکشاں کی طرح
لمحوں کے پیچھے ہے کوئی تو
لمحہ ایسا بھی
جو بیگانہ بھی ہے اپنا بھی
جہاں ٹھہرے یہ لمحہ
وہیں سے تو آگے جانا ہے
تیری محبت کم نہیں
میں تارا تارا اجلا
کہکشاں کی طرح
تیرے واسطے میں

ان گنت یادیں بکھری ہوئی تھی میرے اردگرد، اس کے آنکھوں کے جگنوؤں کی روشنی جیسے میرے اندر پنہاں تھیں اور اس نے مجھے خود سے محروم کر دیا تھا۔

میں نے اس کے گھر کے سامنے گاڑی روکی تھی، پر وحشت نظروں سے برقی قمقموں سے روشن گھر کو دیکھا تھا جس کی دہلیز پار کر کے کچھ نئے حوالوں سے بندھ جانا تھا۔

وہ سجی ہو گی.....

اس کا پور پور مہکا ہو گا

اس کے روپ رنگ نرالے ہوں گے.....

وہ جادوگر سی لڑکی اس لمحے کیسی جادوسی لگ رہی ہو گی۔ سرخ زرتار آنچل نے اس کے روپ رنگ کو اور بھی نکھار دیا ہو گا.....

کانوں میں پڑا جھمکا کیا کیا سرگوشیاں نہ کر رہا ہو گا۔

وہ دلہن بنی کیسی اپسرا لگ رہی ہو گی.....

جگنوؤں سے بھری ان آنکھوں کی جوت اس دن کتنی نرالی ہو گی.....

وہ محبت سی لڑکی جس کا پور پور محبت تھا.....

جو سر سے پاؤں تک محبت ہی محبت تھی.....

اور اس نے مجھے خود سے محروم کر دیا تھا.....

جی چاہتا تھا جگنوؤں سے بھری ان آنکھوں کو دیکھوں، اس چہرے کو دیکھوں جو میر طرف تکتا تھا تو کچھ اور سنور جاتا تھا۔ اس لہجے کو سنوں جو صرف محبت کے بول بولتا تھا۔ کس قدر آشنا تھا وہ لہجہ مگر آج..... کیسی صدیوں کی دوری آن پڑی تھی۔

میرے اندر الاؤ کچھ اور بڑھنے لگے تھے۔ پیاس کی شدت اور بڑھنے لگ تھی۔ بس اک نگاہ کی پیاس.....

اور میں گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا تھا۔ میرے قدم ہجوم کو چیرتے ہوئے اندر کی جانب بڑھنے لگے تھے۔

جانے کیوں مجھے لگ رہا تھا، وہ نگاہ منتظر ہو گی، اب بھی رستہ تکتی ہو گی۔ کتنی عجیب بات تھی، اس کی زندگی کے اہم ترین دن پر میں آج بھی خالی ہاتھ تھا، وہ محبت سی لڑکی جو ہمیشہ محبت دان کرتی تھی، میرے پاس آج بھی اسے دینے کے لیے کچھ نہ تھا۔ میں اس کے کمرے کی دہلیز کے بیچوں بیچ جا رکا تھا۔ اس نے نگاہ اٹھا کر مجھے دیکھا تھا، اس کی نگاہ ساکت رہ گئی تھی۔ میں بھی بنا کچھ کہے چپ چاپ اس کی سمت تکتا رہا تھا۔ کچھ بھی نہیں تھا میرے پاس اسے کچھ کہنے کے لیے اور دینے کے لیے.....

میرے اندر کی خاموشیاں اور بھی بڑھ گئیں۔ بے کلی سوا ہو گئی تھی۔ الاؤ مجھے اور بھی جھلسانے لگے تھے شاید اس نگاہ سے میں جل جاتا، تبھی یکدم پلٹا تھا اور قدم باہر کی جانب بڑھانے لگا تھا لیکن ایک دم اندر کی جانب سے اٹھنے والے شور نے میرے قدم جامد کر دیے۔

تامیہ!

تامیہ!

ایک عجب چیخ و پکار مچ گئی تھی۔ میرا دل جیسے بند ہونے لگا تھا۔ میں یکدم پلٹا تھا اور بھاگتا ہوا کمرے کی جانب بڑھا تھا جہاں ایک ہجوم کے درمیان تامیہ شاہنواز آڑی ترچھی پڑی تھی۔

تامیہ!!

تامیہ!!

اردگرد ہجوم چیخ رہا تھا سب اسے پکار رہے تھے مگر وہ خاموش تھی۔ وہ آنکھیں اسی طور کھلی، ہوئی تھی مگر کس قدر ساکت! کس قدر بے رنگ.....

ہمیشہ جگنوؤں کی طرح چمکنے والی ان آنکھوں کی جوت بجھ چکی تھی۔ کوئی ضیاء باقی نہیں بچی تھی۔ میں دیوانہ وار لپکا تھا۔

تامیہ!!

تامیہ!!

میں نے اسے اپنی بانہوں میں بھر کر جھنجھوڑ دیا تھا۔ مگر اس کے ساکت وجود میں کوئی ہلچل نہیں ہوئی تھی۔

تامیہ!!

میں نے اسے ایک بار پھر دیوانہ وار پکارا تھا۔ مگر آج اس کا تغافل میرے تغافل سے کئی گنا بڑھ گیا تھا۔ وہ التفیات سے بھری، محبت سے بھری نگاہ آج خاموش تھی۔ وہ محبت سی لڑکی، آج بالکل خاموش تھی۔ اسے اس کی محبت نے مار دیا تھا۔

میں دیوانہ وار اسے پکارتا چلا گیا تھا مگر اس کے بے جان وجود میں کوئی حرکت نہیں ہوئی تھی۔

منزلوں کی حقیقت بہت مختلف ہے ضاد الرحمٰن۔ کبھی کبھی نگاہ کے سامنے ہوتی اور نگاہ سے اوجھل ہو جاتی اور کبھی کبھی..... قدم راستوں کی خاک ہو جاتے ہیں اور ہاتھ کچھ نہیں آتا!! لگن کو بڑھانا ضروری ہے مگر اس کے ساتھ کھلی آنکھوں کے ساتھ صحیح سمت کا تعین کرنا بھی ضروری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ منزل، راستے، سفر سب خواب ہو جائیں، خاک میں مل جائیں اور..... اور باقی کچھ بچے ہی نا..... پچھتانے کے لیے بھی نہیں! میں محبت ہوں ضاد الرحمٰن، کہاں تک بھاگ سکو گے مجھ سے؟

چلو لکھ کر رکھ لو..... ایک دن پاگل نہ کر دیا تو کہنا۔ یہ دن یہ لمحہ..... یہ بھیگتا ہوا موسم..... سب گواہ ہیں میرے ضاد الرحمٰن..... پاگل کر دوں گی تمہیں.....

ڈھونڈتے پھرو گے مجھے..... ہر سمت اپنے چار سو۔ دیوانہ وار لپکو گے میری جانب مگر تب میں تمہارے ہاتھ نہیں آؤں گی۔

کیا سمجھتے ہو ضاد الرحمٰن..... اتنی آسانی سے نہیں چھوڑوں گی میں تمہیں۔ مشکل کر دوں گی جان..... بھولنے تو نہیں دوں گی۔ کیا کرو گے تم..... اتنی مشکل میں کیسے بسر ہو گی ضاد الرحمٰن.....

مجھے اپنی یادوں میں رہنے دے
مجھے روک لے
مجھے کوئی بات نہ کہنے دے
مجھے یاد کر!!

کتنی بازگشت تھی۔ کتنی صدائیں تھیں اس دلکش لہجے کی فضا میں..... میرے اردگرد جیسے اک ہجوم سا لگا ہوا تھا اس کی یادوں کا..... مگر وہ، ہاں وہی نہیں تھی۔

میں نے بہت ہولے سے اس کی آنکھوں کو بند کیا تھا۔ پھر بہت آہستگی کے ساتھ اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھ دیے تھے۔

''محبت کچھ نہیں دیتی..... محبت کے سوا..... اور محبت کچھ نہیں لیتی محبت کے سوا۔''

تامیہ شاہنواز کی مدھم سرگوشی پھر میرے اردگرد مرا طواف کر رہی تھی۔ کتنے بہت سے آنسو میری آنکھوں سے لوٹتے ہوئے بکھرتے چلے گئے تھے۔

محبت نہیں رہی تھی.....
چلی گئی تھی.....
مجھ سے روٹھ کر..... بنا بولے، بنا بات کیے۔

بہت سی سرگوشیاں اور ایک طویل بازگشت پیچھے چھوڑ گئی تھی اور مجھے جیسے اس بازگشت کے سنگ جینا اور مرنا تھا۔

میرے اندر کتنے الاؤ دہکنے لگے تھے۔
اک آدم زاد یکدم ہی دام اسیر ہوا تھا۔
یکدم ہی اس نے محبت کی زمین پر قدم دھرے تھے۔
بہت سی حقیقتوں سے روشناس ہوا تھا.....
بہت سے در کھلے تھے اس پر.....
مگر اس عہد میں.....
اس دور میں وہ تنہا تھا۔
اپنی تنہا محبت کے ساتھ
بہت سے پچھتاوے تھے اس کے ہاتھ مگر اب تدارک کا وقت کہیں کھو چکا تھا۔
محبت نہیں رہی تھی۔

کرن کوئی آرزو کی

رجا میں اور مجھ میں کوئی قدر مشترک نہ تھی۔ حتیٰ کہ ہماری کوئی عادت بھی آپس میں نہ ملتی تھی۔ اس کے باوجود ہم ہر جگہ ایک ساتھ پائے جاتے تھے اور اس بات پر سبھی حیران بھی تھے۔ نہ صرف گھر میں بلکہ گھر سے باہر بھی ویسی چہ میگوئیاں میرے کانوں میں پڑتی رہتی تھیں اور بے جی جب بہت خشمگیں نظروں سے میری جانب دیکھتے ہوئے قدرے کھردرے لہجے میں اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتی تھیں تو میں بس خاموشی سے سر جھکا لیتی تھی۔

''مت رہا کر اس کے ساتھ۔ نہیں ہے وہ تیرے قابل۔ کسی دن منہ کالا کر گئی تو تو بھی ساتھ دھر لی جائے گی۔'' ان کا لہجہ انتہائی زہر خند تھا اور میرے لبوں پر ہمیشہ کی طرح ایک ساکت چپ تھی۔ ہزار چاہنے کے باوجود میں ان سے یہ نہ کہہ سکی تھی کہ ہم دونوں کی رگوں میں جب ایک ہی خون ہے تو پھر آپ کی سوچوں میں اتنا تضاد کیوں؟ جب ہم ایک ہی باپ کی اولاد ہیں تو پھر اس کے لیے آپ کے لہجے میں اتنی حقارت کیوں؟ مگر میں بے جی سے کچھ نہیں کہہ سکی تھی۔ شاید مجھ میں ہمت ناپید تھی اور رجا بھی تو کہتی تھی کہ میں بہت بزدل ہوں۔ انتہائی ڈرپوک اور چکن ہارٹ اور میں کبھی بھی اس کے کہے سے اختلاف نہ کر سکی تھی۔ ہاں شاید میں واقعی بہت حد تک بزدل اور ڈرپوک واقع ہوئی تھی۔ حتیٰ کہ کبھی کبھار تو اپنے ہی سائے سے بھی ڈر جاتی تھی۔ کمرے میں اندھیرا ہوتا یا کبھی اچانک لائٹ چلی جاتی تو میں کتنی ہی دیر آنکھیں سختی سے میچے حلق کھولے چیخیں مارتی رہتی اور کبھی مجھے تنہا ہی سونا پڑ جاتا تو میری جان پر بن جاتی۔ ایسے میں، میں بے جی کے پہلو میں جا دبکتی اور رجا کو جب پتا چلتا تو وہ کتنی دیر تک ہنستی رہتی۔

''بڑی ہو جاؤ اب کب تک یونہی سہارے ڈھونڈتی اور بے جی کے پلو سے لپٹی رہو گی۔ آنکھیں کھول کر دیکھو زمانہ کتنا بدل چکا ہے۔ کتنی آگے بڑھ چکی ہے دنیا۔'' اور میں سر جھکا کر سنی ان سنی کر دیتی اور تب وہ مسکراتے ہوئے مجھے شانوں سے تھام کر اپنے ساتھ لگا لیتی اور اب میں بہت ہولے سے اس سے دریافت کرتی۔

''رجا! تم اتنی بہادر کیسے ہو؟'' اور وہ ہنس دیتی۔

''جیسے تم ڈرپوک اور بزدل ہو۔'' اور اس کی برجستگی پر میں مسکرا دیتی۔

کزنز کا تو ایک جم غفیر تھا گھر میں مگر میری رجا سے ہی بنتی تھی حالانکہ جو رشتہ اس میں اور مجھ میں موجود تھا اس کی نوعیت کے باعث ایسا ہونا ناممکن تھا۔ وہ بابا کی دوسری بیوی کی اولاد تھی اور میں خاندانی حسب نسب والی ایسی ماں کی بیٹی تھی جسے بے جی اپنی مرضی اور پسند سے بیاہ کر لائی تھیں۔ جب رجا ہمارے گھر آئی تھی اس وقت میں دس برس کی تھی مگر میرا شعور میری عمر سے کہیں سوا تھا۔

مجھے یاد ہے اس کی آمد پر اماں نے بہت مخالفت کی تھی۔ مگر بابا کے پاس اس کے سوا راستہ نہ تھا۔ مجھ پر یہ راز بھی اس وقت منکشف ہوا تھا کہ بابا اپنی کسی کلاس فیلو میں انٹرسٹڈ تھے اور اس سے شادی بھی کرنا چاہتے تھے مگر بے جی اماں کے لیے بضد تھیں اور تب بابا کو اماں کی آرزوؤں کا پاس کرنا پڑا تھا مگر بابا نے اس کے بعد غالباً اپنی مرضی بھی پوری کر لی تھی۔

رجا کی والدہ غالباً بہت جدید عورت تھیں۔ اماں کے انداز و اطوار مکمل طور پر مڈل کلاس والے تھے۔ اماں اتنی تعلیم یافتہ بھی نہ تھیں شاید اسی لیے بابا نے مگر میرا نہیں خیال کہ ایسا فقط اس لیے ہوا کہ بابا کو کسی جدید ترین دور میں بسنے والی اور جدید انداز و اطوار میں سروائیو کرنے والی عورت درکار تھی۔ یقیناً کچھ قلبی معاملات بھی تھے۔ تبھی بابا ایسا اقدام اٹھائے بغیر رہ نہ سکے مگر شاید وہ نہیں جانتے تھے کہ اس کے باعث وہ کس قدر دقیق مسائل کا شکار ہو جائیں گے۔ غالباً اس لمحے جذباتیت میں قدم اٹھاتے ہوئے انہیں صورت حال کی آئندہ سنگینی کا اندازہ نہ تھا۔ اس کا احساس انہیں اس وقت ہوا جب دوسری بیوی کی وفات کے بعد انہیں رجا کو ہمارے گھر لانا پڑا۔

بے جی کا انداز بہت اکھڑا ہوا تھا اور اماں بھی بہت زیادہ گرم جوش نہ تھیں۔ اس وقت اماں نے جس قسم کے رویے کا مظاہرہ کیا تھا میرے لیے وہ بھی چونکا دینے والا تھا۔ اماں نے ساری جائیداد اور بینک اکاؤنٹس پر بغیر شرکت غیرے میری اجارہ داری قائم کروالی تھی اور اس کے لیے باقاعدہ کاغذی کارروائی کروائی گئی تھی۔ اماں پتا نہیں کیوں اتنی زیادہ برہم اور خوفزدہ نظر آ رہی تھیں حالانکہ وہ لڑکی تو بہت پیاری سی تھی اس کی اور میری عمر یکساں تھی۔ شاید تبھی ہم دونوں کو گھلنے ملنے میں زیادہ وقت نہ لگا۔ اماں اور بے جی کے رویوں کے باوجود بابا کی توجہ کا مرکز ہم دونوں متوازن سطح پر تھے۔ میرا نہیں خیال کہ بابا نے کبھی مجھ پر رجا کو فوقیت دی ہو یا پھر مجھے اس سے بڑھ کر گرم جوشی دی ہو۔ بابا ہم دونوں کو ایک ساتھ شاپنگ کراتے تھے۔ ایک جیسی چیزیں دلاتے تھے۔ برتھ ڈے گفٹس بھی ایک جیسے ہوتے۔ حالانکہ ہماری برتھ ڈے قدرے گیپ سے آتیں۔ مگر بابا جب رجا کا برتھ ڈے پر گفٹ لیتے تو میرے لیے بھی ویسا گفٹ پریزنٹ کرتے۔ بابا کے لیے ہمیشہ ہماری حیثیت ایک جیسی تھی مگر اماں اور بے جی کے رویوں میں بہت تضاد تھا۔ اماں بابا کے سامنے تو اس بات کا اس قدر برملا اظہار نہ کرتیں۔ مگر جیسے ہی تنہائی میسر آتی وہ بہت سختی سے مجھے رجا سے دور رہنے کا حکم دیتی۔ مگر مجھ سے کبھی ایسا ہو نہ سکا اور میں کبھی بے جی اور اماں کی طرح رجا کو سرد مہری دکھا نہ سکی۔ شاید اس وقت مجھ پر سگے سوتیلے کا مفہوم اس قدر منکشف نہ تھا اور جب ہوا تب تک میں رجا کی بہت عادی ہو چکی تھی۔ بچپن تک تو پھر بھی سب کچھ ٹھیک تھا۔

اماں اور بے جی اتنی پوزیسیو یا ایگریسو نہ تھیں مگر اب ان کے لہجے بہت زیادہ زہرخند تھے یا پھر مجھ میں ہی یہ وصف اب آیا تھا کہ ان کے رویوں کی سنگینی اور الفاظ کی کاٹ کو سمجھ سکوں۔ جانے مجھے کیوں بے حد شرمندگی محسوس ہوتی تھی ان تمام رویوں پر۔ حالانکہ میں اس صف میں شامل نہ تھی مگر اس کے باوجود جب بے جی یا اماں کسی بھی طرح کی سختی کا مظاہرہ کرتیں تب میں بجائے ان رویوں کے برعکس رجا کی دلجوئی کرنے کے اس لمحے اس منظر سے ہٹ جایا کرتی تھی اور ایسا دانستہ تھا۔ شاید میں اس کی آنکھوں میں بھرے ان دیکھے سمندر دیکھنے کی خود میں جرأت یا ہمت نہیں پاتی تھی یا پھر میں واقعی بہت بزدل تھی۔ بہرحال سب کچھ اسی طرح چل رہا تھا اور ان دس بارہ سالوں کا تسلسل اسی طرح برقرار تھا۔ بنا کسی ردوبدل کے۔ ہاں ہوا یہ تھا کہ پہلے رجا کی آنکھوں میں بہت سے سمندر تیرتے نظر آتے تھے مگر اب جیسے وہ بے حس ہوگئی تھی۔ کسی بات کسی ڈانٹ کسی کھردرے رویے کا اثر ہی نہیں ہوتا تھا اس پر۔ بلکہ بارہا تو مجھے لگا تھا وہ جان بوجھ کر وہ سارے کام اور امور سرانجام دیتی ہے جس سے بے جی یا پھر اماں کو اختلاف ہوتا ہے اور ایسے میں رجا کے چہرے اور آنکھوں میں بے حد طمانیت دوڑتی محسوس ہوتی۔ ایک دھیمی مسکراہٹ جس کا مفہوم بہت غیر مبہم ہوتا بہرحال جو بھی تھا مجھے رجا ملک بے حد عزیز تھی۔ اماں کو اس کے وجود سے جس قدر نفرت تھیں اتنا ہی میں اس کے قریب تھی اور کبھی کبھار تو وہ مجھے دیکھ کر ہنس پڑتی تھی۔

''لگتا نہیں ہے تم اپنی ماں کی بیٹی ہو۔'' اس کا تجزیہ حیران کن ہوتا۔

''ہاں میں اپنے بابا کی بیٹی ہوں ناں۔'' میں بلاتردد مسکرا دیتی اور وہ ہنس پڑتی۔

''کنفرم کرلو۔ کہیں تم بھی بابا کی کسی اور بیوی میں سے تو نہیں۔'' اور میں جملے کے اندر چھپے اس کرب کو جان کر بات ہی تبدیل کر دیتی۔ اماں کا جذبہ شاید فطری تھا۔ شاید وہ حق پر تھیں۔ مگر نفرت کا حق تو انہیں رجا کی والدہ سے ہونا چاہیے تھا نا کہ رجا سے۔ رجا کا تو کم از کم اس میں کوئی قصور نہ تھا۔ نہ وہ اپنی مرضی سے اس دنیا میں آئی تھی نہ اس گھر میں۔ مگر اماں کو یہ بات سمجھانا بہت مشکل تھی سو ہر شے اپنے معمول کے مطابق چل رہی تھی۔ کبھی کبھی تو مجھے رجا کی برداشت پر بھی غصہ آجاتا۔ ابا کو شاید اسے یہاں نہیں لانا چاہیے تھا۔ شاید ابا نے غلطی ہی کی تھی۔ اسکولنگ ہم دونوں کے ساتھ ہوئی تھی اور کالج کا بھی ساتھ مشترک تھا اسکول تک تو وین سروس تھی مگر کالج پہنچتے ہی رجا کو ان ڈیپنڈنٹ ہونے کا خیال آیا تھا اور اس نے بابا سے کہہ کر وین ہٹوا دی تھی۔ ہم بس سے گھر آتے اور کالج جاتے تھے۔ کبھی بابا چھوڑ دیتے کبھی ڈرائیور لینے آجاتا مگر زیادہ تر ہم ان ڈیپنڈ علی سروائیو کرتے۔ رجا کا خیال تھا اس طرح اعتماد آئے گا۔ وہ تھی بھی بہت پراعتماد البتہ میری کیفیت متضاد تھی۔ رجا میرا بہت خیال رکھتی تھی بہت حوصلہ بڑھاتی تھی۔

اس روز جب رجا کے پریکٹیکل کے سلسلے میں واپسی میں ہمیں کچھ دیر ہوگئی تھی تو گھر پہنچتے ہی جیسے بھونچال آگیا تھا۔

''کتنی بار کہا ہے تمہیں اس کا ساتھ چھوڑ دو۔ مگر تم بھی لگتا ہے کچھ کروا کر ہی دم لو گی۔ آوارہ بدچلن

ماں کی بیٹی ہے۔ اس سے مختلف تو نہ ہوگی۔ بوری میں بند لاش ملی تھی اس بدچلن کی۔ اخباروں میں خبریں چھپی تھیں، تصویر سمیت۔ رنگ رلیاں مناتی تھی کئیوں کے ساتھ۔ کسی عاشق نے مار کر ڈال دیا ویران جھاڑیوں میں۔ کسی ایک کے ساتھ وفادار ہوتی تو آج زندہ ہوتی۔ ایک غلیظ اور گندی عورت تھی وہ۔ اس کی یہ بیٹی اس کے نقش قدم پر چلے گی۔ لکھ کر رکھ لو تم۔ کسی دن یہ اپنا منہ تو کالا کرے گی ہی ساتھ ہی ساتھ تمہارے چہرے پر بھی کالک تھوپ جائے گی۔ خود تو مر گئی آوارہ بدچلن۔ میرے سینے پر مونگ دلنے کو چھوڑ گئی ایک اور ناگن۔'' اماں انتہائی غصے سے چیخ رہی تھیں۔ کتنے لوگ اردگرد جمع ہو گئے تھے۔ گو سارے اپنے تھے مگر اس گھڑی رجا ملک کیسی شرمندہ سی تھی۔ خاموشی سے گردن جھکائے کھڑی وہ کتنی ہمت کے ساتھ یہ سب انکشاف سن رہی تھی اور میں، میں تو اماں کے اس انداز پر حیران تھی۔ جانے کب تک وہ اسی طرح بلند و بانگ لہجے میں زہر اگلتی رہتیں کہ اچانک اندر سے بڑے تایا آئے اور اماں کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گئے۔ میں نے رجا کی طرف دیکھا۔ وہ اسی طرح سر جھکائے کھڑی تھی۔ پھر اسی طرح چلتی ہوئی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی تھی۔ ہم کہیں غلط جگہ نہیں گئے تھے۔ نا ہی رجا نے کبھی کوئی غلط روش اپنائی تھی مگر یہ بات اماں کو کون بتاتا۔ رجا کا وہ پریکٹیکل پہلے سے شیڈولڈ نہ تھا اور وہ اس وقت اٹینڈ کرنے کے موڈ میں بھی نہ تھی۔ میں نے ہی اسے تیار کیا تھا اور اب سہ پہر کے وقت جب ہم گھر پہنچے تھے تو نتیجہ ہمارے سامنے تھا۔ میں مانتی ہوں کچھ اچھا نہیں ہوا تھا یا پھر سب تو کم از کم معلوم کرنا چاہیے تھا۔ میں کتنے دن تک رجا سے شرمندہ شرمندہ سی رہی تھی وہ بھی کچھ چپ چپ سی تھی۔

اور اس رات جب میں سونے کی تیاری کر رہی تھی وہ ایک سیاہ ڈائری ہاتھ میں لیے میرے قریب آن رکی تھی۔ میں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ اس نے مجھ پر ایک نگاہ ڈالی تھی۔ پھر میرے سامنے بیٹھ گئی تھی۔ تبھی بہت ہولے سے اس کے لب وا ہوئے تھے۔

''منال! میری ماں آوارہ بدچلن نہیں تھی اور اس کا ثبوت اس ڈائری میں ہے۔ تم پڑھ سکتی ہو۔ اپنی اماں کو بتا سکتی ہو۔ وہ ماڈرن اور جدید زمانے کی پروردہ ضرور تھیں۔ آزاد فضائیں انہیں پسند ضرور تھیں۔ وہ لبرل ضرور تھیں مگر بدچلن نہیں۔ یہاں اس ڈائری میں لکھا ہے منال وہ کوئی بری عورت نہیں تھیں۔ انہیں تو اپنوں نے مار دیا۔ ہاں منال میری ماں کو اس کے اندھے اعتماد نے مار دیا جو اس نے اپنے سوتیلے رشتوں پر کیا۔ میں نے بابا سے بھی کنفرم کیا تھا۔ وہ بھی میری ماں کی پاک دامنی کے گواہ ہیں اور تم..... تم منال ملک..... تم یہ ڈائری پڑھ سکتی ہو۔ یہ میری ماما کی وہ ڈائری ہے جو یہاں آتے وقت میں نے اپنے سامان میں رکھ لی تھی مگر میں نے اسے کبھی اس سے قبل پڑھا نہیں تھا۔ وقت نے اسے کھولنے پر مجبور کر دیا۔ منال تم.....'' اس کی آنکھیں بہت سے پانیوں سے بھر گئی تھیں اور وہ بالآخر میرے شانے پر سر رکھ کر سسکنے لگی تھی۔

اور میں اس وقت اتنی خالی تھی کہ اسے تسلی کے دو حرف بھی نہ دے سکی تھی۔

☆.....☆.....☆

رجا وہ سیاہ کور والی ڈائری میرے سامنے دھر گئی تھی۔ مگر میں نے اسے کھول کر پڑھنے کی کوشش نہیں کی

تھی کیونکہ میں رجا ملک کے ایک ایک حرف پر ایمان رکھتی تھی۔ میں اماں کو قائل پھر بھی نہیں کر سکتی تھی۔ ایف ایس سی کے بعد میں میڈیکل کی طرف آ گئی تھی۔ جب کہ رجا اپنے رجحان کے مطابق بی بی اے کرنے لگی تھی۔ ان دنوں میں، اس تمام عرصے میں کچھ بھی نہیں بدلا تھا۔ سوائے رجا کے۔ مجھے لگتا تھا وہ مزید سخت جان ہو گئی ہے۔ مزید سرد پڑ گئی ہے اور میں چاہتے ہوئے بھی کوئی ازالہ کرنے کی سکت نہیں رکھتی تھی۔

اس روز ہم ٹیرس پر بیٹھے چائے پی رہے تھے جب سمیہ نے آ کر بتایا کہ بڑے تایا کے اکلوتے سپوت مشی گن سے تشریف لا رہے ہیں۔ اس نیوز پر نہ تو مجھ پر کوئی اثر ہوا تھا اور نہ ہی رجا ملک کے چہرے کے تاثرات بدلے تھے اور سمیہ جو اپنی دانست میں شاید بہت بڑی خبر لائی تھی ہمارے رویوں پر مایوس واپس لوٹ گئی گھر میں لڑکیوں اور لڑکیوں کی ماؤں کی توجہ عروج پر تھی اور ہونی بھی چاہیے تھی آخر کو ایک قابل ترین لڑکا عرصہ دراز بعد پاکستان لوٹ رہا تھا۔ میں اس وقت تین یا چار برس کی تھی جب بڑے تایا یہاں سے اپنی فیملی سمیت مائیگریٹ کر گئے تھے۔ میں اس وقت اتنی چھوٹی تھی کہ کوئی بھی بات یاد نہ تھی۔ کجا کسی ضرغام صاحب کو یاد رکھنا۔ میں نے جس طرح اس خبر کو سنا تھا اسی طرح فراموش بھی کر دیا تھا۔ رجا ملک کے لیے یوں بھی ایسی کسی بات میں دلچسپی نہ تھی۔ گھر میں کون آ رہا ہے۔ کون جا رہا ہے۔ ان کے لیے یہ تمام باتیں قطعاً اہمیت نہ رکھتی تھیں۔ کزنز کے غول کے غول جمع ہوتے مگر اس کی دلچسپی ناپید رہتی۔ وہ بولتی بھی تھی تو فقط مجھ سے۔ آج کل تو یوں بھی وہ خاصی مصروف ہو گئی تھی۔ پڑھائی کے ساتھ پارٹ ٹائم جاب بھی کرنے لگی تھی۔ یہ بات بابا کے علم میں بھی تھی مگر اس نے جانے کیا کہہ کر انہیں راضی کر لیا تھا۔ میں نے اعتراض کیا تو دھیمے سے مسکرا دی۔

''میرے نام کوئی لمبی چوڑی جائیداد نہیں چھوڑی گئی۔ ماما کا جو کچھ بھی تھا اس پر میرے ماموں قابض ہیں اور.....'' اس نے یکدم جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا اور میں بہت مجرمانہ انداز میں سر جھکا گئی تھی۔ تبھی وہ ہنسی تھی۔

''آج کل زمانہ بدل گیا ہے بھئی۔ اب لڑکیاں اپنے زور بازو پر اعتماد رکھنے لگی ہیں اور یوں بھی میں فارغ رہ کر کیا کروں گی۔ اچھا ہے کچھ مصروفیت ہاتھ تو آ گئی ہے۔ وقت ہی اچھا گزر جاتا ہے۔'' اس کی وضاحت خوب تھی اور میں جواباً کچھ نہ کہہ سکی۔

☆.....☆.....☆

ضرغام حسن صاحب تشریف لا چکے تھے اور آج کل ہر طرف انہی کا چرچا تھا۔ لڑکیوں اور لڑکیوں کی ماؤں میں وہ خاصے ہاٹ کیک بنے ہوئے تھے اور دیگر ماؤں کی طرح میری اماں کی بھی مرضی تھی کہ میں ان موصوف کے سامنے بطور خاص جاؤں اور ملوں اور پھر ان کے حضور پیش پیش رہوں کیوں؟ اب میں اتنی بچی بھی نہ تھی کہ اماں کی ان باتوں کا مفہوم نہ سمجھتی۔ ایک قابل لڑکا جب نظر آتا ہے تو مائیں کیوں اتنی سرگرم عمل ہو جاتی ہیں۔ یہ بات اب اتنی بھی دقیق نہ تھی۔

ٹھیک ہے ضرغام حسن صاحب معقول تھے۔ ہینڈسم تھے مگر اب ایسا بھی کال نہ تھا لڑکوں کا کہ بطور خاص ان کے گرد موجود رہا جاتا۔ مختلف حیلوں بہانوں سے ان کی خدمت کی جاتی۔ ان کی پسند ناپسند معلوم کی

جاتی۔ یا پھر ان کی پسندیدہ ڈشز بنا کر ٹیبل پر کھانوں کا جمعہ بازار لگا دیا جاتا مگر اماں بھی بس..... اور رجا..... وہ ہر طرح لاتعلق تھی۔ جب اس نے بی بی اے جوائن کیا تھا تب سے وہ ویسے بھی ہر طرف سے کٹ گئی تھی۔ پہلے وہ اور میں بے تکان ہنسا بولا کرتے تھے۔ اب وہ سلسلہ بھی موقوف ہو گیا تھا اب تو وہ لمحے بھی مشکل سے میسر آتے تھے جب ہم دونوں فراغت میں مل بیٹھ سکتے۔

اس روز جب میں اپنے نیلز پر نیل پالش لگا رہی تھی اور رجا کچھ پڑھنے میں مصروف تھی تبھی وہ یعنی ضرغام حسن دروازے پر ہلکی سی دستک دے کر اندر چلا آیا۔ ہم دونوں شاید اس کی آمد کو قبول نہیں کر رہے تھے اس لیے دونوں ہی قدرے حیرت سے سر اٹھا کر اس کی جانب تکنے لگے۔

''کیا میں کہیں بیٹھ سکتا ہوں؟'' میں تو بری طرح کاؤچ پر پاؤں پسارے بیٹھی تھی یکدم اٹھ کر بیڈ پر جا بیٹھی۔

''یقیناً۔'' میں نے فطری مروت سے قدرے دھیمے سے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا وہ قدرے مسکرایا تھا پھر کاؤچ میں دھنس گیا تھا۔ میں نے کسی بھی ردعمل سے قبل رجا کی طرف نگاہ کی تھی۔ وہ سر جھکائے مطالعے کی جانب توجہ مبذول کیے ہوئے تھی۔ یعنی وہ جس طرح چونکی تھی اسی قدر تیزی سے دوبارہ اپنے خول میں دوبارہ بند ہو گئی تھی۔ ضرغام کتنی دیر تک بیٹھا مجھ سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا تھا۔ مجھ سے بطور خاص اس لیے کہ رجا پہلے تو کچھ دیر خاموشی سے اسی طرح کتاب پر نظریں جمائے بیٹھی رہی تھی۔ پھر بالآخر اٹھی تھی اور کمرے سے نکل گئی تھی۔ بڑی صاف گو لڑکی تھی۔ اسے لگی لپٹی رکھنی نہیں آتی تھی۔ جب کہ میں اکثر ایسا نہیں کر پاتی تھی۔ جیسے کہ اس وقت ناچاہتے ہوئے بھی ضرغام حسن کی باتیں سن کر ہوں ہاں کرتے ہوئے سر ہلا رہی تھی۔ تب جانے کیوں مجھے لگا تھا کہ رجا کو اس وقت ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ جو بھی تھا کم از کم ضرغام ایسی کسی بات سے واقف نہ تھا۔ پھر وہ ہمارے یہاں مہمان تھا۔ لیکن میں کم از کم رجا پر زبردستی نہیں کر سکتی تھی۔

''یہ آپ کی غالباً کوئی دوست تھیں۔'' ضرغام اس کے اٹھ کر چلے جانے کے بعد گویا ہوا تھا اور مجھے کسی قدر حیرت ہوئی تھی، یقیناً اس کے متعلق غلط اطلاعات ضرغام تک پہنچائی گئی تھیں۔ میں نے یکدم نفی میں سر ہلایا تھا۔

''نہیں وہ میری بہن ہے۔''

''بہن؟'' وہ یکدم چونکا تھا اور تب میں نے مزید کوئی وضاحت دیئے بغیر اس کی جانب دیکھا تھا۔

''آپ نے بتایا نہیں آپ کی یہاں آمد کیسے ہوئی؟'' اور وہ مسکرا دیا تھا۔ پھر دھیمے لہجے میں بولا تھا۔

''تمہیں کیا لگتا ہے؟'' اور میں نے شانے اچکا دیئے تھے۔ تبھی وہ ہنس پڑا تھا۔

''فور میچ میکنگ، شادی کے لیے وہاں لڑکیاں کم تو نہ تھیں۔'' وہ مسکرا رہا تھا اور میں اس کے لہجے کی بے زاری پر پتا نہیں کیوں شرمندہ سی ہو گئی تھی۔ شاید پچھلے ایک ہفتے سے اسے اہم ترین شکار سمجھتے ہوئے جس طرح جال ڈالے گئے تھے اس پر وہ قدرے اکتا سا گیا تھا۔ مگر مجھے اس کا یہ انداز کچھ اچھا نہیں لگا تھا۔ تبھی میں

نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

''شاید تم نہیں جانتے ضرغام حسن یہاں پر اور بہت سے مسائل کی طرح لڑکیوں کی شادی اور ان کے لیے بہتر برملنا بھی ایک سنگین مسئلہ ہے۔ یہاں پر لڑکیاں اور لڑکیوں کے والدین جو اتنی خندہ پیشانی سے کسی بھی معقول نظر آنے والے لڑکے کے سامنے جھکے جاتے ہیں تو اس میں قصور بہت حد تک ہمارے ہاں روایات کا بھی ہے۔ اسے ان لڑکیوں اور ان والدین کی مجبوری سمجھئے..... اس کے سوا شاید ان کے پاس کوئی راہ نہیں ہے۔''

اس کا فیڈ اپ لہجہ مجھے جیسے تپا گیا تھا حالانکہ میں انتہائی کول واقع ہوئی تھی۔ ضرغام حسن نے مجھے قدرے حیرت سے دیکھا تھا پھر قدرے خجل سا ہو کر سر جھکا گیا تھا۔

''آئی ایم سوری، میری غلطی ہے یہ، لیکن.....'' اس نے ہونٹ بھینچ کر مجھے دیکھا تھا۔ میرا مقصد اسے شرمندہ کرنا نہیں تھا۔ بس مجھے اس کی وہ بات اچھی نہیں لگی تھی اور وہ مسکراتے ہوئے مجھے دیکھ رہا تھا۔

''تم دونوں بہنیں تو یقیناً اس دوڑ دھوپ میں شامل نہیں ہونا؟''

''ہاں کیونکہ ہم قدرے عقل مند واقع ہوئے ہیں۔'' اس کے شرارت سے چھیڑنے پر میں نے کہا تھا اور اس کی مسکراہٹ جانے کیوں گہری ہو گئی تھی اور میں سر جھکائے سوچنے لگی تھی شاید اسے رجا سے متعلق آگاہ نہیں کیا گیا تبھی وہ اسے دیکھنے پر میری دوست قرار دے رہا تھا اور تبھی تو اس قدر لاتعلق رہتی تھی۔ الگ تھلگ رہتی تھی۔ جیسے اس گھر کی مکین ہی نہ ہو۔ اس گھر سے اس کا کوئی واسطہ ہی نہ ہو اور میں..... میں یقیناً ان سب رویوں کا ازالہ نہیں کر سکتی تھی۔ پتا نہیں میرا دل اتنا موم کیوں تھا اور وہ..... جانے کیوں مجھے لگنے لگا تھا جیسے وہ ان دنوں مجھ سے بھی کٹنے لگی تھی۔ مجھ سے بھی گریز برتنے لگی تھی۔ وہ واقعی اس قدر مصروف ہو گئی تھی یا پھر محض ظاہر کر رہی تھی۔ شام ڈھلے لوٹتی تو پھر اسٹڈی روم میں گھس جاتی اور وہاں سے تب نکلتی جب سونے کا وقت آن پہنچتا اور اب تک میں اکثر تو سو چکی ہوتی۔ پہلے ہم شام کی چائے اور رات کے کھانے پر اکٹھے ہوتے تھے مگر اب وہ قربتیں بھی جاتی رہی تھیں۔

''تمہاری بہن کچھ آدم بے زار نہیں ہے؟'' اس روز ضرغام حسن نے کہا تو میں اسے فقط دیکھ کر رہ گئی۔

''تمہیں نہیں لگتا وہ کسی قدر ایب نارمل ہے؟'' وہ بولا تو میری آنکھوں میں یکدم ہی ناگواری اتر آئی۔''

''زاویہ نگاہ کی بات ہے ساری جس اینگل سے آپ دیکھ رہے ہیں ہو سکتا ہے آپ درست ہوں مگر میرا زاویہ نگاہ اس اینگل کو یکسر رد کرتا ہے۔'' میں نے قدرے دھیمے لہجے میں کہا تھا۔

''بہت محبت ہے بہن سے؟''

''فطری سی بات ہے۔'' اس کا مسلسل ذکر مجھے جانے کیوں لمحہ بھر میں چونکا گیا تھا۔ میں نے بغور ضرغام حسن کی آنکھوں میں جھانکا تھا وہ مسکرا رہا تھا۔ میں سمجھ نہ پائی تھی۔

''ڈاکٹر بن رہی ہو؟'' سوال عجیب ترین تھا اور اس کے لبوں پر گہری مسکراہٹ تھی میں کچھ نہیں بولی تھی۔ ''حالانکہ تمہیں نفسیات پڑھنی چاہیے تھی۔'' اس کا انداز محظوظ ہونے والا تھا۔ مگر میں کچھ نہیں بولی تھی۔ شاید

مذاق کرنا اس کی عادت تھی مگر میں رجا کے خلاف کچھ بھی سن نہیں سکتی تھی۔

رات جب وہ کمرے میں آئی تو میں دانستہ جاگ رہی تھی۔

''رجا! تم واقعی اجنبی ہو رہی ہو یا پھر مجھے ہی لگ رہا ہے ایسا؟'' میں نے بنا کسی تمہید کے دریافت کیا تو مجھے ہنستے ہوئے نگاہ پھیر گئی تھی۔ ''رجا ایسا کیوں ہے؟'' میں نے دھیمے لہجے میں دریافت کیا تھا کمرے کے ملگجے اندھیرے میں بغور اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ اس کی خاموشی بے معنی نہ تھی۔ میں جانے کیوں الجھنے سی لگی تھی۔

''رجا! ایسا کیوں ہے؟ کیا تم مجھ سے بھی؟'' میں بہت کچھ کہنے کی آرزو رکھتے ہوئے بھی کچھ نہ کہہ سکی تھی اور وہ اسی پل دھیمے سے مسکرا دی تھی۔

''مصروفیات زیادہ ہو گئی ہے منال۔ اسٹڈی کے لیے بھی وقت نکالنا مشکل ہو جاتا ہے اور جب میں کمرے میں لوٹتی ہوں تو تم سو چکی ہوتی ہو۔'' وہ اس بات کو بالکل عام سے انداز میں ٹال کر مجھے گڈ نائٹ کہتے ہوئے بستر پر لیٹ کر آنکھیں موند گئی تھی اور میں جانے کیوں اسے اسی طرح ساکت نظروں سے دیکھتی رہ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

مجھے ایسا لگ رہا تھا یا پھر واقعی ایسا تھا ضرغام حسن کی آمد کے بعد رجا کا یہ گریز آغاز ہوا تھا اور پھر وہ مجھ سے بھی غافل ہونے لگی تھی۔ شاید ایسا نہ بھی ہوتا۔ شاید یہ فقط قیاس ہوتا مگر اس شام میں ٹیرس پر تھی جب اس ملگجے اندھیرے میں نیچے لان میں مجھے رجا نظر آئی۔ اس کے ساتھ ضرغام حسن بھی تھا۔ جانے وہ کیا کہہ رہا تھا۔ رجا کے چہرے پر ناگواری کی کتنی لکیریں ابھرنے لگی تھیں اور پل کی پل میں وہ وہاں سے ہٹ گئی تھی۔ ضرغام حسن کے چہرے پر دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔ وہ اچانک چلی جانے والی رجا کی سمت دیکھ رہا تھا۔ اس کی تعاقب کرتی نظروں میں کچھ تھا۔ وہ پھوٹتی روشنی عام تو نہ تھی۔ میں جانے کیوں اس سمت تکتی چلی گئی تھی۔ شاید کوئی سرا ہاتھ آ رہا تھا۔ رات میں کمرے میں آئی تو رجا سونے کی تیاری کر رہی تھی۔ میں نے دانستہ اسے کمرے کی لائٹ بجھانے نہیں دی اور یونہی اس سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگی تھی۔

''رجا! تمہیں اماں نے کچھ کہا ہے؟ مجھ سے دور رہنے کے لیے؟ یوں گریز برتنے کے لیے؟'' اور وہ جو چہرے کی کلینزنگ کر رہی تھی۔ اس کے ہاتھ لمحے بھر کو رکے تھے۔ وہ قدرے چونکی تھی۔ میری سمت نگاہ کی تھی۔ پھر دوسرے ہی پل وہ بنا کچھ کہے میری سمت نگاہ پھیر گئی تھی۔ کاٹن سے اس نے چہرہ صاف کیا تھا اور پھر یکدم ہی لیٹتے ہوئے بولی تھی۔

''منال! پلیز لائٹ آف کر دینا۔'' اس کا مدھم لہجہ میرے سارے خدشات کی توثیق کر گیا تھا۔

دوسرے دن میں اماں کے سامنے تھی۔

''اماں! آپ ایسا کیوں کر رہی ہیں؟ آپ کو ترس نہیں آتا اس پر۔ میری ہی جیسی تو ہے وہ۔ اگر آپ کی کوئی دشمنی تھی بھی تو اس کی والدہ سے تھی۔ پلیز آپ اسے اپنی نفرتوں کا ہدف نہ بنائیں۔ اس کی کچھ خطا نہیں ہے۔''

''خطا نہیں ہے۔ ڈائن ہے وہ ماں کی طرح ماں میرے گھر کا سکھ کھا گئی اور یہ تجھے نہیں بخشے گی۔ تیری خوشیاں نگل لے گی۔''

''اوہ مائی گاڈ۔'' اماں کی دقیانوسی سوچ پر میں جتنا افسوس کرتی کم تھا مگر اماں کے اس اقدام پر نہ تو میں انہیں سرزنش کر سکتی تھی۔ نہ ہی انہیں سمجھا سکتی تھی۔ سو خاموشی سے وہاں سے اٹھ آئی تھی۔

☆.....☆.....☆

اور میرے پُر جوش رویے کے باوجود رجا کی روٹین تبدیل نہ ہوئی تھی۔ وہ لڑکی بے حد محتاط رویے کا مظاہرہ کر رہی تھی اور میں نے مزید اسے کچھ کہنے کی بجائے چپ رہنا ہی مناسب سمجھا تھا۔ شاید میں اپنی جانب سے یہی اخذ کر رہی تھی کہ وقت کے ساتھ صورت حال اور حالات معمول پر آ جائیں گے یا پھر یہ کہ رجا خود صورت حال کو کنسیڈر کرے گی۔

ان دنوں ہم اپنی زندگی میں اسی معمول کے تحت بزی تھے جب سب کزنز نے پکنک کا پروگرام بنا ڈالا۔ گرمی کی چھٹیاں تھیں سب فارغ بھی تھے اور انکار کا کوئی جواز بھی نہ تھا۔ مگر رجا اس پروگرام سے کچھ لاتعلق تھی۔ اس شام جب سب لاؤنج میں بیٹھے تھے اور رجا بھی موجود تھی تو مجھے لگ رہا تھا کہ ضرغام حسن کی توجہ کا تمام تر محور وہی ہے۔ براہ راست تو نہیں مگر اس کی کئی باتوں کا محور وہی تھی۔ بلاواسطہ ہی سہی وہ باتوں ہی باتوں میں ذومعنی جملوں سے مسلسل جیسے رجا تک اپنی بات پہنچانا چاہ رہا تھا۔ میں نے چائے کے سپ لیتے ہوئے رجا کی سمت نگاہ کی تھی۔ اس کا چہرہ ہمیشہ کی طرح بے تاثر تھا یا وہ جان بوجھ کر سب کچھ مخفی رکھنا چاہ رہی تھی۔

ایسا تو نہ تھا۔ ایسا تو یقیناً ہرگز نہ تھا کہ رجا ان آنکھوں، ان جملوں کا مفہوم نہ سمجھ رہی ہو۔ اگر میں ان تمام باتوں کو جان گئی تھی تو رجا کیوں نہیں۔ وہ تو شاید براہ راست اس معاملے میں انوالو تھی۔

''منال! تمہاری بہن کچھ زیادہ ہی آدم بے زار نہیں ہے۔'' اس کے بعد ضرغام حسن بہت جھنجھلائے ہوئے انداز میں مجھ سے مخاطب ہوا تھا اور میں بے حد چونکتے ہوئے اس کی جانب دیکھنے لگی تھی۔ لمحہ بھر کو میری نگاہ رجا پر ٹھہری تھی اور پھر یکدم میں نے شانے اچکاتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔ شاید یہ پہلا موقع تھا جب میں رجا کے معاملے میں لاتعلق ہوئی تھی۔ رجا نے مجھے دیکھا تھا اور پھر معذرت کرتے ہوئے وہاں سے اٹھ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

شاید مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا مگر میں نہیں جانتی، میں رجا سے اس ایک لمحے میں لاتعلق کیوں ہوئی تھی۔ رات جب میں اپنے کمرے میں تھی تو مجھے اس کا احساس ہوا تھا۔ یقیناً میرے اس طرح کے اقدامات سے وہ مزید اپنے خول میں سمٹ جاتی اور اس گھر میں اور کون تھا جو اس کا خیال کرتا۔ مجھے احساس تھا تبھی میں نے رات اسے راضی کر لیا تھا اور اس سے اگلے دن وہ پکنک پر ہمارے ساتھ تھی۔ میں نے دیکھا تھا ضرغام حسن کی خاموشی بہت سے ان کہے افسانے کہہ رہی تھی۔ اس کی چمکتی آنکھوں کی شمعیں کتنی آب و تاب سے روشن تھیں۔ روشنی کتنی آنکھوں کی ترجمان تھی۔ کتنی آرزوئیں تھیں اس روشنی میں سارا منظر کیسا جادو سا تھا۔ خواب

خواب سا تھا۔ میں جو سمندر کی لہروں پر چلتی ہوئی رجا پر پانی اچھال رہی تھی۔ یکدم چونک سی گئی تھی۔ رجا جو مسکراتی ہوئی میرے اچھالے گئے چھینٹوں سے بچنے کی سعی کر رہی تھی یکدم ایک پرزور لہر کے آ جانے سے اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی تھی اور قریب تھا کہ وہ گرتی ضرغام حسن نے اسے تھام لیا تھا۔ میں جو لمحہ بھر کو ضرغام حسن کی سرعت پر حیران ہوئی تھی دوسرے ہی پل کھلکھلا کر ہنسنے لگی تھی۔

''کم آن ضرغام، رجا کو سوئمنگ آتی ہے۔''

''لہریں پرزور ہوں تو بڑے بڑوں کے قدم اکھڑ جاتے ہیں۔'' ضرغام حسن حد درجہ سنجیدہ تھا۔ رجا کا توازن بحال ہو چکا تھا تبھی وہ سنبھل کر کھڑی ہو چکی تھی اور اس لمحے کسی قدر شرمندہ سی تھی۔ جانے کیوں اس بے حد پراعتماد لڑکی کی نگاہیں اس گھڑی جھکی جھکی سی تھیں۔ ضرغام حسن میری لاپروائی پر مجھے سرزنش کر رہا تھا تبھی ایک کزن کے بلانے پر رجا اس کی جانب بڑھ گئی تھی۔

''تمہیں کیا ہے۔ وہ میری بہن ہے۔'' میں ضرغام حسن کے رویے پر الجھ گئی تھی۔

''تمہاری بہن ہے تو کیا اسے پانی میں ڈبو کر مار دو گی؟'' وہ کسی قدر پُرتحمل انداز میں مسکراتا ہوا معمول پر آ گیا تھا اور میں لب بھینچ گئی تھی۔ تبھی وہ دریافت کرنے لگا تھا۔

''کیا واقعی وہ تمہیں بے حد عزیز ہے؟'' جانے وہ یہ کیوں پوچھ رہا تھا۔ میں نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا پھر دھیمے سے مسکرا دی تھی۔

''تمہیں تکلیف کیا ہے۔ بہن میری ہے تم کیوں مفت کا بخار گلے لے رہے ہو؟''

''تمہاری بہن کیا کسی اور کو عزیز نہیں ہو سکتی؟'' ضرغام مسکراتے ہوئے میری آنکھوں میں جھانکنے لگا تھا میں جہاں چونکی تھی وہیں دوسرے پل مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

''اوں ہوں۔ مجھ سے زیادہ رجا کو کوئی نہیں چاہ سکتا۔'' میں نے باور کرایا تھا اور ضرغام حسن مسکراتے ہوئے نگاہ پھیر گیا تھا۔ وہ کچھ نہیں بولا تھا۔ مگر اس کی خاموشی بول رہی تھی۔ بہت سی وضاحتیں دے رہی تھی اور میں اس گہری چپ میں ابھرتی بہت سی آوازوں کو بغور سن رہی تھی۔

دوپہر کے کھانے کے بعد جب ہم سب ساحل کی ریت پر بیٹھے مختلف قسم کے شغل کر رہے تھے تبھی ضرغام حسن کے کہنے پر میں اسے اپنا ہاتھ دکھانے لگی تھی۔ وہ بہت سی اوٹ پٹانگ فنی قسم کی باتیں کرتا رہا تھا۔ سب کزنز محظوظ ہونے کے ساتھ ہنس رہے تھے۔ میں نے تبھی اپنا ہاتھ کھینچ لیا تھا۔ میرے ساتھ بیٹھی رجا کسی قدرے بے تاثر سی ثنا سے بات کر رہی تھی۔ وہ ہم لوگوں سے قدرے لاتعلق سی تھی۔ جانے کیوں اس لمحے اچانک ضرغام حسن نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ وہ بری طرح چونکی تھی۔ اس لمحے اس کے چہرے پر ناگواری کا بہت گہرا تاثر ابھرا تھا۔ مگر ضرغام حسن اس خفگی سے بے پرواہ بولتا جا رہا تھا۔

''لائف لائن تو تمہاری بڑی کمال کی ہے۔ ویری انٹرسٹنگ۔ تمہاری زندگی کا یہ (Era) تو بہت مین فل ہے کوئی آ رہا ہے تمہاری زندگی میں۔ کوئی بہت خاص بہت میننگ فل پرسن۔'' اس کے لبوں پر بڑی گہری

مسکراہٹ تھی اور سب ہنس رہے تھے اس کے مرچ مسالہ لگانے کی رفتار زیادہ بڑھ گئی تھی۔

''بہت اتھارٹی رکھتا ہے وہ شخص۔لگن اتنی بڑھے گی کہ.....'' وہ مسکراتا ہوا بول رہا تھا۔ جب رجا نے یکدم ہی اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے کھینچ لیا تھا۔

''کیا فضولیات ہے؟'' کسی قدر ناگواری سے وہ بولی تھی۔ پھر ایک لمحے میں وہ اٹھ کر وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔ضرغام حسن کی نظروں نے دور تک اس کا پیچھا کیا تھا اور میں بھی تو کسی قدر حیرت سے اس منظر کو تکتی رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

اس صبح رجا کے جانے کے بعد میں بھی اٹھنے والی تھی جب اماں نے مجھے مطلع کیا تھا۔

''آج کالج جانے کا پروگرام کینسل کر دو۔ میں چاہتی ہوں تم شام تک فریش نظر آؤ۔تمہاری تائی اماں اور تایا ابا شام کی فلائٹ سے یہاں پہنچ رہے ہیں۔ ان کے استقبال کے لیے تمہیں پیش پیش رہنا ہوگا۔'' اماں کی نصیحت خاص پر میں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے انہیں دیکھا تھا۔

''یوں پٹر پٹر مت دیکھو مجھے جو کہہ رہی ہوں پلو سے باندھ لو اور سنو ان کے سامنے ذرا اس بدبخت کو دم چھلا بنائے رکھنے سے باز رہنا۔خود سے زیادہ اس کا ذکر کرتی رہتی ہو۔ جانے کیا جادو کر رکھا ہے اس نے تم پر۔'' اماں ہمیشہ کی طرح خائف نظر آ رہی تھیں اور میں اٹھ کھڑ ہوئی تھی۔

''جا رہی ہوں۔جلد لوٹ آؤں گی۔''

''میں جب کہہ رہی ہوں مت جاؤ تو۔'' اماں اپنی منوانے پر بضد تھیں۔

''بہت اہم کلاس ہے۔کہا تو ہے جلد لوٹ آؤں گی۔'' میں اماں کو واضح طور پر انکار نہیں کرنا چاہتی تھی۔تبھی بولی تھی اور پھر بنا مزید کچھ کہے سنے اٹھ کر باہر نکل آئی تھی۔ پھر کلاسز لیتے ہوئے اماں کی نصیحت خاص میرے دماغ سے نکل گئی تھی اور جب میں حسب معمول تھکی ماندی گھر پہنچی تو اماں کے تیور خاصے خطرناک تھے۔ میں چپکے سے اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔مگر بیڈ پر رجا کو لیٹے دیکھ کر چونک پڑی تھی۔ اول تو وہ مجھ سے قبل گھر نہیں آتی تھی اور اگر ایسا کبھی ہو بھی جاتا تو وہ اس طرح لیٹنے والی ہرگز نہیں تھی تبھی میں یکدم اس کی سمت بڑھی تھی۔

''رجا! کیا ہوا؟'' کہنے کے ساتھ میں نے اس کی پیشانی کو چھوا تھا۔ وہ بری طرح بخار میں جھلس رہی تھی۔ میں نے فوراً اپنا ہاتھ ہٹا لیا تھا اور الٹے قدموں پلٹتی ہوئی فریزر میں آئس کیوبز نکال لائی تھی۔ اس کی پیشانی اور ہاتھوں پر کاٹن پیڈز رکھتے ہوئے میں کسی قدر خفگی سے اسے دیکھ بھی رہی تھی۔

''کب سے ہے یہ حالت؟'' مجھے مطلع نہیں کر سکتی تھی؟'' رجا نے جواباً سرخ سرخ آنکھیں کھول کر بہ مشکل مجھے دیکھا تھا۔ پھر دوبارہ آنکھیں موند گئی تھی۔تب میں اسی قدر جانفشانی سے اس کی پٹیاں کرتی چلی گئی تھی۔ اماں جو کسی قدر فکر مند میرے لیے کھانا لے کر وارد ہوئی تھیں۔ مجھ اس طرح مصروف دیکھ کر ان کی

پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئی تھیں۔

''مسیحائی بعد میں دکھا لینا۔ پہلے کھانا کھا لو۔'' اماں نے ٹرے میز پر رکھتے ہوئے کہا تھا اور میں نے سر ہلا دیا تھا۔ اماں کچھ دیر رک کر مجھے اسی طرح دیکھتی رہی تھیں پھر کمرے سے باہر نکل گئی تھیں۔ میں نے کچھ دیر تک مزید ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھنے کے بعد اس کا ٹمپریچر لیا تھا اور تھرما میٹر دیکھتے ہوئے کسی قدر تسلی محسوس کرتے ہوئے اس عمل کو روک دیا تھا۔

''رجا۔'' جھک کر اس کے چہرے کو اپنے ہاتھ سے چھوا تھا۔ اس نے بہت ہولے سے آنکھیں کھولتے ہوئے مجھے دیکھا تھا۔

''آئی ایم او کے ناؤ۔'' اس کا مدھم لہجہ ابھرا تھا اور میں نے کسی قدر تسلی سے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

☆☆☆☆

صبح سے سہ پہر تک کالج اور پھر آتے ہی رجا کے ساتھ مصروف ہو جانے کے باعث جب میں سوئی تھی تو پھر اماں کے مہمان خاص آنے کی بھی کچھ خبر نہ رہی تھی۔ اٹھی تھی تو پہلی نگاہ وال کلاک پر گئی تھی۔ شب کے نو بج رہے تھے۔ میں نے بیڈ کے دوسری طرف دیکھا تھا۔ رجا نہیں تھی۔ واش روم سے پانی کے گرنے کی آواز آ رہی تھی۔ میں اٹھ کر بیٹھتی ہوئی بال سمیٹ رہی تھی جب وہ ٹاول سے بال رگڑتی ہوئی باہر نکلی تھی۔

''تمہیں مجھ سے پوچھ لینا چاہیے تھا۔ باتھ لینے سے قبل۔''

''گرمی کے بخار میں باتھ لے لینا چاہیے۔''

''ڈاکٹر تم ہو یا میں؟''

''تم ابھی ڈاکٹر بنی نہیں ہو۔'' وہ مسکرائی تھی۔

''بن تو رہی ہوں نا، بن بھی جاؤں گی۔'' میں نے کہا وہ مسکرا دی تھی۔

''دکھاؤ اب بخار تو نہیں ہے۔'' میں نے اس کی کلائی چھوئی تھی۔ باتھ لینے کے باعث فی الحال اسے ٹمپریچر نہیں تھا۔ میں اس کی کلائی چھوڑ کر سائیڈ دراز سے تھرما میٹر نکالتی ہوئی اس کی جانب پلٹی تھی۔

''یہ ہوا کیا اچانک صبح تک تو تم بالکل ٹھیک تھیں۔''

''بیماری پوچھ کر آتی تو تمہیں ضرور مطلع کرتی۔'' وہ قطعاً سنجیدہ نہیں تھی۔

''بخار بذات خود کوئی بیماری نہیں ہے۔ کوئی نہ کوئی ریزن پس پردہ موجود ہوتا ہے۔ کوئی فنکشن ڈسٹرب ہو تو ری ایکشن کے طور پر بخار وارد ہوتا ہے۔''

میں نے تھرما میٹر اس کے منہ میں ٹھونستے ہوئے کہا تھا اور وہ مسکرا دی تھی۔ پھر کم بخار ہونے کے باوجود میں نے اسے ضروری میڈیسن دی تھیں اور پھر قدرے فریش ہو کر باہر نکل آئی تھی۔ مہمانوں سے ملنے سے قبل میں نے کچن میں جا کر باورچی کو رجا کے لیے ہلکی پھلکی ڈشز بنانے کی ہدایت کی تھی اور پھر لیونگ روم میں آ گئی تھی۔ جہاں سب لوگ موجود تھے۔ اماں نے مجھے بہت فخریہ انداز میں تایا ابا اور تائی سے ملوایا تھا۔

''ڈاکٹر بن رہی ہے منال۔'' اماں مسکرا رہی تھیں اور مزید کئی صفتیں گنوا رہی تھیں اور میں کسی قدر شرمندہ سی ضرغام کے پاس آن بیٹھی تھی۔

''تم اتنی شرمندہ کیوں ہو رہی ہو؟'' بیان کردہ تمام صفات تو بہت قابل فخر ہیں۔'' وہ مسکرایا تو میں اسے فقط دیکھ کر رہ گئی۔ شاید وہ مذاق کر رہا تھا۔ مگر میں اس وقت رجا کے متعلق سوچ رہی تھی تبھی ہر سمت سے دانستہ دھیان ہٹا لیا تھا۔ پھر اماں کے خیال سے میں کچھ دیر تک ان سب کے درمیان بیٹھی رہی تھی۔ جب میں اٹھنے لگی تھی تبھی ضرغام گویا ہوا تھا۔

''رجا کہاں ہے؟'' اور میں بنا چونکے اسے دیکھنے لگی تھی۔

''کمرے میں ہے دراصل جب میں کالج سے لوٹی تھی تو اسے ٹمپریچر تھا۔ میں نے دوا دے دی تھی۔ اب پہلے سے بہتر ہے۔''

ضرغام حسن چند ثانیوں تک مجھے دیکھتا رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں تیرتی تفکر کی لکیروں کو تکتے ہوئے میں دوبارہ کمرے میں آ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

محبت کے بعید چھپائے نہیں چھپتے۔ بند لفافوں میں بھی یہ تحریر واضح جھلکتی ہے۔ سو ضرغام حسن کی محبت کا فسانہ بھی مخفی نہ رہ سکا تھا۔ میں جان گئی تھی۔ رجا جان گئی تھی جانے کیوں اس تمام صورت حال پر اپنے اندر دور تک سناٹا پھیلتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔ حالانکہ میرا تو اس سارے قصے سے کوئی واسطہ ہی نہ تھا، پھر کیوں میرے اندر دور تک خاموشیوں کے پہرے بنتے جا رہے تھے۔ اس شام رجا کی سائیڈ ٹیبل پر دھرے سفید ٹیوب روزز کے بکے اور گیٹ ویل سون کے پیغام نے میرے اندر کی ویرانیاں کیوں بڑھا دی تھیں۔ کیوں؟ مجھے یہ سب اچھا نہیں لگا تھا؟ کیوں پہلی بار رجا کو میں نے کسی قدر دوسرے رخ سے دیکھا تھا؟ پہلی بار میرے اندر اس کے لیے کسی قدر ناپسندیدگی نے سر اٹھایا۔ پہلی بار ہاں پہلی بار مجھے اس سے جیلسی فیل ہوئی تھی مگر کیوں؟ پہلے تو اس طرح کبھی نہیں ہوا تھا اور.....

پتا نہیں کیا ہوا تھا۔ مگر میں ان کیفیات کو جان نہ پائی تھی۔

اس شام میں نے پہلی بار رجا سے، اپنی بہن سے گریز پائی برتی تھی۔ پہلی بار میں نے اسے اگنور کیا تھا۔ پہلی بار میں نے اس سے کسی قدر لاتعلق برتی تھی اور کتنے دن تک اسی طرح ہم لیے دیئے انداز میں رہے تھے۔ میں جو پہلے بطور خاص رجا کے لیے وقت نکالتی تھی۔ اب مصروفیات کا بہانہ کر کے پہلو بچانے لگی تھی۔ جانے کیوں میں اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ جانے کیوں میں اس سے بھاگنے لگی تھی۔ کتنے دن اسی الجھن مٹی میں گزر گئے تھے اور اس شام جب میں کتاب کھولے بیٹھی تھی اس نے مجھے آ لیا تھا۔

''منال! میں بہت دنوں سے تمہیں کچھ بتانا چاہ رہی تھی۔''

''کیا؟'' میرا لہجہ بے حد مدھم تھا۔ رجا کچھ دیر تک خاموش رہی تھی پھر بہت آہستگی سے گویا ہوئی تھی۔

''کوئی آ گیا ہے میری زندگی میں، جو مجھے پانے کی لگن رکھتا ہے۔ مجھے اپنی زندگی کرنے کا خواہاں ہے۔'' وہ بات ادھوری چھوڑ کر دھیمے سے مسکرائی تھی۔ ''کتنی عجیب بات ہے نا ابھی کچھ روز قبل ضرغام حسن اوٹ پٹانگ قسم کی پیشن گوئیاں کر رہا تھا اور آج.....''

وہ رک کر اپنی ہتھیلیوں کو بغور تکنے لگی تھی۔

''منال! اس نے مجھے پرپوز کیا ہے۔ اس کا نام سعد رضا ہے۔ اس کا تعلق فیوڈل فیملی سے ہے۔ بظاہر تو سب ٹھیک ہے۔ سعد رضا حد درجہ سنجیدہ ہے میرے لیے لیکن منال مجھے پتا نہیں کیوں فیوڈلز اچھے نہیں لگتے۔ لیکن سعد رضا بہت اچھا ہے۔ مجھے چاہتا ہے۔ انڈر اسٹینڈ کرتا ہے اور بھلا کیا چاہیے۔ ایک لڑکی کی اس سے زیادہ کیا خواہش ہوتی ہے۔ میں ابا سے پہلے تم سے بات کرنا چاہتی تھی۔ دراصل عادت نہیں ہے نا تمہارے بغیر کوئی فیصلہ تنہا کرنے کی اور پھر یہ تو میری زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ ہے۔ تم سے صلاح کیسے نہ لیتی۔'' وہ میرا چہرہ اپنے ہاتھ میں تھام کر مسکرائی تھی اور میں اسے بغور تکتی چلی گئی تھی۔

''سعد اپنی فیملی کو اپنے پیرنٹس کو میرے گھر لانا چاہ رہا ہے۔ تمہارے خیال میں مجھے پاپا سے بات کر لینی چاہیے نا؟'' وہ میری رائے مانگ رہی تھی اور میں جانے کیوں اس سے نظریں ملائے نہ رکھ سکی تھی۔ رجا منتظر نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی اور تب میں آہستگی سے بولی تھی۔

''تم اچھی طرح سے سوچ لو بات زندگی بھر کی ہے۔''

''تبھی تو تم سے مشورہ چاہ رہی ہوں۔'' وہ اسی دوستانہ انداز سے مسکرا رہی تھی اور میرے اندر جانے کیوں ایک خاموشی پھیلتی جا رہی تھی۔

''دل کیا کہتا ہے رجا؟'' میرا لہجہ بے حد مدھم تھا۔

''پتا نہیں سنا ہی نہیں کبھی۔'' وہ مسکرائی تھی۔

''لیکن اب سنو۔'' میری آواز دھیمی تھی۔

''اور وہ جانے کیوں ہنس دی تھی۔

''اچھا کیا ضروری ہے یہ؟''

''ہاں بے حد۔''

''مگر میرے پاس تو کوئی اور چوائس نہیں اور سعد رضا انتہائی معقول بھی ہے۔ اچھا سنو تم تیار رہنا کل میں تمہیں اس سے ملواؤں گی۔ پھر تم بابا سے بھی بات کر لینا۔'' وہ اسی پہلے والے انداز میں مجھ سے مخاطب تھی۔ میں اسے اسی طرح خاموشی سے تکتی جا رہی تھی۔ جب اس نے مجھے تھام کر اپنے ساتھ لگا لیا تھا۔

''میں جب یہاں سے چلی جاؤں گی تو تم مجھے مس تو کرو گی نا؟'' وہ مسکرا رہی تھی اور تب میں کچھ بھی نہ کہہ سکی تھی۔

رات کتنی دیر تک میں اپنے کمرے سے باہر لان میں ٹہلتی رہی تھی۔ ضرغام حسن نے دیکھا تو میرے

پاس چلا آیا تھا۔

''یہ تم کیا اس طرح اختر شماری کر رہی ہو؟'' میں سر اٹھائے تاروں سے بھرے آسمان کو دیکھ رہی تھی جب وہ مسکراتے ہوئے گویا ہوا تھا۔

''تمہارے خیال میں نیند نہ آئے تو کیا کرنا چاہیے؟''

''اوں نیند نہ آنے کے بھی بہت سے جواز ہوتے ہیں لیکن اتنا کنفرم ہے کہ تارے انسان فقط آتش لگنے پر ہی گنتا ہے۔'' وہ مسکرایا تو میں اسے فقط دیکھ کر رہ گئی۔ پھر بہت آہستگی سے دھیان پھیرتے ہوئے بولی۔

''ضرغام تمہارا تجربہ رہا ہے نا؟''

''کیسا تجربہ؟''

''نیند نہ آنے کا۔''

''تو تمہارے خیال میں، میں اور کیا کر رہا ہوں۔ وہ مسکرایا تھا اور میں اس کی چمکتی آنکھوں کی روشنی میں جھنجھلاتے عکس دیکھنے لگی تھی۔ تبھی وہ بہت آہستگی سے گویا ہوا تھا۔

''بڑی عجیب شے ہے یہ محبت بھی لگن جب لگتی ہے تو کسی بھی طرف کا ہوش نہیں رہتا۔ میں تو ان راستوں سے کبھی گزرا ہی نہ تھا۔ کبھی واسطہ ہی نہ تھا اور ان راستوں سے میرا مگر اب لمحوں میں منزلوں کا سفر کیا ہے میں نے۔'' وہ کتنے مدھم لہجے میں بول رہا تھا اور میرے اندر کتنے جھکڑ چل رہے تھے۔

''تم نے کبھی کی ہے محبت؟'' اس نے یکدم مجھ سے دریافت کیا تھا اور میں نے بہت ہولے سے نفی میں سر ہلا دیا تھا اور وہ جانے کیوں مسکرا دیا تھا۔

''جانتی ہو محبت میں مطلوب فرد پر اپنا سب کچھ وار دینے کو دل چاہتا ہے۔ دل چاہتا ہے اس کے لیے سب کچھ کر دیا جائے۔ سب کچھ تج دیا جائے۔ ساری کائنات اس کے قدموں میں ڈھیر کر دی جائے اور جانتی ہو یہ سب بنا کسی غرض کے بنا کسی جوابی کارروائی کی امید سے ہوتا ہے۔ میرا بھی دل چاہتا ہے رجا کے قدموں میں سب کچھ ڈھیر کر دوں۔ اپنا سب کچھ وہ بھی جو میرا ہے اور وہ بھی جو میرا نہیں ہے۔'' کتنا پرتپش تھا اس کا لہجہ، جیسے الاؤ دہکنے لگے تھے میرے چار سو۔ کیسے شراروں کی تپش میں پل میں سارا وجود جلنے لگا تھا۔

''منال! شاید تم نے بھی سنا ہو۔ گھر میں تمہارے اور میرے لیے چہ مگوئیاں ہیں ان دنوں ہم دونوں کے والدین ایسا چاہتے ہیں۔ مگر سنو شاید تم بھی جانتی ہو ایسے تعلقات پائیدار نہیں ہوتے۔ میرے پاس ایک ہی دل تھا جو رجا کا ہو چکا۔ شاید میں تم سے خلوص نہ برت سکوں اور یہ منافقت مجھے خود بھی اچھی نہیں لگے گی۔ میرے پاس تمہارے لیے کچھ نہیں ہوگا۔ منال تمہیں نہیں لگتا اس طرح یہ تعلق بہت بے جان اور کھوکھلا ہوگا اور کھوکھلے بے جان تعلقات زیادہ دور تک اور دیر تک نہیں چل سکتے۔ میں چاہتا ہوں تم رجا کو میرے متعلق کنونس کرو۔ جانے کیوں وہ مجھ سے بہت خائف سی ہے۔ اسے کہو وہ جیسی بھی ہے مجھے قبول ہے۔ جب مجھے کوئی اعتراض نہیں تو پھر کسی اور کو کوئی اعتراض کیوں ہو۔''

وہ شاید کچھ اور بھی کہہ رہا تھا مگر میرے اندر شور اتنا تھا کہ میں اس کی کوئی بھی بات نہ سن پا رہی تھی نہ ہی سمجھ پا رہی تھی۔ میں نے بے دھیانی میں سر اٹھا کر سامنے دیکھا تھا۔ میرے اور رجا کے مشترکہ کمرے کی کھڑکی کھلی تھی اور وہ وہاں کھڑی جانے کب سے ہم دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ میرے دیکھنے پر وہ ہمیشہ کی طرح دوستانہ انداز میں بہت ملامت سے مسکرائی تھی مگر میں کسی بھی طرح کی گرم جوشی کا مظاہرہ نہ کر سکی تھی۔

☆☆☆☆

اور پھر کتنے دن اسی خاموشی سے گزر گئے تھے اور میرے اندر کی ادھیڑ بن کتنی پیچیدہ ہوتی چلی گئی تھی۔ کتنی عجب بات تھی کہ میں بھی اپنے اندر اٹھنے والی فطری نفسیاتی کشمکش سے خود کو بچا نہ سکی تھی۔ میں مانتی ہوں میرے اندر جو بھی ہوا وہ ایک فطری رنگ تھا۔ انسانی نفسیات کے کچھ بھی تو منافی نہ تھا۔ میں ایک نارمل انسان تھی۔ نفرت، محبت، حسد، جلن۔ سب رنگوں کے ذائقوں سے کیسے بچ سکتی تھی۔ میرے اندر جو بھی احساسات ابھرے تھے وہ بے حد غیر متوقع اور حیران کن نہ تھے۔ شاید ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ رجا جسے میں بے حد عزیز رکھتی تھی اور جو مجھے بے حد عزیز جانتی تھی۔ ہم دونوں کے مابین تو قطعاً نہیں۔ کیسے پل میں غافل ہو گئی تھی میں اس سے اور میں چلتی ہوئی بابا کے پاس آ بیٹھی تھی۔ وہ مجھے ضرغام حسن اور میرے رشتے سے متعلق بتا کر میری رائے جاننا چاہ رہے تھے مگر میں نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''بابا! آپ کو شاید علم نہیں رجا۔''

''ہاں مجھے پتا ہے رجا نے مجھے سعد رضا سے ملوایا بھی ہے۔ وہ اپنی فیملی کو بھی لا چکا ہے ہمارے گھر، اچھا لڑکا ہے۔ ہم بہت خوش نصیب ہیں کہ اپنی دونوں بچیوں کے لیے ہمیں ایک ساتھ اچھے رشتے مل گئے۔ ورنہ تو یہ کام جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔'' بابا بہت مطمئن اور خوش تھے اور میں سر جھکا گئی تھی۔

''بابا! میں ضرغام سے شادی نہیں کر سکتی۔'' بہت ہولے سے میں گویا ہوئی تھی۔

''کیوں؟'' بابا چونکے تھے۔

''کیوں کہ..... کیوں کہ..... میں ایسا نہیں چاہتی کیونکہ ضرغام حسن ایسا نہیں چاہتا اور..... کیونکہ..... بابا شاید آپ کو علم نہیں، ضرغام حسن رجا میں انٹرسٹڈ ہے اور رجا وہ فقط اماں کے خوف کے باعث اتنی جلدی سعد رضا سے تعلق جوڑنے جا رہی ہے لیکن پاپا مجھے کسی طرح کا کوئی خوف نہیں ہے۔ میں اپنی زندگی کے فیصلے کرنے میں کسی حد تک خود کو آزاد سمجھتی ہوں۔ یہ میرا حق ہے اور میرا فیصلہ ضرغام حسن کے حق میں قطعاً نہیں ہے۔ آپ تایا ابا اور تائی اماں کو مطلع کر دیجیے۔'' میں کتنے سمندروں کو اپنے اندر ضم کرنے کی کوشش کرتی وہاں سے اٹھی تھی اور باہر نکل آئی تھی اور پھر کتنی دیر تک میں رجا کے شانے پر سر رکھے چپ چاپ آنسو بہاتی رہی تھی۔ اس نے مجھ سے کوئی جواز نہیں چاہا تھا۔ کچھ دریافت نہیں کیا تھا۔ بس چپ چاپ میری پشت کو سہلاتی رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

اور میں فرشتہ تو قطعاً نہیں تھی۔ غلطیاں انسانوں سے ہوتی ہیں۔ میں مانتی ہوں میں بھی ایک لمحے کی

خودغرضی میں مبتلا ہو گئی تھی۔ مگر یہ لمحہ بہت قوی تھا۔ ایسا ہوتا ہے کبھی کبھی ایک لمحے کی غفلت پوری زندگی کے ابواب کے مفہوم بدلتی چلی جاتی ہے اور چاہے اب میں نے ازالہ کرنے کی ٹھان لی تی مگر وہ ایک لمحہ اب ہاتھ کی گرفت سے نکل گیا تھا۔

بابا شاید اماں کے بے حد دباؤ میں تھے تبھی وہ جس منصب پر فائز تھے اسے واجب طور پر ادا نہ کر سکے تھے۔

رجا کی شادی کی تاریخ ٹھہر گئی تھی اور مجھے لگا تھا جیسے چار سو ایک سناٹا پھیلتا چلا گیا تھا۔

ضرغام حسن واپس لوٹ گیا تھا۔ تائی اماں اور تایا ابا بھی جانے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ بابا کے کہنے پر رجا کی شادی میں شرکت کے لیے رک گئے تھے میں نہیں جانتی اس سارے قصے میں میرا قصور کہاں تک تھا مگر میرے اندر دور تک پھیلتی اضطرابی مجھے چین نہیں لینے دے رہی تھی۔ میں نے بابا کو دیکھا تھا وہ کسی قدر شرمندہ نظر آ رہے تھے۔ سعد رضا بہت سادگی سے شادی چاہتا تھا اور یہاں سے بھی اتنی دھوم دھام کرنے والا کون تھا۔ بابا نے توفیق کے مطابق انتظامات کیے تھے اور میں اس تمام صورت حال سے آنکھیں بند کر کے کہیں دور نکل جانا چاہتی تھی۔ اس گھڑی رجا کی ہتھیلیوں پر مہندی رچتے دیکھ رہی تھی اور اس گھڑی میں خود کو اماں، بے جی اور بابا کی صف میں کھڑا محسوس کر رہی تھی۔ ان لوگوں سے اسے کبھی کوئی فائدہ نہیں پہنچا تھا۔ بابا کسی حد تک خیر خواہ تھے مگر زندگی کے اہم ترین عمل میں بابا اپنے حصے کی منصفی نہ دکھا سکے تھے۔ میں خود کو اماں اور بے جی سے بھی کہیں بڑا مجرم محسوس کر رہی تھی۔ ان لوگوں نے تو فقط سدا اس کے احساسات کو ہرٹ کیا تھا۔ میں نے تو دانستہ اس کے دل کو ہرٹ کیا تھا۔ اس کی پوری زندگی کا مفہوم بدل دیا تھا میں سدا سے اس کی خیر خواہ رہی تھی۔ اس کی سنگی ساتھی رہی تھی مگر فقط ایک لمحے میں کیسے میں نے اس کی زندگی کو اندھیروں میں دھکیل دیا تھا۔

میں اپنے طور پر یہی سمجھ رہی تھی کہ میں واحد بہن تھی جو اس کے حق میں اسٹینڈ لے سکتی تھی۔ اسے بھرپور انداز میں ڈی فنڈ کر سکتی تھی۔ اس کے لیے لڑ سکتی تھی مگر میرے اندر نے میرے سارے احساسات پر غلبہ پا لیا اور میں اس سے اجنبی ہوتی چلی گئی تھی۔

اگر ان لمحوں میں، میں اس کے قریب رہتی تو شاید آج صورت حال ایسی نہ ہوتی اور مجھے جانے کیوں کچھ اور نہ سوجھ رہا تھا۔ کچھ اور نظر نہ آ رہا تھا۔ نہ اپنے اندر پھیلتی ویرانی، نہ وہ سینے میں اٹھتی دھکن، نہ اپنے رو کیے جانے کا ماتم، کچھ بھی نہیں، دل کو اپنے ہاتھوں سے اپنی مٹھی میں دباتے ہوئے بہت سے کومل کومل جذبوں کو کچلتے ہوئے بہت سے خوابوں کو تھپک کر سلاتے ہوئے کہیں بھی مجھے اپنا آپ نظر نہ آ رہا تھا۔ مجھے فقط یہ بات مار رہی تھی کہ رجا نے میری خاطر اتنا بڑا اسٹیپ لے لیا اور میں خودغرضی کی آگ میں جھلس گئی۔

مجھے رجا بہت بلند نظر آ رہی تھی اور اپنا آپ بے حد پست لگ رہا تھا۔ کیا فرق تھا مجھ میں اور دیگر لوگوں میں۔ کیا مختلف کیا تھا میں نے ان لوگوں سے؟ کس قدر ملال تھا مجھے مگر اب جیسے سب بے سود تھا۔

میں رجا سے نظر نہ ملا پا رہی تھی۔ جس شام اس کی رخصتی تھی۔ میں اس کا سامنا نہیں کرنا چاہ رہی تھی مگر وہ دلہن بنی میرے سامنے آن رکی تھی۔ میں نے اسے دیکھا تو نگاہ چرا گئی تھی۔

رجا نے میرے ہاتھ تھام لیے تھے پھر اس قدر اپنائیت سے مسکرا دی تھی۔

''اے منال کیا میں بہت خوفناک لگ رہی ہوں جو تم مجھ سے ڈر کر اتنی دور بھاگ رہی ہو؟'' وہ مسکرا رہی تھی مگر اس کے مزاح کا رنگ بہت پھیکا تھا۔ میں نے اسے نگاہ اٹھا کر ایک نظر دیکھا تھا اور پھر چہرہ پھیر لینا چاہا تھا۔ جب اس نے ہاتھ سے میرا چہرہ اپنی جانب موڑ لیا تھا۔

''اوہ ہوں! کیوں بھاگ رہی ہو ہر طرف سے۔'' اس کے دھیمے لہجے پر کتنے سمندر میری آنکھوں میں آن رکے تھے اور میں ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے تکتی چلی گئی تھی۔

''سب کچھ بہت غیر اہم اور غیر ثانوی ہے منال۔ تمہارے اور میرے حوالے سے یہ سب کچھ بہت بے معنی ہے۔ تم کیوں خواہ مخواہ اتنا برڈن لے رہی ہو۔'' اس کے دھیمے لہجے پر کتنی آہستگی سے میری پلکوں پر ٹھہرے سمندر رستہ پا گئے تھے اور میں سسک کر اس کے ساتھ لگ گئی تھی۔

''منال! ڈونٹ بی اسٹوپڈ۔ کتنا خوشی کا موقع ہے اور تو۔''

''کچھ مت کہو رجا میں تمہاری مجرم ہوں۔ جو کچھ ہوا میری وجہ سے ہوا۔ آج میں بھی باقی دیگر لوگوں کی صف میں شامل ہو گئی۔ میں نے تمہارے خواب مسمار کر دیئے۔''

''اوں ہوں۔'' رجا نے مجھے بولنے سے باز رکھا تھا۔

''مجھے کہنے دو رجا، میں بھی خود غرض ہو گئی۔ تمہیں تنہا کر دیا۔''

''تم نے کچھ نہیں کیا منال تم نے قطعاً کچھ نہیں کیا۔ خود کو فرشتہ مت بناؤ۔ انسان بنو۔ یہ سب زندگی کا حصہ ہے۔ تم بھی ایک عام سی لڑکی ہو، دل رکھتی ہو، احساسات رکھتی ہو، جذبات رکھتی ہو، کیا عجب ہے کہ تم بھی مبتلا نہ ہو جاتیں تم خواہ مخواہ خود کو مجرم سمجھ رہی ہو۔ ضرغام کے لیے میرے دل میں کبھی کچھ نہیں رہا۔''

''تم جھوٹ بول رہی ہو۔ اپنے اندر کی نفی کر رہی ہو۔'' میں نے ایک پل میں اسے جھٹلا دیا تھا۔

''وہ چپ ہو کر چند ثانیوں تک مجھے دیکھتی رہی تھی۔ پھر نفی میں سر ہلاتی ہوئی دھیان پھیر گئی تھی۔

''نہیں منال ایسا نہیں ہے۔'' اس کا مدھم لہجہ اس کے اندر کی نفی کر رہا تھا۔ میں نے بغور اسے دیکھا تھا۔

''تم نے کیوں ایسا کیا رجا؟'' میں نے دھیمے لہجے میں کہتے ہوئے اسے دیکھا تھا اور وہ یکدم ہنس دی تھی۔

''جانے دو نا دیکھو اتنا اچھا موقع ہے۔ تم نے تو میرے ہاتھوں پر مہندی تک نہیں لگائی۔ سعد رضا سے کوئی مذاق نہیں کیا، کوئی شرارت نہیں کی۔ اپنے حصے کا نیگ نہیں لوگی کیا۔ اچھے خاصے مالدار ہیں موصوف۔ شکایت کر رہے تھے کیسی ہے میری سالی نظر تک نہیں آئی۔'' وہ ان تمام باتوں کو بھول کر کوئی اور ہی کتھا کہہ رہی تھی اور میں جانے کیوں ساکت سی اسے تکتی جا رہی تھی۔

''اپنا خیال رکھنا۔'' پلٹتے سمے اس نے میری پیشانی پر پیار کیا تھا اور میں بہت سی بارش کی آواز اپنے

اندر سے اٹھتی سن رہی تھی۔ متواتر کہیں پانی گر رہا تھا۔ بہت سا پانی۔ رجا چلی گئی تھی۔ ضرغام حسن چلا گیا تھا۔

مگر میں جیسے ان ہی رکے تھمے منظروں میں قید ہو گئی تھی۔ ہر بات کا جیسے مفہوم بدل گیا تھا مگر ایک پچھتاوا اب بھی دامن گیر دیکھتی ہوں۔

رجا جاتے سمے وضاحت دے گئی تھی مگر میں جانتی ہوں کچھ بھی سچ نہ تھا۔ اس کی آنکھیں اس کے سب لفظوں کی نفی کر رہی تھیں مگر پھر بھی وہ جانے کیوں جھوٹ بولنے پر بضد تھی۔

شاید میری تسلی کے لیے..... وہ شاید میرے پچھتاوے کے احساس کو کسی طور دھونا چاہتی تھی۔ محبت کرتی تھی نا مجھ سے اور میں ہاں میں نے تبھی تو اپنا سب کچھ تج دیا۔ دل کو مٹھی میں بھینچ کر مسل ڈالا، گو حاصل کچھ نہ ہوا۔

شاید محبت واقعی بہت عجیب شے ہے۔
اضطراب میں مضمحل۔
بے چینی میں سوا
مگر اسی قدر دقیق اور پیچیدہ!

میں تیرا خالی کمرہ ہوں

بنا سوچے سمجھے بولنے والے لوگ بھی ہوتے ہیں۔ میں نے سن رکھا تھا ایسے لوگ دل کے کسی قدر سچے ہوتے ہیں جو کچھ ان کے دل میں ہوتا ہے وہی زبان پر بھی ہوتا ہے۔ مگر میں اس قیاس سے متعلق کچھ خاص زاویۂ نظر وضع نہ کر پائی تھی۔ سچ بات تو یہ تھی کہ مجھے علی حمزہ کی یہ عادت قطعاً پسند نہ تھی اور اسے ہضم کرنا میرے لیے کسی قدر مشکل بھی تھا۔ مگر وہ کہتے ہیں نا گلے پڑا ڈھول بجانا پڑتا ہے، سو مجھے بھی علی حمزہ صاحب کو ہر طور برداشت کرنا تھا، اب چاہے وہ کتنا بھی نامعقول اور منہ پھٹ سہی۔

خیر اتنے بھی اسٹوپڈ نہیں محترم۔ یوں تو اچھے خاصے ہیں مگر موصوف جب گفتگو فرماتے ہیں تو روانی میں قطعاً بھول جاتے ہیں کہ وہ ایک لڑکی کی ''بیٹھک'' میں بیٹھے ہیں اور اس لمحہ کتنا خجل سا کر دیتی ہیں موصوف کی باتیں۔

سچ لاکھ بولڈ ہونے کا دعویٰ سہی، پر اعتمادی اپنی جگہ مگر اب کوئی اتنی احمقانہ گفتگو سن کر پٹر پٹر ان کی طرف دیکھنے سے تو رہا..... جتنے بے تکلفانہ انداز میں وہ نان اسٹاپ گفتگو فرماتے ہیں اور جن موضوعات پر بولتے ہیں، وہ فقط انہی کا خاصہ ہے اور میں نہ چاہتے ہوئے بھی سننے پر جیسے مامور ہوتی ہوں۔

اب بھی جب وہ اپنے ایک تازہ ترین افیئر کے متعلق گل افشانیاں کر رہا تھا تو اس کا انداز کتنا سرسری تھا اور میرا دل اپنا سر پیٹ لینے کو چاہا تھا مگر اس کے باوجود میں مکمل ضبط قائم رکھے اس کے سامنے سر جھکائے بیٹھی رہی تھی۔ دراصل میں جانتی تھی میرے علاوہ اسے کوئی اور سننے کو تیار نہ ہوگا۔ بیچارے نے میرے علاوہ کسی کو بھی دوست بنایا ہی نہیں۔ اکلوتی واحد ہستی میں ہوں جو اس کے سکھ دکھ کی بچپن سے ساتھی ہوں اور میں اس کا دل نہیں توڑنا چاہتی تھی۔ سو ایک لمبے عرصے سے اسے برداشت کر رہی تھی۔ وہ بچپن سے ہی اپنی ہر بات مجھ سے شیئر کرنے کا عادی تھا۔

''تبو! آج تم اسکول نہیں آئیں۔ جانتی ہو وہ موٹے شیشے کی عینک لگانے اور انتہائی غصے سے گھورنے والی ٹیچر مارگریٹا نے مجھے اس انتہائی اسٹوپڈ اور ڈفرسی نظر آنے والی تانیہ کے ساتھ بٹھا دیا۔ سچ اتنی

پور مائنڈڈ ہے وہ..... اور اس کی مسلسل بہتی ناک۔'' اس نے ابکائی لی۔ ''اور اس پر مستزاد اس نے اپنا وہ رومال اچانک ہی میرے ہاتھ میں تھما دیا۔ میں یکدم اس سے الرجک ہو کر چھینکا۔ تبو! طے ہے کہ تم آئندہ کبھی چھٹی نہیں کرو گی اور اگر کرنا ہوگی تو مجھے پہلے سے مطلع کرو گی۔ مجھے آئندہ ہرگز اس بہتی ہوئی ناک والی لڑکی کے ساتھ نہیں بیٹھنا اور وہ موٹا یاسر تھا نا، اس کی ٹانگ باسکٹ بال کھیلتے ہوئے آج بالآخر ٹوٹ گئی، بڑا ہیرو بنتا تھا۔ کیسے آگے پیچھے پھرتا تھا اسکول کی موسٹ وانٹڈ گرل نتاشا کے اردگرد..... اب کم از کم کچھ دن کی تو چھٹی ہو گئی اس کی۔ اور وہ ماہم تھی نا، اس کی ماما لندن سے واپس آ گئی ہیں۔ یہ اتنے پریزنٹ لائی ہیں اس کے لیے، اتنے اچھے ٹیڈی بیئرز۔''

بچپن میں ہی کتنا بے تکان بولتا تھا وہ۔ مجھے یاد تھا جب اس کی ماما پاپا میں سیریشن ہوگ ئی تھی تو وہ کتنے دن تک اداس اداس رہا تھا۔ کتنے دن تک تو مجھ سے بھی ملنے نہیں آیا تھا اور جب میں اس سے ملنے اس کے گھر گئی تھی تو وہ اندھیرے کمرے میں تنہا بیٹھا تھا۔ میں نے اندر قدم دھرا تو وہ اٹھ کر بے ساختہ بھاگتا ہوا میرے پاس آیا تھا اور میرے شانے پر سر رکھ کر رونے لگا تھا۔

''تبو! دیکھو نا کیا ہوگا۔ ماما مجھے چھوڑ کر چلی گئیں۔ اب وہ سخت گیر چہرے والی ایڈونیا میری دیکھ بھال کرتی ہے..... مجھے قطعاً اچھی نہیں لگتی۔ وہ ماما جیسا بریک فاسٹ بھی تیار نہیں کرتی، مجھے ویسا لنچ باکس بھی بنا کر نہیں دیتی اور تم ماما کو سمجھاؤ نا..... تم اپنے ماما، پاپا سے کہو نا..... کتنی بات مانتے ہیں وہ ان کی۔ ان سے کہو وہ پاپا کو قائل کریں کہ وہ ماما کو واپس لے آئیں۔ ان کے بغیر کچھ بھی اچھا نہیں لگتا۔ دیکھو کتنا اندھیرا ہے میرے کمرے میں۔ ایسا ہی اندھیرا، بالکل ایسا ہی اندھیرا میرے اندر بھی ہے۔ تبو! میری مدد کرو۔'' کتنی التجا تھی اس کے لہجے میں مگر میں تب چاہتے ہوئے بھی کچھ نہ کر سکی تھی اور پھر جب اس کے پاپا اس کے لیے ماما بیاہ کر گھر لائے تھے تو وہ کتنے دن تک ہمارے گھر دبک کر بیٹھا رہا تھا۔

''علی! چلو، گھر چلو۔'' انکل نے کسی قدر سختی سے ڈپٹا تھا مگر پاپا نے انہیں روک دیا تھا۔

''بات تو ایک ہی ہے یار۔ ایک ہی گھر ہے، علی یہاں رہے یا وہاں۔ ابھی کچھ دن تک رہنے دو، ذرا موقع دو اسے، بچہ ہے نا..... ایسا قبول نہیں کر پا رہا۔ ذہنی طور پر ڈسٹرب ہونا فطری بات ہے۔''

''ہاں بھائی صاحب ہم خود چھوڑ آئیں گے، یہ گھر غیر تو نہیں۔'' ماما نے بھی اس کی طرف داری کی تھی اور انکل واپس چلے گئے تھے۔ ماما، پاپا اور میں کتنے دن تک اس کی دل جوئی کرتے رہے تھے۔ پھر وہ ایک دن واپس اپنے گھر چلا گیا تھا، مگر اب وہ بہت بدل گیا تھا۔ خود کو بہت بڑا پوز کرنے لگا تھا۔

''میں سپر مین کی طرح بریو ہوں۔ اسپائڈر مین کی طرح فائٹ کر سکتا ہوں۔ پتہ ہے اب مجھے ڈر نہیں لگتا، مجھے اندھیرے سے خوف بھی نہیں آتا۔ ایڈونیا جب مجھے اچھا لنچ باکس تیار کر کے نہیں دیتی ہے تو میں اسے بھی ڈپٹ دیتا ہوں اور وہ پاپا کی نئی وائف..... میں اس سے بھی نہیں ڈرتا۔ میں تو بہت بہادر ہیں، دیکھو میرے

مسلز کتنے اچھے ہیں۔ میری فزیک کتنی اچھی ہو رہی ہے، میں بہت سا کھاتا ہوں نا اب، مجھے بہت جلدی سے بڑا ہونا ہے اور پھر ماما کو واپس اس گھر میں لانا ہے۔ مجھے ماما کی جگہ لینے والی وہ پاپا کی نئی وائف اچھی نہیں لگتیں..... تم میرے گھر آؤ تو تم بھی ان سے مت ملنا۔ تبو! سنو تم ماما کو واپس اس گھر میں لانے کے لیے میری ہیلپ کرو گی نا؟''

اور تب میری سمجھ میں قطعاً نہیں آتا تھا کہ کیسے اسے سمجھاؤں کہ ایک تعلق ٹوٹ جانے کے بعد دوبارہ نہیں جڑتا اور اس کی ماما بھی اس گھر میں اب واپس نہیں آسکتی تھیں۔ مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ، سن شعور تک پہنچنے تک وہ بہت سی حقیقتوں سے آشنا ہو چکا تھا اور بہت سی حقیقتوں کو قبول بھی کر چکا تھا مگر بہت سی باتیں اب بھی ایسی تھیں جنہیں وہ قبول کرنے کو تیار نہ تھا۔ انہی میں ایک اس کا اپنی اسٹیپ مدر سے رشتہ تھا۔ وہ جان گیا تھا وہ دوبارہ اپنی ماما کو اس گھر میں واپس نہیں لا سکتا، سو اس نے خود اس گھر کو خیر باد کہہ دیا تھا۔ انکل اور اس کے درمیان بھی ایک وسیع خلیج حائل ہونے لگی تھی اور ایسے میں جب اس نے ان کے گھر کو چھوڑ کر ایک الگ اپارٹمنٹ میں جائے پناہ ڈھونڈی تھی، وہ فاصلے مزید صدیوں میں پر محیط ہو گئے تھے۔ سرد مہریاں پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی تھیں۔

ہاں مجھ پر اس کا اعتماد اب بھی ویسا ہی تھا۔

''تم پہلے دن سے اب تک میرے لیے اتنی ہی مخلص ہو تبھی تو مجھے اس قدر عزیز ہو۔'' وہ مسکراتا ہوا میری سمت دیکھتا تو میں اسے فقط دیکھ کر رہ جاتی۔ میرا اس سے کوئی رشتہ نہیں تھا۔ میرے پیرنٹس اور اس کے پیرنٹس میں اچھے تعلقات تھے اور اسی باعث ہمارا تعلق مضبوط ترین ہوتا چلا گیا تھا مگر شاید یہ تعلق بہت سے رشتوں سے زیادہ معتبر اور قابل یقین تھا۔ جو بھی تھا مجھے وہ کسی قدر عزیز تو تھا۔ بنیادی بات یہ تھی کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو انڈر اسٹینڈ کرتے تھے، تبھی تو وہ ہر بات بلا دھڑک مجھ سے کہہ دیا کرتا تھا۔ حتیٰ کہ جونیئر کیمرج میں اسے اس نیلی آنکھوں والی نتاشا نے پہلی بار کرش کیا تھا تو تب بھی اس نے یہ بات مجھ سے شیئر کی تھی اور جب سائرہ حق نے سینئر کیمرج میں اس کے دل کو ہلا کر رکھ دیا تھا تو تب بھی اس نے یہ بات سب سے پہلے مجھے ہی بتائی تھی اور پھر اس کے بعد کے سارے، قصے دوستوں کے مابین ہونے والی بحث، تکرار، چھوٹی چھوٹی باتیں، روز مرہ کے واقعات، ایسی کوئی بات نہیں تھی جو وہ مجھ سے شیئر نہ کرتا ہو۔ سچ تو یہ تھا کہ جب تک وہ سارے دن کی روداد میرے گوش گزار نہ کر لیتا، اسے کھانا بھی ہضم نہ ہوتا تھا۔

تعلیمی میدان میں ایک سطح تک تو ہم ساتھ ہی رہے تھے مگر پھر اپنے اپنے انٹرسٹ کے مطابق ہم دونوں نے الگ الگ راہیں اپنا لی تھیں۔ میں بی ایس کی طرف آ گئی تھی اور وہ گرین وچ کی طرف نکل گیا تھا مگر اس کے باوجود بھی وہ رشتہ دوستی ٹوٹا نہ تھا۔ دونوں الگ الگ سمتوں میں چلنے کے باوجود ایک دوسرے کے اسی قدر قریب تھے۔

اس روز وہ آیا تو بہت حد تک ڈپریس نظر آ رہا تھا۔ میں اگرچہ سمسٹر ایگزیم کی تیاری میں مصروف تھی مگر اس کی آنکھوں کی ویرانیاں دیکھ کر اسے نظرانداز نہ کر سکی۔ میں نے پوچھا تو جیسے وہ منتظر تھا۔

''اتباع حق! ساری دنیا اتنی خودغرض کیوں ہے؟ وہ دوست جو کل تک میرا دم بھرتا تھا، آج چھوٹی سی بات پر نظریں پھیر گیا۔ وہ سمجھتا ہے میں نے اس کی منظور نظر لڑکی پر بے جا التفات کر کے اسے اپنی جانب مائل کر لیا ہے جبکہ ردا سے میرا تعلق بڑا واجبی سا ہے۔ میں نے اسے وضاحت دینے کی کوشش بھی کی مگر وہ سمجھتا ہی نہیں۔ اور تبو! یہ سب مجھے ہی کیوں سمجھ نہیں پاتے۔'' وہ شاید بہت ہرٹ ہوا تھا۔ بات گو بہت معمولی سی تھی مگر بعض اوقات جو باتیں ہمارے لیے بہت معمولی ہوتی ہیں وہ کسی کے لیے بہت زیادہ خاص نوعیت کا درجہ رکھتی ہیں اور خواہ میرے لیے یہ بات کسی قدر سرسری اور بے معنی تھی مگر مجھے اس کے اس درجہ ہرٹ ہونے کا افسوس ضرور ہوا تھا۔

''علی حمزہ! تمہارا مسئلہ یہ ہے کہ تم بہت زیادہ حساس ہو اور ایسے لوگوں کے لیے بہت سی معمولی باتیں بھی پرابلم بن جاتی ہیں۔ خود کو بدلو، مانتی ہوں فوری طور پر یہ تمہارے لیے مشکل ہوگا مگر یہ ناممکن نہیں ہے۔ تم ایسا کر سکتے ہو۔'' میں نے اسے آہستگی سے سمجھایا تھا اور وہ بڑی سعادت مندی سے سر ہلانے لگا تھا اور تب اس لمحے جانے کیسے مجھے ہنسی آ گئی تھی۔ وہ چونکتے ہوئے سر اٹھا کر مجھے دیکھنے لگا تھا اور میں اس کے موڈ کا خیال کر کے فوراً لب بھینچ گئی تھی، ساتھ ہی دھیان بھی پھیر لیا تھا۔

''کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں۔'' میں نے رخ پھیرے پھیرے سر نفی میں ہلایا تھا مگر مسکراہٹ پھر میرے لبوں پر آ گئی تھی اور تبھی میں اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

''تم نے مجھے بالکل دادی اماں بنا دیا ہے۔ تمہیں نادر و نایاب قسم کے مشورے دیتی اور تمہارے مسائل کا حل تلاشتی ایک لمحے کو میں خود کو بہت بڈھی لگی تھی تبھی.....'' اور اس کے ساتھ ہی جہاں میں مسکرائی تھی اس کے لبوں پر بھی مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔

''تم تنہا ہی میرے لیے سب کچھ ہو۔'' وہ بہت ہولے سے مسکراتے ہوئے میری جانب دیکھ رہا تھا اور میں مسکرا دی تھی۔ تبھی وہ بولا تھا۔

''کہیں باہر چلیں۔'' دیکھو باہر ہلکی ہلکی بوندا باندی بھی ہو رہی ہے۔ تمہارا فیورٹ موسم ہے۔'' اس نے کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے کہا تھا اور اگرچہ میں اس گھڑی کہیں جانا نہیں چاہتی تھی مگر اس کے موڈ کے خیال سے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

ایک دن وہ بے حد مسرور لگ رہا تھا۔ میں نے اسے بغور دیکھا تھا پھر مسکرا دی تھی۔

''کوئی نیا قصہ؟'' میرا قیاس شاید غلط تھا، وہ نفی میں سر ہلانے لگا تھا۔

''نہیں..... وہ سب سے ہٹ کر ہے۔ سب سے الگ..... سچ تو یہ ہے کہ اس نے علی حمزہ کو مار دیا ہے۔'' وہ مکمل دیوانگی کے زیر تھا اور میں جو اس سے قبل بھی، اس کے کئی قصے کہانیاں سن چکی تھی کسی قدر حیرت سے اسے دیکھنے لگی تھی اور وہ مجھے دیکھتے ہوئے گویا ہوا تھا۔

''ہاں اتباع حق! بہت پہلے والے تمام معاملات سے ہٹ کر ہے۔ پہلے تو سب آتے جاتے موسم تھے، زمانہ تو یہ ہے۔''

میں یکدم ہنستی چلی گئی تھی۔ ''علی حمزہ، تم مرد تو ہمیشہ ایسے ہی بودے جملوں کا سہارا لیتے ہو۔ ایک تسلسل سے محبتیں کرنے کا سفر جاری رکھتے ہوئے اور پھر یکدم اس سارے تسلسل کو حرف باطل قرار دیتے ہو۔'' علی حمزہ نے مجھے دیکھا تھا۔ پھر یکدم نفی میں سر ہلانے لگا تھا۔

''نہیں تبو، تم جانتی ہو مجھے ان سب سے محبت قطعاً نہ تھی۔ شاید میں کرش ہوا تھا اور.....''

''اور اب.....؟'' میں مسکرائی تھی۔ وہ جواباً میرا طرف دیکھنے لگا تھا۔

''مجھے نہیں معلوم۔ لیکن کچھ مختلف ہے۔'' اس کا دھیما لہجہ کھویا کھویا سا تھا اور میں اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''تبو! وہ بہت خوب صورت ہے مگر تم سے ذرا کم۔'' وہ یکدم ہنسا تو میں بھی مسکرا دی۔ تبھی وہ بولا۔

''تمہیں ملواؤں گا اس سے۔'' اور میں جواباً کچھ نہیں بولی تھی۔ تبھی عریشہ کافی لے کر آ گئی تھی اور وہ کافی سے لطف اندوز ہونے لگا تھا۔ مگر اس کا انداز آج بہت مختلف تھا، بہت مسرور، شادمان اور میں اس کے اس انداز پر کسی قدر مطمئن تھی۔ وہ یقیناً خوش تھا اور اس کی خوشی مجھے خوش کر رہی تھی۔ مجھے یہ سب اچھا لگ رہا تھا۔ یہ موسم جو میرا پسندیدہ تھا اب اور بھی دلکش لگنے لگا تھا۔ تبھی میں نے اس کی سمت دیکھا تھا۔

''کہاں ٹریٹ دو گے آج؟''

''جہاں تم کہو۔'' وہ جیسے وجد میں تھا۔

''کیا ہوا؟ کیا آج علی حمزہ کے ہاتھ کوئی قارون کا خزانہ لگ گیا ہے؟'' عریشہ کسی قدر حیران کن انداز میں اسے دیکھ رہی تھی اور وہ ہنس پڑا تھا۔

''ہاں یہی سمجھ لو۔''

اور پھر اس سے قبل کہ علی حمزہ مجھے اس دلفریب پیکر سے ملواتا جس نے اس کے دل کا قرار چھین لیا تھا اور جس نے اس کی آنکھوں کی نیند چرا لی تھی۔ اس سے قبل ہی مجھے عریشہ اور ماما سمیت اسلام آباد جانا پڑ گیا تھا۔ دراصل میری قریبی کزن کی شادی تھی اور شرکت کرنا ضروری بھی تھا۔ پھر میں بھی فارغ تھی، سمیسٹرز ایگزیم کے بعد چھٹیوں کا وقفہ تھا۔ میں اسلام آباد آئی تو علی حمزہ سے تفصیلاً بات نہ ہو سکی۔ دراصل ہمارا ننھیال اتنا بڑا ہے کہ روز کہیں نہ کہیں آنے جانے کا سلسلہ رہتا تھا، ملنا ملانا رہتا تھا۔ اتنے ڈھیروں کزنز تھے اور ایسے میں فرصت کے لمحات نہ ہونے کے برابر تھے۔ پھر بھی جب بھی علی حمزہ کا فون آتا تھا، میں بات ضرور کرتی تھی۔ جب سے میں

یہاں تھی وہ کوئی بیسویں بار ایک ہی میسج میرے پرسنل سیل پر ایس ایم ایس کر چکا تھا۔ ''آئی ایم مسنگ یو۔''

ایک مہینہ اسلام آباد گزار کر میں کراچی واپس پہنچی تو وہ کس قدر بے تابی سے میرا منتظر تھا۔

''چلو شاباش فٹافٹ تیار ہو جاؤ۔'' اور میں جو بہت تھکی ہوئی تھی اور نیند پوری کرنا چاہتی تھی، کسی قدر حیرت سے اس کی سمت تکنے لگی تھی۔

''کہاں جانا ہے؟''

''تمہیں زارا نواز سے ملانا ہے۔ ہری اپ، وہ منتظر ہو گی ہماری۔'' وہ بضد تھا۔

''اوہ مائے گاڈ..... علی تمہیں کس نے کہا تھا آج کے لیے اسے کہنے کو؟''

''تم نے.....'' وہ ہنس دیا۔ ''تم نے کہا تو تھا واپس لوٹو گی تو ہم زارا نواز سے ملنے چلیں گے۔'' اس کا انداز کسی قدر سرسری تھا اور میرا دل اپنا سر پیٹ لینے کو چاہا تھا مگر اب اس کے ساتھ جانے کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ بھی نہ تھا، تبھی میں نے اس کی جانب دیکھا تھا۔

''ٹھیک ہے، تم چلو میں تیار ہو کر آتی ہوں۔'' میں نے کہا تو وہ سر ہلاتا ہوا باہر نکل گیا تھا اور میں مختصر سی تیاری کے بعد اس کے ساتھ چل پڑی تھی۔ علی نے شنگریلا میں ٹیبل پہلے سے بک کرا رکھی تھی اور زارا نواز ہماری منتظر تھی۔ میں نے اسے دیکھا تو علی حمزہ کی چوائس کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکی تھی۔

''آئی نو۔ تم اس کی بیسٹ فرینڈ ہو اور تمہاری مرضی کے بغیر یہ ایک انچ بھی یہاں سے وہاں نہیں کھسکتا۔'' زارا نواز مسکرا رہی تھی۔ ''لیکن میں قطعاً تم سے جیلس نہیں ہوں، تم بہت پیاری ہو۔'' اس کا انداز دوستانہ تھا۔ ''سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے تم سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔'' اس کا قہقہہ بڑا دلفریب تھا۔ رخساروں پر ابھرنے والے ڈمپل اس کے حسن میں مزید اضافہ کر رہے تھے اور وہ سنگ مرمر سے تراشا پیکر اپنی خود اعتمادی سمیت مجھے علی حمزہ کے لیے مناسب ترین لگی تھی۔ علی حمزہ نے نظروں ہی نظروں میں میری رائے جاننا چاہی تھی اور میں نے مسکراتے ہوئے اس کی پسند کو نظروں کے زاویے سے ''اوکے'' کر دیا تھا۔ ''تم تو بچپن سے ساتھ ہو۔ اس کی بہت سی عادتوں اور باتوں کے حوالے سے باخبر ہو گی۔ کبھی تفصیلاً ملاقات ہو تو مجھے ضرور مطلع کرنا۔ ایسی چھوٹی چھوٹی باتیں آنے والی زندگی کے لائحہ عمل کے لیے بڑی سودمند ثابت ہوا کرتی ہیں۔'' وہ مسکرا رہی تھی اور علی حمزہ ہنستا چلا گیا تھا۔

''تبو فار گاڈ سیک اسے تم نیلی آنکھوں والی نتاشا کے متعلق مت بتانا، جس نے فرسٹ ٹائم مجھے کرش کیا تھا۔'' میں مسکرا دی تھی اور زارا نواز اسے مصنوعی خفگی سے گھورنے لگی تھی۔

''اے علی! کون ہے وہ؟ تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا مجھے؟'' اور ہنستا چلا گیا تھا تب میں نے بچ بچاؤ کرایا تھا۔

''کم آن زارا نواز۔ بہت پرانا قصہ ہے یہ اب تو اس نیلی آنکھوں والی نتاشا کا دور تک نام و نشان

نہیں۔تھی تو بہت پیاری لڑکی۔ جونیئر کیمبرج میں ہمارے ساتھ تھی مگر ایک موٹا یا سر جو باسکٹ بال میں چیمپئن تھا وہ علی حمزہ سے بھی بڑھ کر اس کا مداح تھا اور علی حمزہ، بیچارا ابھی مارے خوف کے اس کے قریب ہی نہ جا سکا تھا۔

''میں اپنی ہنسی پر ضبط نہ رکھ سکی تھی اور زارا نواز بھی میرے ساتھ ہنستی چلی گئی تھی۔علی حمزہ نے کسی قدر خفگی سے منہ پھلا کر مجھے دیکھا تھا۔

''اور وہ تھا تو کتنا موٹا۔''

''اور تم اس کی ٹانگ ٹوٹنے پر کتنا خوش ہوئے تھے۔'' میں ہنس رہی تھی۔

''ہاں.....مگر اس موٹے نے اس کے باوجود اس پری رخ کی جان نہیں چھوڑی تھی۔عجب کمبل شخص تھا موٹا.....گینڈا.....'' وہ پیتا ہوا حسب توفیق غصہ نکال رہا تھا۔ ماضی کے سارے ٹانکے جیسے ادھڑتے چلے گئے تھے۔اسے اس کیفیت میں دیکھ کر ہم دونوں تادیر ہنستی رہی تھیں۔

''اچھی ہے ناں زارا نواز؟'' اس روز اگرچہ میں نے علی حمزہ کو مطلع کر دیا تھا مگر وہ نئے سرے سے جیسے میری رائے سننے کا منتظر تھا۔ میں نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔تبھی وہ سر جھکا کر بہت آہستہ آہستہ کہنے لگا تھا۔

''اتباع! میرا دل چاہتا ہے میں ایک گھر بناؤں۔ بالکل نیا گھر جیسا میں نے اپنے بچپن میں دیکھا تھا۔ بالکل ویسا گھر جس میں محبتیں تھیں سکون تھا، خوشیاں تھیں، جہاں ماما تھیں، پاپا تھے اور میں تھا۔ بہت سی خوشیاں بھروں اس گھر میں۔اسے کسی کے بہت نازک سے پیکر سے سجا دوں، چاہت ہو، راحت ہو اور سکون ہو۔ میں شام میں تھک کر گھر واپس لوٹوں تو کوئی میرا انتظار کرنے والا منتظر ہو، دیر سے آنے پر مجھ سے وہ لڑے جھگڑے دیر سے آنے پر جواز مانگے اور میں اس کی تمام باتوں کی وضاحتیں دینا اسے مطمئن کرنے کے جتن کرتا رہوں۔مگر وہ گھر بہت مضبوط بنیادوں پر کھڑا ہو اسے کوئی ہوا نقصان نہ پہنچا سکے۔جیسا ماما اور پاپا کے گھر کو پہنچا تھا۔ میں ویسا کم زور گھر نہیں چاہتا، میں اپنا گھر توڑوں گا نہیں۔ اسے بساؤں گا، آباد کروں گا..... اس کی حفاظت کروں گا۔تم جانتی ہو میرا یہ خواب بہت پرانا ہے۔ ماما مجھے چھوڑ کر چلی گئی تھیں تب سے، یہ واحد بات ہے جو میں نے تمہیں نہیں بتائی تھی۔تم سے شیئر نہیں کی تھی، بس میں نے سوچ رکھا تھا جب بناؤں گا تو تمہیں دکھاؤں گا۔'' وہ سر جھکائے میرے سامنے بیٹھا تھا اور میں ساکت سی اسے بیٹھی تکتی جا رہی تھی۔کتنی محرومیاں اس کے لہجے میں بول رہی تھیں۔کتنا بڑا خلا رہ گیا تھا اس کی شخصیت میں۔ وقت و حالات نے اس کے اندر کو کیسا منتشر کر دیا تھا۔کتنی منقسم ہو گئی تھی اس کی سوچ، اور وہ خود۔اس گھڑی مجھے وہ کوئی معصوم سا بچہ لگ رہا تھا جو اپنی عمر کے اس حصے میں موجود تھا، جہاں اس کی زندگی میں انتشار واقع ہوا تھا، جہاں اس کے خواب ٹوٹے تھے، جہاں اس کی سوچ منقسم ہوئی تھی۔

''تبو! تمہیں لگتا ہے ناں یہ خواب پورا ہو سکتا ہے۔زارا نواز ایسی لڑکی ہے جو اس خواب کو پورا کرنے میں میرا ساتھ دے سکتی ہے؟'' وہ پوچھ رہا تھا اور میں اثبات میں سر ہلانے لگی تھی۔

''ہوں، اچھی لڑکی ہے۔'' میں نے ہولے سے کہا تھا تو وہ میری جانب دیکھتے ہوئے مسکرایا تھا۔

''یس..... آئی نو۔ واقعی وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔'' اسکی آنکھوں میں کئی خواب چمک رہے تھے۔ ایسی روشنی پھوٹ رہی تھی جو آج سے قبل میں نے نہیں دیکھی تھی۔ اس شام میں اور وہ تادیر ساتھ ساتھ چلتے ہوئے ڈھیروں باتیں کرتے رہے تھے چھوٹی چھوٹی باتیں علی حمزہ اس روز بہت خوش تھا اور یہ بات میرے اطمینان کے لیے کافی تھی۔

☆.....☆.....☆

علی حمزہ ان دنوں واقعی ہواؤں میں اڑ رہا تھا مگر آخری سال ہونے کے باعث میں خاصی مصروف ہو گئی تھی۔ معاملہ رزلٹ کا تھا، مجھے ہر طور اپنی پرسنٹیج بڑھانا تھی، پھر اسٹڈی بھی خاصی ٹف تھی۔ اس روز بھی جب کیمپس سے واپسی پر میں اپنے دوستوں کے ساتھ ایکسپو سنٹر میں ہونے والی آئی پی ایگزیبیشن دیکھنے چلی گئی تھی اور شام ڈھلے واپس لوٹی تھی تو یہ بات یکسر میرے ذہن سے نکل چکی تھی کہ آج محترم علی حمزہ کا برتھ ڈے ہے۔ حالانکہ رات تک میں یاد دہانی کر کے سوئی تھی کہ صبح اسے وش بھی کروں گی اور کیمپس سے واپسی پر گفٹ بھی لیتی آؤں گی مگر مصروفیت اتنی زیادہ رہی تھی کہ مجھے اپنا بھی ہوش نہ رہا تھا۔ اب بھی جب میں کھانا کھانے کے ساتھ اس کا نمبر ملا رہی تھی اور اسی لمحے دوسری جانب سے کال ریسو کر لی گئی تھی۔

''ہیلو..... علی..... ہیپی برتھ ڈے ٹو یو..... اینڈ مینی مینی ہیپی ریٹرنس آف دی ڈے..... آئی ایم سوری، میں سارا دن اس قدر بزی رہی کہ ہوش ہی نہیں رہا۔ ابھی ایسکپو سینٹر سے لوٹی ہوں تو سب سے پہلے تمہیں کونگریچولیٹ کیا ہے۔ معذرت چاہتی ہوں، تم آؤ نا..... میں تمہیں گفٹ دوں گی اور جواباً تم ہمیں ٹریٹ دینا..... کہاں، اس کا فیصلہ تمہارے آنے پر کریں گے۔'' میں اس کی خاموشی سے قطع نظر اپنی ہی دھن میں بولتی جا رہی تھی۔ اس کی خاموشی میں کیا اسرار تھا، میں کچھ بھی جان نہیں پائی تھی مگر اس کی طویل خاموشی پر میں چونکی ضرور تھی۔

''علی! کیا ہوا؟ ٹھیک تو ہو؟'' کس قدر فکرمندی سے میں نے پکارا تھا۔ جواباً اس کی بہت مدھم آواز ابھری تھی۔

''ہاں، ٹھیک ہوں۔ تھینکس آلاٹ۔'' اسکا لہجہ کسی قدر سرد تھا، میں چونکی تھی۔

''ناراض ہو؟''

''نہیں۔''

''پھر؟''

''پھر بات کریں گے۔'' کہنے کے ساتھ ہی دوسری جانب سے لائن ڈس کنیکٹ کر دی گئی تھی اور میں تمام صورت حال پر ساکت سی رہ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

''ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ جو بھی ہوا بہت غلط ہوا۔'' میرے سامنے بیٹھا وہ مدھم لہجے میں کہتا ہوا سر نفی میں ہلا رہا تھا۔ اس کا انداز پرافسوس تھا۔ جھکے ہوئے سر میں کچھ خفت سی تھی اور میں ساکت سی اسے تکتی جا رہی تھی۔

''رئیلی ابتاع، میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ ہمیشہ بہت سیلف کنٹرول رہا ہے مجھے، مگر اس شام جانے اچانک کیا ہوگیا۔'' وہ میری جانب دیکھ نہیں رہا تھا، کسی قدر شرمندہ تھا اور میں جانے کیوں اس گھڑی چپ تھی۔

''وہ بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ ملے تو ہم پہلے بھی کئی بار تھے، مگر اس شام جب وہ میری برتھ ڈے کے حوالے سے خصوصی تیاری کے ساتھ میرے اپارٹمنٹ پر آئی تو میں اسے دیکھتا ہی رہ گیا..... بہت خوش تھی وہ۔ میرے پاس میری خوشیاں بڑھانے آئی تھی لیکن.....'' وہ دونوں کہنیوں کو میز کی سطح پر ٹکائے ہوئے اپنے دونوں ہاتھوں سے عجب وحشت کے ساتھ دبانے لگا تھا اور میں اپنی جگہ ساکت تھی۔

''مانا کہ آتے ہیں کچھ گرفت میں لینے والے لمحے بھی زندگی میں، مگر میں کسی کمزور لمحے کی گرفت میں آجاؤں گا۔ میں نے سوچا بھی نہیں تھا، آئی ایم رئیلی فیل گلٹی اباؤٹ اٹ..... جو بھی ہوا، وہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ رئیلی ابتاع میں بہت شرمندہ ہوں، خود سے بھی نظریں نہیں ملا پا رہا ہوں، جس گھڑی تمہارا فون آیا، اس وقت میں اسی واقعے کے باعث ڈیپرس تھا، میں زارا نواز سے بھی شرمندہ ہوں مگر قصور اسکا بھی ہے۔ میں نے پیش قدمی کو تو اس نے مجھے روکا کیوں نہیں۔ اسے مجھے ٹوکنا چاہیے تھا..... مگر شاید..... نہیں شاید قصور یقیناً میرا زیادہ ہے۔ میں ہی خود پر کنٹرول نہیں رکھ پایا تھا۔ ہاں قصور سارا میرا ہی تھا جو ایک کمزور لمحے میں بہہ گیا۔ او مائے گاڈ..... ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ جانے مجھے کیا ہوگیا تھا پہلے تو ایسا کبھی نہیں ہوا اور وہ ایک لمحہ، آہ..... کیسے سیاہی پھیر گیا تمام عمر پر۔'' وہ بے حد پُرملال تھا اور میں ساکت سی اسے تکتی جا رہی تھی۔ کچھ بھی تو نہ تھا میرے پاس اسے کہنے کے لیے نہ تسلی، نہ ملامت، بس خاموشی سے اسے تکتی جا رہی تھی۔

مجھے اس سے کس طرح کا رویہ روا رکھنا چاہیے تھا میری سمجھ میں قطعاً نہ آسکا تھا مگر بہت دنوں تک میں اس سے ملی نہیں تھی۔ شاید مجھے اس کی شخصیت کے امیج کا ٹوٹنا اچھا نہیں لگا تھا۔ شاید اس لیے کہ میں نے اسے ایسا نہیں سمجھا تھا اور..... میں کتنے دن تک اسی نہج پر سوچتی رہی تھی۔ وہ میرے قریب تھا اور کم از کم اس کے متعلق ایسا قبول نہیں کرتی تھی۔ میرے لیے اس تمام حقیقت کو تسلیم کرنا خاصا دشوار تھا۔

بہت دنوں تک میں اس سے بات کیے بنا چپ چاپ رہی تھی مگر پھر مجھے سوچنا پڑا تھا کہ اسے تنہا چھوڑ دینا مناسب نہیں۔ یہ دنیا ہے اور فرشتہ یہاں کوئی نہیں سارے بندے بشر ہیں اور بہکنا کون نہیں۔ غلطی کس سے سرزد نہیں ہوتی، خلوتیں تو بڑوں بڑوں کے ہوش گم کر دیتی ہے اور شاید اس میں کسی قدر قصور زارا نواز کا بھی تھا مگر علی حمزہ اس سے قطع نظر تمام قصور اپنے سر پر رکھ رہا تھا۔ بہرحال مجھے اس سب کا فیصلہ نہیں کرنا تھا کہ کون قصوروار تھا اور کون نہیں۔ میرے خیال میں اس وقت علی حمزہ کو کسی اپنے پرخلوص دوست کی ضرورت تھی اور میں

نے اسے تنہا چھوڑنا مناسب نہیں جانا تھا۔ اس کے باوجود کہ قبیح فعل سرانجام دے چکا تھا مگر میں مانتی ہوں، وہ سچا تھا۔ اس نے یقیناً ایسا نہیں کرنا چاہا تھا مگر ایک کمزور لمحے کی رد میں وہ بہہ گیا تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ خلوت میں پیش آنے والے اس واقعے کو مجھ سے مخفی رکھتا۔ یقیناً وہ مجھ سے تو کیا کسی سے بھی ایسی بات شیئر نہ کرتا۔ ایک یہی بات ایسی تھی جو مجھے اسے نہ چھوڑنے پر مجبور کر رہی تھی۔

''تبو! تم ناراض ہو نا مجھ سے؟'' وہ میرے سامنے کتنی بار یہ جملہ دہرا چکا تھا۔ ''تمہیں ہونا چاہیے۔ تم حق پر ہو مگر.....'' وہ بہت جھنجھلا کر سر نفی میں ہلاتے ہوئے مجھے دیکھنے لگا۔ پھر بہت آہستگی سے میرا ہاتھ تھام لیا۔

''تبو! کیا تم مجھے معاف نہیں کر سکتی ہو؟'' اور میں نے ایک لمحے میں اس کی گرفت سے اپنے ہاتھ کو آزاد کرایا تھا۔ یہ فعل بہت غیر ارادی طور پر ہوا تھا۔ وہ کسی قدر حیرت سے مجھے دیکھنے لگا تھا۔ میں نگاہ پھیر گئی تھی اور تب بھی خاموشی سے بنا کچھ کہے میرے قریب سے نکل گیا تھا۔

میری سمجھ میں قطعاً نہیں آتا تھا کہ ایسے لمحوں میں اس کے ساتھ کیسا رویہ رکھوں۔ مگر اب یوں ہونے لگا تھا کہ سرمہریاں کسی قدر بڑھنے لگی تھیں اور ایسا میری جانب سے تھا۔ میں اس ایک سچ کو ہضم نہیں کر پا رہی تھی۔ شاید اس لیے کہ وہ میرا دوست تھا، اسے میں نے بہت بلند مرتبے پر فائز کیا تھا۔ فرشتہ جانا تھا اور..... لیکن یہ بات تسلیم کرنے کے باوجود کہ دنیا میں سارے بندے فرشتے نہیں ہوتے، میں اس سے پہلے جیسا رویہ نہیں روا رکھ پائی تھی۔ ہاں اب یہ ہوتا تھا کہ وہ آتا تھا، جو چاہتا تھا، کہتا سنتا تھا، میں ہوں ہاں کرتی تھی۔ کچھ جواب دے بھی لیا کرتی۔ شاید اب میں غیر جانبداری کی راہ اپنانا چاہتی تھی۔ میں مکمل طور پر لاتعلق نہیں ہوئی تھی مگر میں نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔ اس کے باوجود کہ وہ غیر دانستہ طور پر قطعاً غیر ارادی طور پر برائی کا مرتکب ہوا تھا۔

اس روز وہ آیا تو بہت ڈسپریس تھا۔

''صورت حال بہت سنگین ہو گئی ہے اتباع معاملہ پہلے سے زیادہ سنگین ہو گیا ہے۔ زارا نواز شادی کے لیے اصرار کر رہی ہے اور میں فی الحال ایسا نہیں کر سکتا ہوں۔ ابھی تو میرا ایم بی اے بھی مکمل نہیں ہوا..... پھر..... ٹھیک ہے مجھے اس سے شادی کرنا تھی، اسے اپنے جیون میں شامل کرنا تھا مگر وہ نہیں مان رہی۔ وہ بضد ہے کہ میں پاپا سے شادی کی بات کروں۔'' اس نے سر دونوں ہاتھوں پر گرا لیا تھا۔

''اوہ مائے گاڈ.....'' مجھے نہیں معلوم تھا وہ ایک لمحہ اتنا سیاہ ہو گا۔ اپنے سنگ اتنی تاریکی لے کر آئے گا اور میں رستوں میں بھٹکتا رہ جاؤں گا۔'' اس کا مدھم لہجہ بے حد کرب انگیز تھا اور میں بے حد ساکت سی تھی۔ میرے سوچنے سمجھنے کی حس جیسے جواب دے چکی تھی۔ زبان گنگ تھی میں بس خالی خالی نظروں سے اسے تکتی جا رہی تھی اور وہ عجب پروحشت انداز میں سر جھکائے جانے کیا کچھ بولتا چلا جا رہا تھا۔ مجھے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ بس کانوں میں سائیں سائیں ہو رہی تھی۔

میں نے ان دنوں خود کو جان بوجھ کر بہت مصروف ظاہر کرنا شروع کر دیا تھا۔ کیمپس سے دیر سے لوٹتی

تو گھر میں کتابوں میں سر دیئے بیٹھی رہتی۔ کبھی کسی دوست کی طرف نکل جاتی، کبھی لائبریری میں بیٹھی، خالی خالی نظروں سے کتاب کو دیکھتی رہتی۔ اس دن بھی میں آخری کلاس لے کر لائبریری کی طرف جا رہی تھی جب اس کا کال آ گئی تھی۔ اپنے پرسنل سیل کی اسکرین پر اس کا نمبر دیکھتے ہوئے بھی کال ریسو کرنا جیسے میری مجبوری تھی۔

''ہیلو ابتاع، زارا نواز میری بات مان گئی ہے۔ وہ مجھے چاہتی ہے، بے حد، بے حساب۔ مجھے انڈر اسٹینڈ کرتی ہے۔ وہ مجھے کھونا نہیں چاہتی، جیسے کہ میں اسے کھونا نہیں چاہتا۔ ابتاع، میں اسے آنٹی ربیہ کے کلینک لے جا رہا ہوں۔ یقیناً اب سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ آنٹی ربیعہ کو تو تم جانتی ہو، سیف انکل کی وائف..... ماما کی پرانی دوست۔ وہ میری ہیلپ کے لیے تیار ہیں، کیا تم وہاں آ سکتی ہو؟''

''نن..... نہیں..... میں یہاں لائبریری میں بزی ہوں۔'' میں نے یکدم سرنفی میں ہلایا تھا۔ کچھ دیر کے لیے دوسری طرف خاموشی رہی تھی۔ پھر وہ بہت آہستگی سے گویا ہوا تھا۔

''اوکے، ٹھیک ہے۔ میں تمہیں پھر فون کروں گا۔'' سلسلہ منقطع ہو چکا تھا اور میں سناٹے کی زد میں آ گئی تھی۔

''یہ کیسے گناہ کا مرتکب ہونے جا رہا تھا علی حمزہ۔ ایک تو غلطی..... پھر مزید غلطی..... ایک گناہ کے بعد دوسرا عظیم گناہ کر رہا تھا۔ کیا یہ جرم نہ تھا؟''

''میرا دل چاہتا ہے میں ایک گھر بناؤں، اسے بساؤں، آباد کروں۔ اس کی حفاظت کروں، میں اپنے گھر کو ٹوٹنے نہیں دوں گا۔'' اس کی کہی گئی مدھم سرگوشیاں میری سماعتوں میں گونج رہی تھیں۔ اور جانے کیوں میری آنکھیں جلنے لگی تھیں میں نے فوری طور پر گھر کا رخ کیا تھا۔

چہرہ تکیے کے نیچے دبائے میں مکمل طور پر ڈپریس تھی۔ سلیپنگ پلز لینے کے باوجود میں سو نہیں پا رہی تھی اور میں سونا چاہتی تھی۔ ہر جانب سے غافل ہو جانا چاہتی تھی مگر اس کوشش میں مکمل طور پر ناکام تھی اور میں اپنی کوشش میں کامیاب ہونے کے جتن کر رہی تھی، جب علی حمزہ کا فون آ گیا تھا۔

''تبو! میں نے سب کچھ کھو دیا۔ وہ چلی گئی، زارا نواز مجھے چھوڑ کر چلی گئی۔ ربیعہ آنٹی ماہر ہونے کے باوجود اسے نہ بچا سکیں۔''

وہ یقیناً دوسری طرف رو رہا تھا۔ اس کا لہجہ بہت ٹوٹا پھوٹا اور شکستہ تھا اور ساکت تو اپنی جگہ میں بھی تھی۔ یہ خبر دھماکے سے کم تو نہ تھی میرے لیے۔ فون میرے ہاتھ سے گر گیا تھا۔

تو بالآخر علی حمزہ قاتل بن گیا تھا اور قتل بھی ایک نہیں..... اس نے دہرا قتل کیا تھا، وہ دہرے گناہ کا مرتکب ہوا تھا۔ اس نے صحیح کہا تھا۔ وہ تاریکیوں میں بھٹک کر راستہ بھول چکا ہے۔ اب یقیناً اسے انہی تاریکیوں میں بھٹکنا تھا۔ اس کا جرم واقعی ناقابل معافی تھا۔

علی حمزہ کی شخصیت کے خلا نے اسے کسی قابل نہیں چھوڑا تھا۔ ایک بروکن فیملی سے تعلق رکھنے والے

شاید کسی شخص کی پرسنالٹی میں ایسے بہت سے خلا رہ جاتے ہیں۔ ایسی بہت سی خامیاں رہ جاتی ہیں، جن کا تدارک ممکن نہیں ہوتا۔ میں چپکے سے اٹھ گئی تھی، میں جانتی تھی وہ مجھ سے ملنے آئے گا اور اگرچہ میں اس سے ملنا نہیں چاہتی تھی مگر جب وہ آیا تو میں کوئی تعرض بھی نہ برت سکی۔ وہ کتنی دیر تک میرے شانے پر سر دھرے چپ چاپ آنسو بہاتا جا رہا تھا اور میں جو اس سے ملنا بھی نہیں چاہتی تھی اس گھڑی ساکت سی اس کے سامنے کھڑی رہی تھی۔ مجھے اس کے وجود سے گھن آ رہی تھی۔ میرے سارے وجود میں جیسے چیونٹیاں سی رینگ رہی تھیں مگر مجھ میں اتنی ہی سکت نہیں تھی کہ میں اسے جھٹک کر خود سے الگ کر دیتی۔ کتنی آہستگی سے میرا شانہ بھیگتا چلا گیا تھا۔

''پاپا نے سب کچھ سنبھال لیا ہے تبو۔ میں ہمیشہ سمجھتا تھا میں تنہا ہوں مگر پاپا نے مجھے تنہا نہیں چھوڑا۔ ربیعہ آنٹی نے انہیں مطلع کر دیا تھا۔ انہیں شاید صورت حال کی سنگینی کا اندازہ تھا۔ انہوں نے ایک قابل وکیل کو ہائر کر کے میرے قبل از وقت ضمانت کے آرڈرز لے لیے تھے۔ زارا نواز بہت ویل آف فیملی سے بلونگ کرتی ہے اس کے بھائی بہت مشتعل بھی ہیں مگر پاپا نے اس کے پاپا کو سمجھا دیا ہے، کورٹ کچہریوں کے چکروں سے کچھ حاصل نہیں ہوگا سوائے بدنامی اور رسوائی کے، وہ سمجھ دار شخص ہیں۔ وہ خود بھی ایسا نہیں چاہتے۔ بہت عزت ہے ان کی سوسائٹی میں۔ وہ اس طرح کا کوئی اسکینڈل خود بھی افورڈ نہیں کر سکتے۔ وہ زارا نواز کی موت کو ایک حادثہ سمجھ کر بھلانے کو تیار ہیں..... مگر میں..... اتباع میں..... میں کچھ بھی بھلا نہیں پا رہا ہوں، مجھے آزادی مل رہی ہے۔ زارا نواز کے پیرنٹس اپنی عزت کے لیے مجھے معاف کر دیں تو میں خود کو کبھی معاف نہیں کر پاؤں گا۔

تبو! مجھے راتوں کو نیند نہیں آتی ہے، میں سو نہیں پاتا ہوں۔ میری آنکھیں جل رہی ہیں..... مگر مجھے نیند نہیں آتی۔ تبو، مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟'' بے اختیار آنسو بہاتے ہوئے وہ مجھ سے حل مانگ رہا تھا اور میرے پاس اسے کہنے کو کچھ نہ تھا۔

''اتباع، میں اپنی نظروں میں خود گر گیا ہوں۔ بولوں میں کیا کروں؟

نہ میں عدالت لگائے بیٹھی تھی نہ ہی میں منصب داری پر فائز کوئی منصف تھی جو اس کے لیے سزا یا جزا کا فیصلہ کرتی۔

اس شام کتنی دیر تک میرے سامنے بیٹھا رہا تھا اور میں سر جھکائے چپ چاپ ناچاہتے ہوئے بھی اسے سنتی رہی تھی حالانکہ میں اس کے سامنے سے اٹھ کر بھاگ جانا چاہتی تھی۔ اسے اپنے سامنے سے دھکے دے کر ہٹا دینا چاہتی تھی۔ اس سے دوبارہ کبھی ملنا نہیں چاہتی تھی، پھر کبھی اسے سننا نہیں چاہتی تھی۔ دوبارہ کبھی اسے دیکھنا بھی نہیں چاہتی تھی مگر میں اسے کچھ نہیں کہہ سکی تھی۔ کچھ نہیں کر سکی تھی۔

☆.....☆.....☆

وقت بہت بڑا مرہم ہے۔ گھاؤ کوئی بھی ہو بھر ہی جاتا ہے۔ علی حمزہ بھی زندگی کی طرف واپس لوٹ آیا تھا۔ دوبارہ سے ساری روٹین سنبھال لی تھی مگر اس علی حمزہ میں اور پہلے والے علی حمزہ میں بہت فرق آ گیا تھا۔

اس دن کے بعد سے ہم نے اس موضوع پر پھر کوئی بات نہیں کی تھی۔ ہم بالکل پہلے کی طرح ملنے کی کوشش کرتے تھے، وہ آتا تھا مگر اب اس کے پاس کرنے کے لیے ڈھیروں دلچسپ باتیں نہیں ہوتی تھیں، سنانے کے لیے کوئی قصہ کہانی نہیں ہوتی تھیں، اور میں جو سدا سے اسے سننے کی عادی تھی، ایسی صورت حال میں کوئی نہ کوئی موضوع چھیڑ کر بیٹھ جاتی تھی۔ میں اپنے طور پر اسے ہرٹ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اپنی ذات سے کوئی زک پہنچتا ہوا نہیں دیکھ سکتی تھی۔ وہی کیا..... کوئی بھی ہوتا، میں نے کبھی کسی کو نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ اور میں ایسا کر بھی نہیں سکتی تھی۔ علی حمزہ جواباً خاموشی سے مجھے تکتا رہتا تھا کبھی کبھار جواباً بول بھی لیا کرتا تھا مگر وہ گفتگو بڑی مختصر اور بے معنی ہوتی۔ ہم تینوں مل کر آؤٹنگ پر بھی جاتے۔ آہستہ آہستہ علی حمزہ زندگی کی طرف بالآخر واپس لوٹ ہی آیا تھا۔ اپنا ایم بی اے مکمل کرنے کے بعد اس نے پاپا کا بزنس سنبھال لیا تھا۔ میرے ایم سی ایس کا بھی ایک سال باقی تھا۔ سو میں پوری جانفشانی سے مصروف عمل تھی۔

☆.....☆.....☆

اور جب میں آخری سمسٹر میں پوزیشن بنانے کے لیے کوشاں تھی، تبھی میرے لیے ایک پروپوزل آ گیا تھا۔ تیمور ضیاء کئی سالوں سے کینیڈا میں مقیم تھا۔ ماما کی کسی دور کی کزن کا بیٹا تھا۔ ماما اور پاپا دونوں بہت خوش تھے مگر میں نفی میں سر ہلاتی چلی گئی تھی۔

''اتنی جلدی تو قطعاً نہیں۔ اور وہ بھی اتنی دور..... سات سمندر پار۔ نہ مجھے قطعاً نہیں جانا..... اتنی دور۔ عریشہ کا کر دیں۔''

''ڈونٹ بی اسٹوپڈ..... اتباع۔ عریشہ کتنی چھوٹی ہے تم سے..... اور پھر ابھی تو وہ پڑھ رہی ہے۔'' ماما نے مجھے سہولت سے ڈپٹا تھا۔

''اور پڑھ تو میں بھی رہی ہوں۔''

''ہاں مگر تمہاری تعلیم مکمل ہونے والی ہے۔ پھر بیٹیوں کے فرض جتنی جلد ادا ہو جائیں، اچھا ہے۔ اور پھر آج کل کے دور میں اتنا معقول رشتہ ملتا بھی تو نہیں۔ تیمور ضیاء اچھا لڑکا ہے، ہینڈسم ہے، ویل آف ہے۔ تمہیں اور کیا چاہیے۔'' سب سے بڑھ کر اجنبی لوگ نہیں ہیں، اپنی رافعہ کا بیٹا ہے وہ۔ میرے خیال سے تو رشتہ مناسب ترین ہے، بہرحال تم پھر بھی سوچ لو۔'' ماما کہہ کر میرے پاس سے اٹھ گئی تھیں اور میں فقط خالی خالی نظروں سے اس سامنے پڑی تصویر کو دیکھتی رہ گئی تھی۔

اور پھر جب علی حمزہ کو اس شام میں نے اس رشتے سے متعلق آگاہ کیا تھا تو وہ کتنی خاموشی سے تادیر مجھے تکتا رہا تھا۔

''انکار کا کوئی جواز نہیں ہے۔ مگر میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا..... شاید میں اتنی دور جانا نہیں چاہتی..... ماما، پاپا، عریشہ مجھے بہت عزیز ہیں۔ میرے لیے تو ان کی جدائی کا تصور ہی سوہان روح ہے اور میں

عجب پر الجھن لہجے میں کہتی ہوئی لب بھینچ گئی تھی اور وہ دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

''فقط یہی جواز ہے؟'' اس کا لہجہ کسی قدر معنی خیز تھا اور میں سمجھتے ہوئے چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

''ہاں، یقیناً۔'' میں اس گھڑی شاید بہت ہونق لگ رہی تھی تبھی علی حمزہ کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہوتی چلی گئی تھی۔

''ہیں کیسے موصوف؟''

''ہینڈسم ہیں۔ میں تمہیں تصویر دکھاؤں گی۔'' میرا انداز سرسری تھا۔ وہ مجھے دیکھ کر رہ گیا تھا اور میں اسے مطلع کرنے لگی تھی۔

''ماما بتا رہی تھیں اگلے دو ماہ میں وہ مجھے دیکھنے آ رہے ہیں۔ رئیلی مجھے بڑی کنفیوژن ہو رہی ہے۔ مجھے نہیں پتہ ایسے معاملات میں کیا کرتے ہیں۔ تبھی میں نے ماما سے کہا تھا فی الحال ایسا کوئی معاملہ نہ چھیڑیں مجھے میری اسٹڈی پر متوجہ رہنے دیں مگر.....'' میں واقعی بڑی ڈفر لگ رہی تھی اس گھڑی اور شاید تبھی وہ مجھے تکتے ہوئے محظوظ ہوتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

اگلے کئی دن تک میں بے حد مصروف رہی تھی۔ اس شام جب میں بہت تھک چکی تھی، کیمپس اور لائبریری کی خواری کرنے کے بعد واپس لوٹی تھی تو ڈرائنگ روم میں حمزہ انکل (علی حمزہ کے والد) اور اس کی اسٹیپ مدر آنٹی ثمینہ بھی تھیں۔ ہم ان کے اور وہ ہمارے گھر آتے جاتے رہتے تھے۔ سو اس میں کوئی اتنی اچنبھے والی بات نہ تھی۔ شاید تبھی ان سے ملنے کے بعد میں اپنے کمرے میں آ گئی تھی اور اس سے اگلی شام ماما آ گئی تھیں اور جو انہوں نے کہا تھا، وہ میرے لیے کسی دھماکے سے کم نہ تھا۔

''حمزہ انکل اور ثمینہ آنٹی میرے لیے علی حمزہ کا پروپوزل لائے تھے۔ او مائے گاڈ! میرا سر جیسے گھومنے لگا تھا اور ماما میرے احساسات سے قطع نظر کہہ رہی تھیں۔

''ہم تو قبول بھی نہیں کر رہے تھے۔ بہر حال علی حمزہ تو گھر کا بچہ ہے۔ عرصہ دراز کا ساتھ ہے..... تم دونوں تو ایک دوسرے کو پہلے سے ہی بہت اچھے طریقے سے جانتے ہو۔ انڈر اسٹینڈنگ کا تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ تمہارے پاپا بہت خوش ہیں۔ وہ تو ابھی علی حمزہ کے لیے اپنا ووٹ پکا کیے بیٹھے ہیں مگر میرے خیال میں تیمور ضیاء بھی کمزور امیدوار نہیں۔ تمہیں دونوں کے متعلق سوچ سمجھ کر فیصلہ کر کے کسی ایک کو چننا ہے اور اس کے متعلق یقیناً تم بہتر فیصلہ کر سکتی ہو۔ تمہارا فیصلہ جو بھی ہو، ہم اس سے ایگری کریں گے۔'' ماما نے مجھے قریب کر کے میری پیشانی پر پیار کیا تھا اور واپس مڑ گئی تھیں اور میں ساکت سی بیٹھی رہ گئی تھی۔

''کیا علی حمزہ اس بات سے آگاہ ہے کہ.....؟'' یکدم میں اس تہیج پر پہنچی تھی۔ ''اور ایسا کیسے ممکن ہے کہ حمزہ انکل اور ثمینہ آنٹی اس کی مرضی کے بغیر ہی پروپوزل لے کر آ جائیں مگر..... اس نے کیسے.....؟''

میں نے فوری طور پر اٹھ کر اس کے پرسنل سیل پر کونٹیکٹ کیا تھا مگر اس کا پرسنل سیل آف تھا۔

میں نے گھر فون کیا تو پتہ چلا کہ وہ کچھ دن کے لیے یو کے گیا ہے۔ اسے کچھ دن بعد لوٹنا تھا مگر میرے اندر کی الجھنیں بڑھتی چلی گئی تھیں۔

''ایسا کیسے ہوسکتا تھا کہ اتنا کچھ ہونے کے بعد، تو کیا علی حمزہ نے خود ایسا چاہا تھا۔ خود یہ پروپوزل بھجوایا تھا؟'' میرے خیالات کی ڈور الجھتی چلی گئی تھی۔ سوچیں تھیں کہ ختم ہونے میں نہ آ رہی تھیں مگر ان سوالوں کا جواب فی الحال کہیں نہیں تھا جب تک کہ علی حمزہ نہ آ جاتا اور علی حمزہ آ نہیں رہا تھا، کتنے دن میں نے انگاروں پر بسر کر دیئے تھے۔ مجھے حیرت تھی تو فقط اس بات کی کہ اس نے کیسے یہ سب کیا جبکہ وہ جانتا ہے کہ میں اس کی ذات کے ہر سچ سے آگاہ ہوں اور اتنا کچھ ہونے کے بعد..... اسے کیسے یہ گمان تھا کہ اس کا پروپوزل قبول ہو جائے گا؟

کتنے بہت سے دن اسی ڈپریشن میں گزر گئے تھے اور جب وہ آیا تھا تو اس کے قطعاً متضاد رویے نے مجھے کتنا چونکا دیا تھا۔ جیسے اسے کسی بات کی خبر نہ تھی۔ کتنے آرام سے وہ مجھ سے تیمور ضیاء کے متعلق پوچھ رہا تھا کہ میں نے اس کے پروپوزل کو اوکے کیا یا نہیں؟ اور وہ کب آ رہا ہے؟ اور میں حیرت سے اسے تکتی جا رہی تھی۔ کیا واقعی وہ اس حد تک بے خبر تھا؟

''علی! کیا تمہیں واقعی خبر نہیں؟'' میں نے اسے کسی قدر بے یقینی سے دیکھا تھا۔

''کس بات سے متعلق؟'' وہ ایک اہم فائل دیکھتے ہوئے چونکا تھا اور میں چند ثانیوں تک اسے خاموشی سے تکتی رہی تھی اور پھر قدرے توقف سے گویا ہوئی تھی۔

''تو کیا تم نے مجھے پروپوز نہیں کیا علی؟''

''وہاٹ؟'' وہ بے حد حیرت سے چونکتے ہوئے مجھے دیکھنے لگا تھا۔

''حمزہ انکل اور آنٹی تمہارا پروپوزل لائے تھے، جب تم یہاں نہیں تھے۔'' میں نے مدھم لہجے میں کہا تھا اور وہ بغور مجھے دیکھنے لگا تھا۔ پھر ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

''اس کی حقیقت کچھ بھی نہیں ہے۔'' وہ کہہ کر بہت نارمل انداز میں دوبارہ فائل دیکھنے لگا تھا۔ اس کا انداز بالکل سرسری تھا، جیسے روزمرہ کے کسی واقعے کے متعلق ذکر کر رہا ہو۔ میں جانے کیوں بغور اس کی سمت تکنے لگی تھی۔ تبھی اس نے سر اٹھا کر میری جانب دیکھا تھا، جب میں بہت آہستگی سے چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

''کیا ہوا؟'' استفسار ہوا تھا۔ میں نے سر نفی میں ہلا دیا تھا، تبھی وہ مسکرایا تھا۔

''اتنی ٹینشن کیوں لے رہی ہو؟ کہا تو ہے میں نے، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ پاپا تو بس، جانتی ہو تبو! ہمارے والدین کی ایک مجبوری ہوتی ہے۔ یہ ہمیں ہر اچھی خبر اچھی شے سونپنا چاہتے ہیں۔ ہر اچھا فعل ہمارے لیے سرانجام دینا چاہتے ہیں۔ دنیا کی ہر نعمت ہمارے قدموں میں ڈھیر کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ وہ ہمیں خوش دیکھنا چاہتے ہیں۔ مگر اس معاملے میں میرے بابا حق پر نہیں ہیں۔ آئی ایم سوری۔ اگر تمہاری دل آزاری ہوئی ہو یا

تمہیں زک پہنچی ہو تو میں دل سے معافی کا خواستگار ہوں۔'' وہ جیسے مدھم لہجے میں کہتا ہوا میری جانب دیکھ رہا تھا اور میں سر جھکا گئی تھی۔ وہ کچھ دیر تک خاموش رہا تھا۔ پھر شاید میرا موڈ بدلنے کو مسکرا دیا تھا۔

''کہیں باہر چلیں..... میرے آفس کی فضا تو تم نے خاصی بوجھل کر دی ہے۔'' اور بوجھل پن اور بے تحاشہ گھٹن تو میرے اندر بھی تھی، تبھی میں بہت آہستگی سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ میں مکمل طور پر خالی الذہن تھی۔

علی حمزہ نے ہر ممکن کوشش کی تھی مجھے مطمئن کرنے کی مگر اس کے باوجود میں کسی فیصلے پر نہ پہنچ سکی تھی۔

''میں جانتا ہوں نا۔ میں تمہارے قابل نہیں ہوں۔''

کتنے دنوں تک اس کی آواز کی بازگشت میرے اردگرد ہوتی رہی تھی۔ یہ سچ تھا، جو کچھ ہوا تھا۔ ایک دوست ہونے کے ناتے مجھے اس کے متعلق سوچتے ہوئے بھی گھن آتی تھی۔ کس قدر مشکل سے میں نے اپنا دماغ صاف کیا تھا اس کے لیے تب جب وہ فقط میرا دوست تھا۔ اور اب تو، اور یہ کیسے ممکن تھا بھلا..... یہ کوئی معمولی بات تو نہ تھی، کوئی معمولی افیئر بھی نہ تھا جسے درگزر کر دیا جاتا، کوئی معمولی مسٹیک بھی نہ تھی، جسے معاف کر دیا جاتا۔ جو کچھ ہوا تھا، وہ بہت زیادہ تھا۔ ایسی باتیں جن پر بسے بسائے گھر ٹوٹ جاتے ہیں، میں اس بات کو جانتے ہوئے گھر بسانے کے متعلق کیسے سوچ سکتی تھی؟

وہ علی حمزہ کی زندگی کا کڑوا ترین سچ تھا اور مجبوری یہ تھی کہ میں اس تمام کڑوے سچ سے واقف تھی۔

''تمہیں سوچنے کی کیا ضرورت ہے۔ کس لیے اتنا وقت لے رہی ہو۔ حالانکہ تمہیں تو آنکھیں بند کر کے ہاں کر دینی چاہیے۔'' عریشہ اس روز ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی ہوئی بولی تھی۔ ماما اور پاپا بھی وہیں تھے۔ میں سر نہیں اٹھا سکی تھی۔

''ریشو.....'' ماما نے میری خجالت دیکھ کر اسے ڈپٹا تھا مگر وہ مسکرا دی تھی۔

''تو کیا ماما..... وہ خوب صورت ہے، فرمانبردار ہے۔ ایسے لڑکے کے لیے کون اتنا وقت لے گا۔'' بلا کی منہ پھٹ تھی یہ لڑکی۔

''ڈونٹ بی اسٹوپڈ عریشہ..... یہ زندگی بھر کے معاملات ہوتے ہیں بچے۔ آسان بات نہیں ہے یہ۔'' ماما نے مجھے ڈی فنڈ کیا تھا اور میں وہاں سے چپ چاپ اٹھ گئی تھی۔ علی حمزہ کی بھی اپنی مصروفیات بڑھ گئی تھیں۔ سو وہ رہی سہی بیٹھکیں بھی جاتی رہی تھیں۔ فون پر بات ہو جاتی تھی مگر وہ بہت سرسری ہوتی تھی۔

اور اس دن جب میرا آخری پیپر تھا، اس روز میری گاڑی ورکشاپ میں تھی۔ اسے شاید پتہ چل گیا تھا، تبھی وہ مجھے لینے آ پہنچا تھا۔ میں اسے دیکھ کر چونک گئی تھی۔

''تمہیں کیسے پتہ چلا آج میری گاڑی میرا ساتھ چھوڑ گئی ہے؟'' وہ مسکرا دیا تھا۔

''الہام ہو گیا تھا۔ تمہارا پیپر کیسا ہوا؟''

''ٹھیک ہوا۔'' میرا جواب مختصر تھا۔

''اب کیا ارادے ہیں؟ جاب واب کرو گی؟'' پھر میرے جواب کا انتظار کیے بغیر بولا۔ ''ویسے سبجیکٹ اچھا چوز کیا ہے تم نے۔ آئی ٹی کا تمام یورپین کنٹریز میں بڑا اسکوپ ہے۔'' وہ یقیناً مجھے چھیڑ رہا تھا مگر میں چپ چاپ کھڑکی سے باہر تکتی رہی تھی۔

''اتباع!'' اس نے میری بے خبری پر پکارا تھا۔ ''اے اتباع..... کیا ہوا؟'' اور میں فوراً ہی چونکتے ہوئے نفی میں سر ہلانے لگی تھی اور تب وہ مجھے دیکھ کر رہ گیا تھا۔ پھر قدرے توقف سے بولا تھا۔

''تم ابھی تک الجھن میں ہو؟''

''اوں، ہوں۔'' میں نے سر نفی میں ہلایا تھا۔ وہ کچھ دیر تک خاموش رہا تھا پھر جانے کیا سوچ کر مسکرا دیا تھا۔

''اچھا یہ بتاؤ، اگر یہ سب نہ ہوا ہوتا تو تب تمہارا جواب کیا ہوتا؟'' وہ شاید اپنی بابت پوچھ رہا تھا۔ میں نے فوراً سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''پتہ نہیں۔'' اور میری غائب دماغی پر وہ مسکرا دیا تھا۔

''کیا ہو گیا ہے..... ٹھیک بھی کر لو موڈ اب اپنا۔ ایک بات تم بھی جانتی ہو، میں بھی جانتا ہوں۔ میں تمہیں کھو نہیں سکتا، میں نے تم میں سب کچھ پایا ہے، اپنا ہر رشتہ۔ تمہیں گنوانے کے متعلق میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ بہت عظیم نقصان ہو گا یہ، جس کا متحمل کم از کم میں قطعاً نہیں ہو سکتا۔'' اس نے مجھے پٹری پر لانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی اور یہ بات تو میں بھی جانتی تھی۔ مانتی تھی کہ میں اس کے لیے بہت اہم تھی۔ اس کی واحد دوست..... واحد اہم راز..... واحد رفیق..... تبھی شاید میں اس کا دل رکھنے کو مسکرا دی تھی۔

''تھینکس.....'' وہ جواباً مسکرایا تھا۔ خاصا بدل گیا تھا جو واقعات اس کی زندگی میں رونما ہوئے تھے، انہوں نے اسے بہت بدل کر رکھ دیا تا۔ بہت حد تک سنجیدہ اور بردبار ہو گیا تھا۔ ایگزیکٹو سوٹنگ میں پہلے کے مقابلے میں پروقار لگنے لگا تھا۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟'' وہ ونڈو اسکرین کی جانب تکتا ہوا مسکرایا تھا۔ میں کچھ نہیں بولی تھی مگر اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

''کیا کسی نئے زاویے سے دیکھ رہی ہو؟'' اس کا شوخ انداز فقط اس کے اور میرے درمیان تن جانے والے اس تناؤ کے لیے تھا۔ وہ یقیناً ہر صورت میرا موڈ بحال کرنا چاہتا تھا اور میں اس کے شانے پر اپنے ہاتھ کا مکا بنا کر مارتے ہوئے مسکرا دی تھی۔ تبھی وہ بولا تھا۔

''اچھا اب بتاؤ کیا پروگرام ہے، جاب کرنی ہے یا شادی کر کے پھر سے اڑ جانا ہے۔ لیکن دیکھو، میرا بہت عظیم نقصان کر جاؤ گی تم۔ میں جو ہر مسئلے کا حل ڈھونڈنے بھاگا بھاگا تمہارے پاس آتا ہوں، تمہارے جانے سے یقیناً وہ سہارا مجھ سے چھن جائے گا۔ خیر تمہارے اچھے مستقبل کے لیے یہ سب بھی جھیل لوں گا۔ لیکن تم نے

سوچا کیا ہے؟'' وہ مسکراتا ہوا کہہ رہا تھا اور میں جانتی تھی وہ کس فیصلے کے متعلق دریافت کر رہا تھا۔ تبھی میں نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

''فی الحال تو کچھ نہیں سوچا۔ ایگزیمز میں اتنی بزی رہی اور پھر یہ فیصلہ اتنا آسان بھی تو نہیں۔''

''ہاں یہ تو ہے۔'' اس نے پرسوچ انداز میں سر ہلایا تھا۔ تبھی میں نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ ''مجھے تو بہت مشکل لگ رہا ہے یہ سب۔'' میں نے بے حد ایمانداری سے کہتے ہوئے اس کی مدد چاہی تھی۔ جواباً اس نے میری جانب دیکھا تھا، پھر اگلے چند لمحوں تک گاڑی میں مکمل خاموشی رہی تھی اور قدرے توقف سے اس نے مسکراتے ہوئے شانے اچکا دیئے تھے۔

''کیا کہہ سکتا ہوں، بندہ تو معقول ہے۔ کینیڈین شہرت کا حامل ہونے کے باعث ایک ایڈوانٹیج مزید بھی رکھتا ہے مگر بہرحال فیصلہ تو تمہیں ہی کرنا ہے۔''

''پھر بھی..... دوست ہونے کے ناتے کوئی تو مشورہ دو گے تم۔'' میں نے جیسے اسے پھنسا دیا تھا۔ وہ خاموشی سے میری جانب دیکھنے لگا تھا پھر یکدم مسکرا دیا تھا۔

''دیکھو بعد میں بلیم مت دینا۔'' اور میں جواباً مسکرا دی تھی، تبھی وہ ونڈ اسکرین کی جانب تکتا ہوا بہت آہستگی سے گویا ہوا تھا۔

''دیکھو اتباغ! شادی کوئی آسان شے نہیں ہے۔ بہت سوجھ بوجھ کی ضرورت ہوتی ہے، معاملہ ساری زندگی کا ہوتا ہے۔ بظاہر کسی لڈلکنگ ہونے سے یا باہر کی شہریت رکھنے سے سب کچھ نہیں ہوتا۔ بیسک چیز ہوتی ہے انڈر اسٹینڈنگ، ایک دوسرے کو سمجھنے کی۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے تم عام لڑکیوں کی طرح آئیڈیلزم کا شکار تو قطعاً نہیں ہو۔ اس لیے دیگر لڑکیوں کی بہ نسبت تم بڑے آرام سے عقل سے فیصلہ کر سکتی ہو۔''

''مگر یہ بھی تو سمجھ میں نہیں آ رہا کہ عقل سے کیا فیصلہ کروں۔ مجھے تو اس کے متعلق کچھ بھی پتہ نہیں ہے۔ یہی بات تو میں سمجھانا چاہتی ہوں کہ فقط گڈلکنگ ہونے سے یا کینیڈین نیشنیلٹی ہولڈر ہو جانے سے کسی میں سرخاب کے پر نہیں لگ جاتے۔ میرے لیے یہ فیصلہ آسان نہیں ہے۔ رئیلی علی، میں بہت پریشان ہوں۔'' میں نے پہلی بار اس کے ساتھ اپنا آپ شیئر کیا تھا۔ اس نے ونڈ اسکرین سے نگاہ ہٹا کر میری جانب دیکھا تھا۔

''تم بتا رہی تھیں وہ پاکستان آ رہا ہے۔''

''ہاں، سنا تو میں نے تبھی تھا۔''

''تو پھر یہ بہتر ہے کے آنے پر اس سے مل لو۔ دو چار نشستوں میں بندہ کھل کر سامنے آ جاتا ہے۔ تم کسی حد تک سمجھ ہی سکتی ہو۔''

''علی! فقط دو چار ملاقاتوں سے زندگی کسی کے نام نہیں لکھی جا سکتی۔ جبکہ میں اس کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتی۔'' اس نے میری طرف مکمل دوستانہ انداز میں دیکھا تھا۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' اس نے میرے ہاتھ پر دھیرے سے ہاتھ رکھتے ہوئے جیسے میری ہمت بندھائی تھی اور میں خاموشی کے ساتھ چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

اس روز علی حمزہ سے گفتگو کر کے کسی قدر میرے اندر کی گھٹن کم ہوئی تھی۔ میں واقعی بہت پریشان تھی اور مجھے پہلی بار اندازہ ہوا تھا کہ کسی سے فقط کہہ دینے سے دل کا بوجھ کس طرح سرک جایا کرتا ہے۔ میں نے پہلی بار جانا تھا کہ کوئی جب آپ کے مسئلے کو بہت اپنائیت سے سنتا ہے اور اسے اپنا مسئلہ جانتے ہوئے مشورہ دیتا ہے تو کتنا اچھا لگتا ہے کہ کوئی ہے جو قریب ہے، حبیب ہے، ہمدم ہے رفیق ہے۔ سچ کہتے ہیں، اچھا دوست غنیمت ہے اور شاید علی حمزہ کو یہ ادراک بہت پہلے سے تھا۔

یہ چیز بھی غنیمت تھی کہ ماما نے اس کے بعد اس بابت دریافت نہیں کیا تھا اور میں بھی فی الحال اس معاملے کو ٹالنا چاہتی تھی۔ مگر وقتی طور پر آنکھیں بند کر لینے کے بعد بھی میرے اندر کی الجھنیں کم نہیں ہوئی تھیں بلکہ گھٹن مزید بڑھنے لگی تھی۔ شاید فیصلے کی صلیب پر لٹکتے رہنا آسان نہیں۔

پھر ان ہی دنوں میں نے جاب کر لی تھی اور کسی حد تک بزی ہو گئی تھی مگر وہ معاملہ جوں کا توں وہیں اٹکا ہوا تھا۔ اس بات کا احساس اس روز مجھے ماما نے دلایا تھا، اس بابت دریافت کر کے اور میں خاموشی سے ان کی طرف تکتی رہ گئی تھی۔

''تبو! مسئلہ کیا ہے؟ مانا مشکل فیصلہ ضرور ہے مگر ناممکن تو نہیں۔'' مگر میں اسی طرح خاموشی سے سر جھکا گئی تھی۔

''ماما! میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا ہے۔ تیمور ضیاء میرے لیے بالکل انجانا شخص ہے، ان دیکھا۔ مجھے تو اس کے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں اور.....''

''اور علی حمزہ.....'' ماما نے یکدم مجھے ساکت کر دیا تھا۔ کتنی دیر تک میں انہیں اس طرح تکتی رہی تھی۔ پھر بڑی آہستگی سے دھیان پھیر کر شیشے کے اس پار برستی بارش کو دیکھنے لگی تھی۔ تبھی ماما بولی تھیں۔

''ابتاع! مسئلہ کیا ہے؟ ایک طرف تو تم تیمور ضیاء کے اجنبی ہونے پر پریشان ہو، دوسری طرف علی حمزہ ہے جسے تم اپنے بچپن سے جانتی ہو، اسے نظر انداز کر رہی ہو۔'' ماما کسی قدر غصے میں تھیں مگر میں کچھ نہیں بولی تھی۔

''اور کتنا وقت چاہیے تمہیں..... ابتاع؟ تم کوئی دنیا کی پہلی لڑکی تو نہیں ہو جس کے ساتھ یہ معاملات پیش آ رہے ہیں۔ تم تو پھر بھی لکی ہو، دو پروپوزلز ہیں تمہارے سامنے..... اور دونوں ہی بے حد شاندار۔ پھر مسئلہ کیا ہے؟''

''ماما! اس کے باوجود میں آنکھیں بند کر کے فیصلہ نہیں کر سکتی۔ بہت مشکل ہے یہ میرے لیے۔'' میرا لہجہ کسی قدم مدھم تھا۔ ماما نے مجھے دیکھا تھا اور پھر میرے قریب چلی آئی تھیں۔ میرے گرد بازو حمائل کر کے مجھے

اپنے ساتھ گلے لگا لیا تھا پھر میرا ہاتھ تھامتے ہوئے بڑی ملائمت سے میری جانب دیکھنے لگی تھیں۔

''دیکھو بیٹا، تم پر کوئی بر ڈن نہیں ہے۔تم مکمل آزادی کے ساتھ فیصلہ کر سکتی ہو، وقت کی بھی کوئی قید نہیں ہے مگر کوئی بھی فیصلہ کرنے سے قبل دل اور دماغ دونوں سے مشورہ طلب کر لینا بھی بہت ضروری ہے۔'' ماما کا لہجہ حلیم تھا مگر میں انہیں کچھ نہیں بتا سکتی تھی، کچھ بھی نہیں۔

یہ ٹھیک ہے مجھے علی حمزہ کے حق میں فیصلہ کرنا تھا مگر میں نے تیمور ضیاء کے حق میں بھی کوئی فیصلہ نہیں دیا تھا۔ اگر علی حمزہ کو اس قطار سے ہٹا دیا جاتا تو فقط تیمور ضیاء باقی بچتا اور بھلا میں پھر کوئی فیصلہ کیوں نہیں کر پا رہی تھی؟ کیوں اتنا الجھ رہی تھی؟ کیوں اتنا الجھ گئی تھی؟ جب مجھے علی حمزہ کے متعلق کوئی فیصلہ کرنا ہی نہیں تھا تو پھر میں اس قدر پریشان کیوں ہو رہی تھی؟ سوچ سوچ کر اتنا ہلکان کیوں ہو رہی تھی؟ جب کیو میں فقط تیمور ضیاء ہی تھا تو پھر مشکل کیا تھی؟ الجھنیں بہت تھیں مگر کسی الجھن کا کوئی جواب نہیں تھا۔

☆☆☆☆

کتنے بہت سے دنوں بعد علی حمزہ لوٹا تھا۔ میرے من پسند کتنے سارے چاکلیٹ لایا تھا اور اس شام سپرائیٹ کے ساتھ اسنیکس کی بائٹ لیتے ہوئے ہم کتنی دیر تک چھوٹی چھوٹی باتیں کرتے ہوئے ہنستے رہے تھے۔ کتنے دنوں بعد علی حمزہ کا موڈ اس پہلے والے علی حمزہ جیسا ہوا تھا۔ کتنے دنوں بعد وہ پہلے والا علی حمزہ لگا تھا، تبھی میں نے مسکراتے ہوئے اس کی جانب دیکھا تھا۔

''کتنی دیر تک دربدر بھٹکتے رہو گے......شادی کر لو اب......کم از کم گھر لوٹو گے تو کوئی انتظار کرنے والا تو ہو گا۔ اسی بہانے تمہیں یہ احساس بھی تفاخر میں مبتلا کر دے گا کہ تم کتنے اہم ہو۔'' میں نے چھیڑا تھا مگر اس کے چہرے کے تاثرات لمحے بھر میں بدلے تھے۔ ایک لمحے وہ لب بھینچ کر میری طرف سے دھیان پھیر گیا تھا اور میں چاہتی تھی کہ وہ اس لمحے کا سامنا کرے۔ اس حقیقت کو فیس کرنا سیکھے۔ تبھی میں نے اس کی جانب دیکھا تھا۔

''علی حمزہ! زندگی بوجھ نہیں ہے جسے ناتواں مزدوروں کی طرح اپنے کمزور کندھوں پر ڈھوتے ہوئے کسی سزا کی طرح گزار دیا جائے، بہت خوب شے ہے۔ قدرت کا ایک حسین انعام ہے۔ واپس لوٹ آؤ زندگی کی طرف۔'' مگر وہ چہرے کا رخ پھیرے سپرائیٹ کے سپ لیتا رہا تھا۔ میں نے بہت آہستگی سے اسنیکس والا ہاتھ اس کی جانب بڑھایا تھا۔

''زندگی اس چاکلیٹ کی طرح میٹھی اور مزیدار ہے۔ کھا کر دیکھو، تمہارے اندر کی کڑواہٹ کسی قدر کم ہو جائے گی۔'' میں مسکرائی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر میرے ہاتھ سے چاکلیٹ لے لیا تھا مگر میری طرف دیکھا پھر بھی نہیں تھا۔

''کب تک یوں اندھیروں میں بھٹکتے رہو گے؟ کب تک روشنی کا سامنا کرنے سے ڈرتے رہو گے......علی حمزہ......؟''

''میں کسی اور کو اس اندھیرے میں دفن نہیں کر سکتا۔ اتباع حق'' اس کا لہجہ بہت مدھم تھا۔

''تم زندگی سے بھاگ رہے ہو؟''

''نہیں..... میں تمام سچائیوں کو تسلیم کرتا ہوں۔ تبھی..... اتباع حق..... تبھی میں کسی اور کو اس سزا میں شامل نہیں کرنا چاہتا۔ جو سزا میرے نام ہے، اسے مجھے ہی کاٹ لینے دو۔'' وہ اب بھی میری جانب متوجہ نہیں تھا۔

''کتنا بدل گئے ہو تم علی حمزہ!'' میرا لہجہ بے یقین تھا اور وہ دھیمے سے ہنس دیا تھا۔

''وقت..... وقت بدل دیتا ہے اتباع حق۔ ہم بذات خود کچھ نہیں ہیں، ہمارا کوئی بھی فعل اپنا نہیں ہے۔''

''ایک مزید بہلاوہ..... ایک جھوٹی تسلی۔'' میں مسکرائی تھی اور وہ سر اٹھا کر مجھے دیکھنے لگا تھا۔ میں اس سے قطع نظر چاکلیٹ کی بائیٹ لینے لگی تھی۔

''اتباع حق میری زندگی کا سچ بہت کڑوا ہے۔ اسے پینا یا سہنا سہل نہیں ہے، جب میں خود اس حقیقت سے واقف ہوں تو پھر کسی اور سے کیا امید رکھوں۔'' تبو! تم جانتی ہو زندگی کے معاملے میں میری سوچ کتنی صاف ہے۔ میں جھوٹ نہیں بول سکتا۔ اور سچ..... سچ بے حد کڑوا ہے۔''

''لیکن علی.....''

''اتباع حق پلیز! میں اس ضمن میں مزید کوئی گفتگو نہیں چاہتا۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کر یکدم مجھے مزید بولنے سے روک دیا۔ میں اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ جب وہ کسی قدرے دھیمے انداز میں مسکرایا تھا۔

''فی الحال تم اپنے بارے میں بات کرو۔ تم بتاؤ کیا ہوا اس پروپوزل کے متعلق فیصلہ کیا تم نے؟ اور وہ تیمور ضیاء پاکستان آنے والا تھا نا..... آیا کیوں نہیں اب تک؟'' کتنے نارمل انداز میں وہ دریافت کر رہا تھا۔

مگر میں چپ چاپ بنا اس کی سمت دیکھے اٹھ گئی تھی۔ تبھی اس نے بہت آہستگی سے میرا ہاتھ تھام لیا تھا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تھا وہ میری جانب دیکھتا ہوا مسکرا رہا تھا۔

''ایک وقت میں ایک ہی شادی ہو جانے دو تبو..... فی الحال تمہارا ہی معاملہ کافی ہے۔ سوچو جب تمہاری شادی کے ذکر پر مجھے اتنی جلن محسوس ہو رہی ہے تو میری شادی پر تمہیں کتنا حسد محسوس نہ ہوگا۔'' وہ چھیڑ رہا تھا یقیناً میرا موڈ بدلنا چاہ رہا تھا مگر میں مسکرائی نہیں تھی۔ بہت آہستگی سے اس کے ہاتھ کی گرفت سے اپنا ہاتھ نکالا تھا اور وہاں سے ہٹ گئی تھی۔

پھر بہت دنوں تک میں علی حمزہ سے نہیں ملی تھی اور وہ بھی شاید مصروف تھا تبھی وہ ملنے نہیں آیا تھا۔ مگر انہی دنوں تیمور ضیاء آن پہنچا تھا، جس کے آنے کی امید مجھے کم از کم بالکل نہیں تھی۔

''کتنی لکی ہو نا تم اتباع۔ دونوں پروپوزلز کتنے شاندار ہیں۔ دونوں ہی بندے ہینڈسم بھی۔ سنو اسی لیے

تمہیں فیصلے میں مشکل ہو رہی تھی۔ تم ایسا کرو، آنکھیں بند کر کے قرعہ ڈال لو۔'' لاؤنج کا پردہ ہٹا کر لیونگ روم میں دیکھتے ہوئے عریشہ نے مسکراتے ہوئے اپنی نادر و نایاب رائے دی تھی اور میں اپنے بیڈ پر گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے شیشے کے اس طرف برستی بارش کو دیکھتی رہی تھی۔

عریشہ متواتر بھاگتی ہوئی لاؤنج سے میرے کمرے تک کا سفر کر رہی تھی اور لمحے لمحے کی رپورٹ مہیا کر رہی تھی۔

''ماما تمہیں بلا رہی ہیں۔'' وہ یکدم چہکی تھی، میں نے قطعاً اس کا کوئی نوٹس نہیں لیا تھا مگر تھوڑی دیر بعد جب وہ لوٹی تھی تو اپنے ہمراہ ایک اہم ترین پیغام لائی تھی۔

''ماما نے تمہیں تیار ہو کر لیونگ روم میں آنے کے لیے کہا ہے۔'' وہ مسکرا رہی تھی اور میں ایسے ہی کسی حکم کی منتظر تھی۔ تبھی بے دلی سے اٹھ کر وارڈ روب کے سامنے کھڑی ہو کر ڈریس نکالنے لگی تھی۔

''میں مدد کروں کچھ؟'' عریشہ مسکراتی ہوئی مجھے چھیڑ رہی تھی مگر میں کچھ نہیں بولی تھی۔ ایک شیفون کا کاپر کلر کا سوٹ نکال کر بیڈ پر دھرا تھا پھر خود فریش ہونے کے لیے واش روم میں گھس گئی تھی۔

مجھے بھیڑ بکریوں کی طرح لڑکیوں کا اس طرح دکھاوے کے لیے جانا قطعاً پسند نہ تھا مگر اس فعل کو ناپسند کرنے کے باوجود آج میں خود ایک شخص کے سامنے دکھاوے کے لیے موجود تھی۔ وہ مجھے خصوصی نظروں سے دیکھ رہا تھا، جیسے میں اس دنیا کی مخلوق نہ ہوں یا جیسے میں کوئی ایلین ہوں۔

رات جب کھانے کے بعد میں ٹیرس پر تھی اور لاؤنج میں کافی کا دور چل رہا تھا، ماما نے اسے میرے پاس بھیج دیا تھا۔ میں سر اٹھائے تاروں سے بھرے آسمان کو دیکھ رہی تھی، جب اس نے مجھے چونکا دیا تھا۔

''ستاروں کے اعداد و شمار سے کچھ شغف ہے آپ کو؟'' میں نے مڑ کر دیکھا تھا، وہ میرے بہت قریب کھڑا تھا۔ میرے دیکھنے پر اس نے دو قدم کا فاصلہ بھی مٹا دیا تھا اور میرے قریب آن کھڑا ہوا تھا۔

''کیوں، آپ کو بھی یہی شوق لاحق ہے؟'' میں نے جواباً ترکی بہ ترکی کہا تھا اور وہ مسکرا دیا تھا۔

''مے بی۔'' میری جانب دیکھتے ہوئے اس نے کسی قدر بے فکری سے شانے اچکائے تھے، میں دھیان پھیر گئی تھی۔ وہ بغور مجھے تکنے لگا تھا۔ مجھے اس کا اس طرح دیکھنا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ شاید اس کی نظروں میں وہ تقدس نہیں تھا، وہ رسپکیٹ نہیں تھی، جس کی میں اپنے اردگرد لوگوں سے عادی رہی تھی یا پھر پہلی بار مجھے کوئی اس طرح اس خاص زاویے سے دیکھ رہا تھا مگر میں اس طرح کی نظروں کی عادی نہیں تھی، اس لیے کسی قدر ناگواری کا تاثر میرے چہرے پر ابھر آیا تھا۔ مگر وہ اس سے قطع نظر ہونے کے باعث میرے چہرے پر اڑتے ہوئے بالوں کو ہاتھ بڑھا کر چھوتے ہوئے مسکرایا تھا۔ پھر شستہ انگیزی میں گویا ہوا تھا۔

''بہت خوب صورت ہو تم..... بے حد مجھے تو یقین نہیں ہو رہا..... پاکستان میں اتنا حسن بھی ہو سکتا ہے۔'' اس کا مدھم لہجہ کس قدر بہکا ہوا تھا۔

میں ایک لمحے میں پیچھے ہٹی تھی، مگر وہ ہنس دیا تھا۔

''اوہ دس شائنس۔ یونو مجھے مشرق کا یہ جادو بڑا دلربا لگتا ہے، سر چڑھ کر بولتا ہے۔ مغرب کی ساری میموں کا حسن ایک طرف دھرا رہ جاتا ہے۔''

''آپ پہلی بار پاکستان آئے ہیں؟'' میں نے کسی حد تک خود پر قابو رکھتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

''شاید.....'' اس نے کسی قدر سوچتے ہوئے کہا تھا۔ پھر مسکرا دیا۔'' جب اتنا حسن سامنے ہو تو یاد کسے رہتا ہے۔ ویسے غالباً پہلی بار ہی آیا ہوں۔'' وہ ہنسا تھا۔ میں چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

''تم یہ مت سمجھو کہ میں نے پہلی بار کوئی حسین چہرہ دیکھا ہے، دراصل حسن تو بہت دیکھا ہے مگر اس طرح کا نہیں۔ سمٹا سمٹایا۔ مکمل مشرقی تہذیب کا پروردہ یہ آنچل۔'' اس نے یکدم میرے آنچل کو چھوا اور ہنس دیا۔

''وہاں یہ سب نہیں ہوتا..... وہاں کی دنیا بہت مختلف ہے۔ تم بتاؤ کس چیز کا شوق ہے۔ آئی مین ہابیز کیا ہیں تمہاری؟''

''کچھ خاص نہیں ہیں..... وقت ہی نہیں ملتا۔'' میں جیسے اسے زبردستی برداشت کر رہی تھی۔ تیمور ضیاء نے کسی قدر حیرت سے مجھے دیکھا تھا۔

اتنی خوب صورت لڑکی کی کوئی ہابیز ہی نہیں۔ ہاؤ پاسیبل۔

''ایکسکیوزمی..... فقط ہابیز رکھنے سے یا جان لینے سے ہمسفر نہیں بنایا جا سکتا۔ زندگی گزارنے کے لیے اور بھی بہت سی باتیں ضروری ہوتی ہیں۔ میں نے کہنے کے ساتھ ہی پلٹ کر تیزی سے قدم اپنے کمرے کی جانب بڑھا دیئے تھے۔

''آہ، کینیڈین شہرت..... اور اس کا یہ غیر مہذب شہری کینیڈین بورن کنفیوژڈ پاکستانی..... جو نہ پاکستان کو جانتا ہے۔ نا اس کی تہذیب و تمدن کو..... جسے ویلیوز، کے نام پر فقط کینیڈا کی ویلیوز ازبر ہیں۔ اور.....'' میں نے کمرے میں آ کر شیفون کا دوپٹہ ایک طرف اچھالا تھا۔ سینڈل اتار کر ایک طرف پٹخے تھے اور خود بیڈ پر گر گئی تھی۔ غصے سے برا حال تھا میرا اور شاید زندگی میں پہلی بار مجھے اتنا غصہ آیا تھا۔

''بظاہر کسی کے گڈلکنگ ہونے سے یا باہر کی شہریت رکھنے سے سب کچھ نہیں ہوتا۔ میری سماعتوں میں علی حمزہ کی مدھم سرگوشی ابھری تھی۔

''تیمور ضیاء اور اس کی سو کالڈ مغربی ویلیوز۔''

میں نے ایک لمحے میں فیصلہ کیا تھا۔

اور جب ماما نے سنا تھا تو کسی قدر حیرت سے مجھے دیکھا تھا۔

''دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا..... تم تیمور ضیاء کو ریجیکٹ کر رہی ہو۔ جانتی ہو کس قدر تابناک مستقبل

ہوگا تمہارا اور تم کتنے آرام سے اپنے اوپر ہونے والی اس خوشی نصیبی کو لات مار کر بھاگ رہی ہو۔''

''بس مجھے نہیں کرنا اس کے ساتھ رشتہ۔ پسند نہیں ہے مجھے وہ۔ زمین آسمان کا فرق ہے اس میں اور مجھ میں۔ مشرقی ویلیوز سے متعلق اس کا اندازہ انتہائی مضحکہ خیز تھا، جیسے پاکستان سے اس کا واسطہ کبھی رہا ہی نہ ہو۔ کتنی جلد بھول جاتے ہیں لوگ اپنی اوقات۔ وہاں دوئم درجے کے شہری ہونے کے باوجود جب یہاں آتے ہیں تو خود کو یوں پوز کرتے ہیں جیسے رئیل کینیڈین تو یہی ہیں۔ ماما آپ نے فیصلہ مجھ پر چھوڑا تھا پھر اس قدر برہمی کا مظاہرہ کیوں کر رہی ہیں۔ جب یہ حق مجھے تھا تو میں نے اسے استعمال کر لیا ہے، مجھے پسند نہیں ہے۔ یہ کینیڈین بن کنفیوزڈ پاکستانی جو اپنے مغربی ہونے پر فخر کرتا ہے اور پاکستانی نہ ہونے پر قطعاً شرمندہ نہیں۔''

اور ماما مجھے دیکھ کر رہ گئی تھیں۔ پھر قدرے توقف سے بڑی ملائمت سے گویا ہوئی تھیں۔

''دیکھو..... ایک بار کے مل لینے سے کوئی کسی کے متعلق بھی کوئی حتمی رائے قائم نہیں کر سکتا۔ یہ تم کم از کم دو تین بار تو مل لو اس سے۔ وہ اپنی کتنی ضروری میٹنگز چھوڑ کر یہاں پاکستان آیا ہے۔ فقط تمہارے لیے تمہیں دیکھنے کے لیے تمہیں ملنے کے لیے۔ دیکھو اتباع اتنی جلد فیصلہ ٹھیک نہیں۔ تم میری خاطر اسے مل لو۔'' ماما جانے اپنی اس بہن رافعہ سے خوفزدہ تھیں یا پھر انہیں تیمور ضیاء ہی اتنا پسند تھا کہ وہ مجھے اسے مزید ملنے پر اصرار کر رہی تھیں اور میں ان کی بات رد نہیں کر سکتی تھی۔

اگلے کئی دن بھی علی حمزہ میری طرف نہ آیا تو میں نے گھر فون کیا۔ تب انکل نے مطلع کیا کہ وہ پچھلے کئی دنوں سے کینیڈا کے ٹور پر ہے اور اب تو واپس آنے والا ہے۔ اس دن کے بعد سے میری اس سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ جس قسم کی صورت حال مجھے درپیش تھی، اس میں مجھے کسی دوست کی کمی شدت سے محسوس ہو رہی تھی اور علی حمزہ کے آنے میں ابھی پتہ نہیں کتنے دن تھے۔

اس روز تیمور ضیاء آیا تھا اور ماما پاپا سے مجھے باہر لے جانے کی اجازت طلب کی تھی۔ ماما نے آ کر مجھے تیار ہونے کے لیے کہا تھا تو میں نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔

''ماما! آپ اسے منع کر دیں، مجھے کہیں نہیں جانا ہے۔''

''کیا بچپنا ہے اتباع۔ کوئی غیر نہیں ہے، وہ تمہارا کزن بھی ہے۔ پہلی بار پاکستان آیا ہوا ہے، کیا حرج ہے اگر تم اسے اس شہر کی ایک آدھ جگہ دکھا دو۔''

''ماما! میں کوئی ٹورسٹ گائیڈ نہیں ہوں۔ اگر اسے گھومنا پھرنا ہے تو کسی ٹورسٹ گائیڈ کی مدد لے۔''

''اتباع۔'' ماما نے مجھے ڈپٹا تھا۔ تبھی میں سر جھکا گئی تھی۔

''ماما! تیمور ضیاء دنیا کا آخری شخص نہیں ہے۔'' میں بھرے ہوئے قدموں سے وارڈ روب کی جانب بڑھ گئی تھی۔

اور کتنی عام سی تیاری کی تھی اپنی دانست میں۔ فقط براؤن لپ اسٹک لبوں پر پھیر کر بال سنوارے تھے

اور دوپٹہ اوڑھ کر باہر نکل آئی تھی مگر اس شخص کی نگاہیں پھر بھی اپنے آر پار محسوس کر رہی تھی۔

''کتنا متناسب، تراشیدہ جسم ہے تمہارا۔ اگر تم مغربی ڈریسنگ کرو تو بہت خوب صورت لگو گی۔'' وہ جانے کس اینگل سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں نے سفید شیفون کے دوپٹے کو مزید پھیلا لیا تھا۔ صد شکر تھا وہ ماما کے بہت اصرار کے باوجود بھی ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا ورنہ شاید میری برداشت جواب دے چکی ہوتی۔

کراچی میں ان دنوں بارش کا سیزن تھا اور اب بھی ہلکی ہلکی بوندا باندھی ہو رہی تھی۔ تیمور ضیاء کے ساتھ اس کا ڈرائیور بھی تھا اور وہ خود میرے ساتھ براجمان تھا۔

''کراچی کی کون سی جگہ سب سے زیادہ خوبصورت ہے؟'' میں کھڑکی کی سمت رخ پھیرے بیٹھی تھی، جب اس نے مجھ سے دریافت کیا تھا۔ میں نے چونک کر دیکھا تھا۔ وہ مسکرایا تھا مگر میرا دل یکدم ہی ہولنے لگا تھا۔ شہر اپنا تھا، ملک اپنا تھا، گلیاں کوچے اپنے تھے مگر وہ شخص جو اس گھڑی ہمراہ تھا، وہ اپنا نہیں تھا۔ شاید اسی لیے اس کی نظروں میں نہ میرے لیے کوئی رسپیکٹ تھی، نہ کوئی تقدس۔

گاڑی سی ویو کی جانب رواں دواں تھی۔

میرا ہاتھ یکدم کسی کی گرفت میں آیا تھا۔ مجھے جیسے کرنٹ چھو گیا تھا۔ میں نے دیکھا تیمور ضیاء مسکرا رہا تھا۔

''تمہارے ایشیاء میں کتنی حد بندیاں ہیں نا..... بندہ تو مر جائے ضبط قائم رکھنے کو۔ کیسے جیتے ہو تم لوگ۔'' جانے کب وہ میرے قریب ہو گیا تھا۔ میرے چہرے پر آئی ہوئی لٹ کو بہت ہولے سے چھوتے ہوئے وہ مدھم لہجے میں گویا ہوا تھا اور میری جیسے جان ہوا ہو گئی تھی۔ وہ جھک رہا تھا، بے خود ہو رہا تھا۔

''مسٹر تیمور ضیا!'' میں نے قدرے درشت انداز میں ڈپٹتے ہوئے تنبیہہ کی تھی مگر اس پر مطلق اثر نہ ہوا تھا۔

''کتنی خوب صورت ہیں یہ آنکھیں۔ کتنے دلکش ہیں یہ لب۔'' اس نے اپنی شہادت کی انگلی پیشانی سے لکیر بناتے ہوئے لبوں پر لا روکی تھی۔ میں نے اس بدتمیزی اور گستاخی پر اسے ایک زوردار تھپڑ رسید کیا تھا۔ وہ میری جانب کسی قدر بے یقینی سے دیکھنے لگا تھا۔

''ڈرائیور، گاڑی روکو۔'' میں نے قدرے درشت انداز میں کہا تھا۔ گاڑی ایک لمحے میں رک گئی اور میں دروازہ کھول کر اتر گئی۔

چاروں سمت ویرانہ تھا۔ یہ سی ویو کے بیچ کا راستہ تھا۔ رات کے اس پہر میں وہاں تنہا کھڑی تھی، تیمور ضیاء اس ایک تھپڑ کے جواب میں گاڑی بھگا لے گیا تھا۔ پہلے کے مقابلے میں ہونے والی بوندا باندی اب تیز بارش کا روپ دھار چکی تھی اور میں تنہا کھڑی بھیگ رہی تھی۔ بے بسی کے احساس سے آنکھیں یکدم بھری تھیں اور پھر چھلک بھی پڑی تھیں۔ کبھی ایسا نہیں سوچا تھا میں نے کہ میرے ساتھ ایسی صورت حال پیش آ سکتی ہے۔ میں

اپنے ہی شہر میں بے اماں تھی، وہ شخص جس کے ہاتھ میرے والدین میری ڈور سونپنا چاہتے تھے، وہی مجھے اس ویرانے کے بیچوں بیچ لاچار وہ بے مددگار چھوڑ گیا تھا۔ بارش کے باعث کتنے منچلوں کی ٹولیاں گاڑیوں میں بھری سی ویو کی سمت رواں دواں تھیں اور ایسے میں اس راہ پر کھڑی ایک لڑکی جیسے ان کے لیے آسان شکار تھی۔ میں کسی درجہ تیزی کے ساتھ سی ویو کی جانب دوڑ لگا رہی تھی۔ قدم من من بھر کے ہو رہے تھے، ٹانگیں شل ہو رہی تھیں مگر میں بھاگتی چلی جا رہی تھی۔ تیز بارش کے باعث میں مکمل طور پر بھیگ چکی تھی۔ ایک جھڑی آسمان کی تھی اور ایک میری آنکھوں کی۔ میرے شولڈر پر پرس تھا اور پرس میں موبائل فون مگر اس طرح کی کیفیت میں کہیں بھی قطعاً فون نہیں کر سکتی تھی۔ بہت ٹھٹھے لگاتے گاڑی میں ٹھنسے لڑکے فحش قسم کے جملے اچھال رہے تھے، ہنس رہے تھے مگر میرے کان جیسے ہر طرف سے بند تھے۔ اپنے قدموں کی رفتار میں نے اور بڑھا دی تھی اور اسی طرح بھاگتی ہوئی بالآخر ایک ریسٹورنٹ میں گھس گئی تھی۔ ایک میز پر بیٹھتے ہوئے میں نے اپنے اوسان بحال کیے تھے اور پھر پرس سے موبائل نکال کر غیر ارادی طور پر علی حمزہ کا نمبر ملا لیا تھا۔ اردگرد بیٹھے لوگ مجھے کسی قدر حیرت سے دیکھ رہے تھے مگر مجھے پروا نہیں تھی۔

''ہیلو علی حمزہ! میں مشکل میں ہوں، پلیز آ جاؤ۔'' میں ایک لمحے میں ضبط پھر ہارنے لگی تھی مگر میں نے اپنی آنکھوں کو سختی سے رگڑ دیا تھا۔

''ہیلو تبو کہاں ہو تم؟ کیا ہوا ہے؟'' علی حمزہ کی آواز میری سماعتوں میں پڑی تھی مگر میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

''پلیز علی حمزہ، بہت مشکل میں ہوں۔ پلیز جلدی یہاں پہنچو۔'' میں نے اسے ریسٹورنٹ کا نام بتا کر فون بند کر دیا تھا۔ شاید میری حالت بہت مخدوش تھی۔ تبھی کئی تعجب خیز نظریں مجھے اپنی سمت اٹھتی محسوس ہو رہی تھیں۔ شاید جس طرح میں ریسٹورنٹ میں بھاگتی ہوئی داخل ہوئی تھی وہ عمل ہی دیکھنے والوں کے لیے حیرت کا باعث تھا پھر میرا بھیگا ہونا..... ایک لمحے میں میری اس طرف توجہ گئی تھی اور میں نے شیفون کے آنچل کو پھیلا کر اوڑھ لیا تھا۔ اس ریسٹورنٹ میں ہم کئی بار آ چکے تھے۔ تمام عملہ واقف تھا، تبھی کسی حد تک میں خود کو وہاں محفوظ محسوس کر رہی تھی۔ میری نظر بار بار میری رسٹ واچ پر پڑ رہی تھی۔ پندرہ یا بیس منٹ گزرے ہوں گے، جب میں نے علی حمزہ کو ریسٹورنٹ میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔ وہ بڑی سرعت سے میری جانب بڑھا تھا۔

''تبو کیا ہوا؟'' شاید کوئی اور جگہ ہوتی تو میں پہلی فرصت میں اس کے شانے پر سر رکھ کر رونے لگتی مگر میں یونہی ضبط کیے بیٹھی رہی تھی۔ اس نے مجھے..... میری حالت کو قدرے حیرت سے دیکھا تھا پھر بڑی آہستگی سے اس نے اپنا کوٹ اتار کر میرے شانوں پر ڈال دیا تھا اور میرے مقابل بیٹھتے ہوئے اپنی نگاہ پھیر گیا تھا۔ میں نے اپنے شانوں پر دھرا اس کا سیاہ کوٹ دیکھا تھا، پھر بہت ہولے سے اس کی سمت نگاہ کی تھی۔ یکدم ہی مکمل تحفظ کا احساس میرے رگ و پے میں اترا تھا۔

''کیا ہوا ہے؟ اب بتاؤ مجھے۔'' مگر میں نے بہت ہولے سے سرنفی میں ہلایا تھا۔

''گھر چلو..... بس۔'' علی حمزہ نے کسی قدر بے یقینی سے مجھے دیکھا تھا مگر اس سے اگلے ہی لمحے وہ اٹھ کر باہر نکل رہا تھا۔ ابھی جن راستوں پر میں غیر محفوظ انداز میں پاگلوں کی طرح سرپٹ بھاگتی ہوئی جائے پناہ ڈھونڈ رہی تھی، انہی راستوں پر گزرتے ہوئے اب ایک انجانے سے تحفظ سے سرشار تھی۔

''مجھے بتاؤ گی تم ہوا کیا تھا؟'' اب کے وہ کسی قدر ڈپٹنے والے انداز میں بولا تھا اور تبھی میں نے بہت ہولے سے ساری کتھا اس کے گوش گزار کر دی تھی۔ دوسرے ہی لمحے اس کی رگیں تن گئی تھیں۔

''تمہیں اس کے ساتھ آنے کے ضرورت کیا تھی۔'' اس نے میرے بہتے ہوئے آنسوؤں کو دیکھا تھا اور پھر کوفت سے بولا تھا۔

''پلیز اتباع! کیا کمزور لڑکیوں کی طرح بی ہیو کر رہی ہو۔ آنسو پونچھو اپنے اور تمہیں اسے فقط ایک تھپڑ نہیں دو تھپڑ رسید کرنے چاہئیں تھے۔''

میں ہاتھ کی پشت سے اپنی آنکھیں رگڑنے لگی تھی۔

''میں نے خود کو کبھی اتنا بے بس اور غیر محفوظ محسوس نہیں کیا۔ مجھے آج پتہ چلا کہ تحفظ کا احساس کیا ہوتا ہے۔ اور.....'' میری آنکھوں سے پھر آنسو رواں تھے۔

''اتباع.....'' اس نے ایک اچٹتی نگاہ مجھ پر ڈالتے ہوئے ٹشو پیپر میری جانب بڑھا دیا تھا۔

''پونچھو اپنی آنکھیں..... اور اب رونا نہیں۔'' میں نے ٹشو اس کے ہاتھ سے لے کر اپنی آنکھیں رگڑی تھیں۔ ونڈ اسکرین پر تیزی کے ساتھ وائپر چل رہے تھے اور وہ خاموشی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ میں کسی قدر اطمینان سے سر سیٹ کی پشت سے ٹیک کر آنکھیں موند گئی تھی۔

☆☆☆☆

ہمارے ہاں والدین کی ایک بہت بڑی مجبوری ہے اپنی بیٹیوں کے آئندہ مستقبل کے لیے وہ بے حد پریشان رہتے ہیں اور پھر کوئی بھی معقول رشتہ ہاتھ لگتے ہی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں کہ وہ ہاتھ سے نہ نکلے۔ دراصل وہ بیٹیوں کا مستقبل محفوظ دیکھنا چاہتے ہیں۔ تیمور ضیاء بھی ایک ایسا ہی سنہرا خواب تھا، جسے ماما میرے لیے تعبیر کرنا چاہتی تھیں مگر یہ سنہرہ خواب بہت بھیانک ثابت ہوا تھا اور صد شکر تھا کہ میری آنکھ بہت جلد کھل گئی تھی۔

ماما نے اپنے اس بھانجے کو فوراً سے پیشتر رخصت کر دیا تھا اور فون کر کے رافعہ آنٹی کو خوب سنائی تھیں۔ وہ خود کو بہت گلٹی فیل کر رہی تھیں۔

''سب میرے باعث ہوا۔ اگر میں تمہیں مجبور نہ کرتی تو تم شاید نہ جاتیں۔''

''کم آن ماما۔ بھول جائیں، میں صحیح سلامت آپ کے سامنے ہوں۔'' میں انہیں کوئی پریشانی نہیں دینا چاہتی تھی، تبھی مسکراتے ہوئے ان کے گلے میں بازو حمائل کر دیے تھے مگر یہ سچ تھا کہ اس رات کے واقعے

سے میرے اندر بے حد خوف بیٹھ گیا تھا۔ پہلے جو میں خودکار ڈرائیو کر کے آفس جاتی تھی، اب پاپا سے کہہ کر ڈرائیور رکھوا لیا تھا۔ اس کے باوجود راتوں میں سوتے ہوئے اچانک ایک شدید ترین خوف سے میری آنکھ کھل جاتی تھی۔ کبھی وہی واقعہ کسی فلم کی طرح چلنے لگتا تھا اور میں سوتے سے جاگ جاتی تھی۔ میں نے بے حد محتاط رویہ اپنانا شروع کر دیا تھا مگر یہ خوف میرے اندر بیٹھ گیا تھا۔ میں نے اپنی اس پریشانی کو علی حمزہ کے سامنے رکھا تو وہ مجھے دیکھنے لگا۔

''کیوں سر پر سوار کر رہی ہو۔ بہت کچھ ہوتا ہے یہاں۔ ایک معمولی کا حادثہ سمجھ کر بھلا دو اسے بھی۔ سمجھو کوئی بھیانک خواب تھا۔

''مگر یہ خواب نہیں تھا علی حمزہ۔ مجھے وہ سنسان ویران راستہ نہیں بھولتا۔ وہ منظر نہیں بھولتا، جب میں غیر محفوظ انداز میں کسی جائے پناہ کے لیے سرپٹ دوڑ رہی تھی اور.....'' تھک کر چپ ہو گئی تھی اور سر جھکا گئی تھی۔ وہ میری جانب دیکھنے لگا تھا۔ پھر بہت آہستگی سے گویا ہوا تھا۔

''اتباع حق، زندگی میں بہت کچھ ہوتا ہے۔ جھیلنا سیکھو، سمیٹنا سیکھو۔ اگر یونہی ایک بات کو لے کر پریشان ہوتی رہیں تو تم پاگل ہو جاؤ گی..... اور یہ میں نہیں چاہتا ہوں۔ تم روشن پہلو کیوں نہیں دیکھتی ہو۔ تم ایک عظیم نقصان سے بچ گئی ہو، ایک چھوٹے سے واقعے نے اس شخص کی اصلیت تم پر کھول دی۔ سوچو، خدانخواستہ اگر ایسا کچھ بہت بعد میں ہوتا تو تم پھر کیا کرتیں؟'' میں اسی طرح سر جھکائے بیٹھی رہی تھی اور تبھی اس نے میرے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھر دیا تھا۔

''صد شکر ہے تم جاتے جاتے رہ گئیں۔'' میں نے سر اٹھا کر دیکھا، وہ مسکرا رہا تھا۔ اور میں جانتی تھی وہ میرا موڈ ہمیشہ کی طرح بحال کرنا چاہتا ہے، تبھی مسکرا دی تھی۔

''تم نے بددعائیں دی تھیں نا.....؟''

''اوں ہوں..... دعائیں دی تھیں، تبھی تو رنگ لے آئیں۔ اب اپنے اماں ابا سے کہنا خوب چھان پھٹک کر بات آگے بڑھائیں۔ مانا یہ ایک اہم ترین فریضہ ہے مگر بیٹیاں بوجھ نہیں ہیں، جنہیں کوئی بھی سراب نظر آنے پر جھونک دیا جائے۔'' یہ علی حمزہ تھا..... جو کبھی خوب مزے لے لے کر اپنے افیئرز کی باتیں..... قصے کہانیاں مجھے سنایا کرتا تھا اور اب..... کتنی سمجھ داری کی باتیں کر رہا تھا۔ میں کس درجہ حیرت سے اسے تکتی جا رہی تھی۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟ ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ اگر تمہیں کہنے میں عار ہو تو مجھے کہہ دو۔ میں انکل، آنٹی تک یہ بات پہنچا دوں گا۔'' وہ بولا تھا اور میں فقط خاموشی سے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

☆☆☆☆

عریشہ پاؤں پٹختی ہوئی اندر آئی تھی، میں جونیٹ سرفنگ کر رہی تھی، اسے سرسری انداز میں دیکھتے

ہوئے دھیان دوبارہ پھیر گئی تھی۔

''کتنے بور ہو تم سب۔ اور تم..... اتباع حق کتنی بور ہو تم بھی۔ کیا کیا ہو پس نہ لگا لی تھیں میں نے تم سے۔ تمہاری شادی ہو گی، میں یوں کروں گی، ایسے کپڑے بنواؤں گی مگر تم نے ایک لمحے میں ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا اور اب.....'' وہ جلے دل کے پھپھولے پھوڑ رہی تھی۔ میں مسکرا دی تھی، تبھی وہ یکدم بولی تھی۔

''اتباع حق، تم علی حمزہ سے متعلق سیریس کیوں نہیں ہو..... تمہیں نہیں لگتا تم خوامخواہ اسے نظر انداز کر رہی ہو..... حالانکہ تمہیں ایسا کرنا نہیں چاہیے۔ میرے خیال سے تم دونوں کا پیئر بیسٹ ہو گا اور.....'' میرے متحرک ہاتھ ایک لمحے میں تھمے تھے۔

''اتباع حق، تم علی حمزہ سے شادی کر لو نا..... سچ اتنا مزہ آئے گا۔ کوئی تو انجوائے منٹ ہاتھ آئے گی۔''

''کتنا اچھا ہے نا علی حمزہ..... تمہیں سمجھتا ہے، انڈر اسٹینڈ کرتا ہے۔ تم اسے جانتی ہو، سمجھتی ہو، پھر مسئلہ کیا ہے؟'' میں نے ہولے سے گردن موڑ کر دیکھا تھا۔ عریشہ میرے بیڈ پر لیٹی میری جانب دیکھ رہی تھی۔

''اتباع حق اتنا وقت ضائع کیوں کر رہی ہو..... مجھے نہیں معلوم..... مگر لکھ کر رکھ لو تمہیں علی حمزہ سے اچھا لائف پارٹنر کہیں نہیں ملنے والا۔'' اس نے مسکراتے ہوئے دعویٰ کیا تھا۔ میں نے گردن واپس موڑ لی تھی۔

''اتباع! میرا دل چاہتا ہے میں ایک گھر بناؤں، اسے بساؤں، آباد کروں۔ اس کی حفاظت کروں، یہ میرا بہت پرانا خواب ہے۔'' میرے اندر کہیں کوئی سرگوشی ابھری تھی۔

''اتنی ٹینشن کیوں لے رہی ہو۔ کہا تو ہے میں نے ایسی کوئی بات نہیں ہے، جانتی ہو تبو! ہمارے والدین کی ایک مجبوری ہوتی ہے، یہ ہمیں ہر اچھی سے اچھی شے سونپنا چاہتے ہیں۔ چاہے ہم اسے ڈی زرو کریں یا نہ کریں، جانتی ہو کیوں۔ کیوں کہ وہ ہمیں خوش دیکھنا چاہتے ہیں، مگر اس معاملے میں میرے پاپا حق پر نہیں ہیں۔ آئی ایم سوری، اگر تمہاری دل آزاری ہوئی ہو تو..... میں جانتا ہوں نا..... میں تمہارے قابل نہیں ہوں۔ پھر.....؟''

''اچھا یہ بتاؤ..... اگر یہ سب نہ ہوا ہوتا تو تب تمہارا کیا جواب ہوتا؟''

''ایک بات تم بھی جانتی ہو..... میں بھی جانتا ہوں۔ آئی کانٹ لوز یو۔ میں نے تم میں سب کچھ پایا ہے، اپنا ہر رشتہ، تمہیں گنوانے کے متعلق میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ بہت عظیم نقصان ہو گا یہ، جس کا متحمل کم از کم میں قطعاً نہیں ہو سکتا۔ نیور..... ایور.....''

اتباع حق تم چلی جاؤ گی تو میں کیا کروں گا؟''

میں تیرا خالی کمرہ ہوں!
مجھ میں دیا جلائے کون

''اتباع حق میری زندگی کا سچ بہت کڑوا ہے۔ اسے پینا یا سہنا سہل نہیں ہے۔'' کتنی مدھم مدھم

سرگوشیاں میرے اندر سے کہیں ابھر رہی تھیں اور میں ساکت سی اس گھڑی بیٹھی فقط خالی خالی نظروں سے مونیٹر کی اسکرین کو تکے جا رہی تھی۔

☆☆☆☆

ماما نے بتایا تھا کہ حمزہ انکل اور ثمینہ آنٹی پھر آئے تھے۔ وہ میرا جواب جاننا چاہ رہی تھیں اور تب میں نے انہیں اپنے جواب سے آگاہ کر دیا تھا۔ ایک اطمینان سا رگ و پے میں اترا تھا۔ سارا وجود ہلکا پھلکا سا ہو گیا تھا۔

تبھی یکدم دروازہ کھلا تھا اور وہ اندر داں خل ہوا تھا۔ میں نے چونک کر سر اٹھایا تھا اور پھر میری جانب بڑھ آیا تھا۔ کرسی کھینچ کر میرے مقابل بیٹھا تھا اور پھر قدرے رسانیت سے میری جانب دیکھا تھا۔

''دیکھو! اتباع حق، زندگی کی کوئی مذاق نہیں ہے۔ نہ ہی اسے جذباتی اور بے وقوفانہ فیصلوں کی نذر کیا جا سکتا ہے۔ زندگی اور لوگوں کے معاملہ میں تمہارا تجربہ قطعاً صفر ہے ابھی۔ تمہیں فی الحال دنیا میں سروائیو کرنے اور اسے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ابھی کوئی فیصلہ کرنے کے لیے تم ذہنی طور پر بہت امیچور ہو۔'' وہ ہاتھ اٹھا کر بولا تھا اور میں ساکت سی اسے تکتی جا رہی تھی۔

''میں تمہیں کوئی لمبی چوڑی تقریر سنانے نہیں آیا ہوں۔ فقط اس بات سے آگاہ کرنے آیا ہوں کہ جو انتہائی جذباتی قسم کا بے وقوفانہ فیصلہ تم نے کیا تھا، اسے میں نے رد کر دیا ہے۔ تم میرے ہر رشتہ ہو اور میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا۔ بتا دیا تھا میں نے تمہیں..... تم کیوں مجھے ایک اچھی دوست سے محروم کرنا چاہتی ہو۔ اتباع حق! مجھے ہمدردی اور ترس نہیں چاہیے۔ تمہارا تعلق میرے لیے خالص تھا، خالص ترین..... تبھی میں نے تم سے ہر شے شیئر کی۔ وہ شے بھی جو میں سب سے چھپانا چاہتا تھا۔ میری دوست ہونے کی حیثیت سے تم میری ہم راز رہیں..... رفیق رہیں..... حبیب رہیں مگر.....'' اس نے چہرے کا رخ پھیر کر ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

''دیکھو اتباع، بھول جاؤ سب کچھ۔ میں چاہتا ہوں جب کل ہم ملیں تو فقط اچھے دوستوں کی طرح۔ اس کے علاوہ کوئی رشتہ میں نہیں چاہتا ہوں۔'' وہ کہہ کر اٹھا تھا اور باہر نکلتا چلا گیا تھا اور میں جو ساکت سی اس سمت تکے جا رہی تھی یکدم جیسے ہوش میں آ گئی تھی۔

ایک لمحے میں اٹھ کر چلتی ہوئی میں اس کے پیچھے آئی تھی۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا گلاس ڈور کھول کر باہر نکل رہا تھا۔ میں نے تقریباً بھاگ کر اس فاصلے کو محدود کیا تھا۔

''تم غلط سوچ رہے ہو علی حمزہ۔ بزدل ہو، خود سے بھاگنا چاہتے ہو..... اس سچ سے بھاگنا چاہتے ہو..... مگر اس طرح تمہارے بھاگتے رہنے سے کوئی بھی سچ دبے گا نہیں۔ نہ ہی اس کی حیثیت کالعدم ہو گی۔'' وہ میرے آگے آگے چل رہا تھا اور میں بہ مشکل بھاگتی ہوئی ان فاصلوں کو سمیٹنا چاہ رہی تھی مگر اس کے لمبے لمبے ڈگ بھرنے کے باعث یہ تقریباً ناممکن لگ رہا تھا۔

''علی حمزہ! تمہارا پرابلم یہ ہے کہ تم خود ترسی میں مبتلا ہو۔ تم خود کو خود ہی اچھوت سمجھ بیٹھے..... کس گناہ

کے بعد زندگی ختم نہیں ہو جاتی..... نا رک جاتی ہے۔'' وہ عشق پیچاں کی بیل کے پاس سے گزرتا ہوا سیڑھیاں اترتے ہوئے لان کے ساتھ بنی ہوئی بجری کی سرخ روش پر تھا اور میں تیز موسلا دھار بارش کی پروا کیے بغیر ننگے پاؤں اس کے پیچھے تھی اور وہ چلتا جا رہا تھا۔

''علی حمزہ کب تک؟ آخر کب تک سرپٹ دوڑتے رہو گے..... کب تک بزدلی کی یہ زندگی جیتے رہو گے؟ خود کو اپنے اردگرد کے لوگوں کو سزائیں دیتے رہو گے؟ تمہیں کیا حق پہنچتا ہے ایسا کرتے رہنے کا..... انکل کے خوابوں کو روندنے کا اور..... اور میری خواہشوں کو رد کرنے کا؟''

وہ یکدم رکا تھا اور مڑ کر سیڑھیوں کی جانب دیکھا تھا۔ میں جو بڑی روانی سے بول رہی تھی اس کے پلٹنے پر زبان یکدم ہی تالو سے جا چپکی تھی اور نظریں جھکتی چلی گئی تھیں مگر مجھے یہ محاذ ہارنا نہیں تھا۔ تبھی میں نے سر اٹھا کر اس کی جانب کسی قدر پراعتمادی سے دیکھا تھا۔

''ہاں علی حمزہ..... میں تمہاری زندگی کے اس کڑوے سچ کو پینے کو تیار ہوں۔ میں سہہ سکتی ہوں اسے کیوں کہ میں جانتی ہوں جو ہم آہنگی میری تمہارے ساتھ ہوئی ہے، وہ کہیں اور نہیں ہو سکتی اور تم جو شے دنیا بھر سے چھپانا چاہو گے اسے مجھے ضرور بتا دو گے۔'' وہ میری سمت تکتا جا رہا تھا اور میں اس گھڑی نگاہ جھکا گئی تھی۔

''میرے لیے یہ فیصلہ آسان نہیں تھا علی حمزہ..... بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے میں نے..... اور پھر تم نے بھی تو کہا تھا..... تم ایک گھر بنانا چاہتے ہو..... تمہیں بھی تو عادت ہے میری، میں کہیں چلی گئی تو تم کیا کرو گے؟'' میں نے سر اٹھا کر دیکھا تھا وہ میری سمت بغور دیکھ رہا تھا۔ چاروں سمت ایک دھند سی چھائی تھی مگر میرے سامنے کھڑا منظر بہت واضح تھا۔

''علی حمزہ! کوئی جذباتی فیصلہ نہیں ہے۔ میں تم پر کوئی ترس بھی نہیں کھا رہی ہوں، کوئی معاہدہ نہیں ہوا تھا ہمارے مابین سچ بولنے کا مگر اس کے باوجود تم نے مجھ سے کبھی کوئی جھوٹ نہیں بولا۔ تم چاہتے تو ہر بات مجھ سے چھپا بھی سکتے تھے۔ دوستوں کو ہر بات ضروری نہیں کہ بتائی بھی جائے مگر تمہاری سچائی کی قائل ہو گئی ہوں میں۔ تم سے جو گناہ سرزد ہوا وہ نادانستہ سرزد ہوا۔ بہت سے لوگ تو قصداً گناہ کرتے ہیں اور شرمندہ تک نہیں ہوتے۔ کوئی جذباتی فیصلہ نہیں ہے یہ کیوں کہ میں نے دل سے نہیں، دماغ سے فیصلہ کیا ہے۔ ہمارے درمیان جو تعلق تھا، وہ دوستی کا تھا۔ کوئی ڈرامائی، جذباتی وابستگی نہیں تھی جو میں آنکھیں بند کر کے، بند عقل سے کوئی بھی فیصلہ تمہارے حق میں دے دیتی۔'' وہ جس طرح بغور مجھے دیکھ رہا تھا، میرے لیے اتنا بہت کچھ بولنا ناممکن ہو رہا تھا۔ پہلی بار مجھے اس کے سامنے کوئی کنفیوژن نہیں ہوئی تھی، میں سر جھکائے جھکائے بولی تھی۔

''میں بھی ایک گھر بنانا چاہتی ہوں علی! جس کی بنیادیں یقین، اعتبار اور سچائی پر کھڑی ہوں اور مجھے لگتا ہے علی حمزہ، ہم دونوں ساتھ چل سکتے ہیں، دور تک..... زندگی کی شاہراہ پر قدم قدم..... آخری سانس تک، کیوں کہ ہم ایک دوسرے پر یقین رکھتے ہیں..... اعتبار رکھتے ہیں، ایک دوسرے کے متعلق سب کچھ

جانتے ہیں اور.....''

''اور.....؟'' میرے رکنے پر علی حمزہ نے بڑی دلچسپی سے میری جانب دیکھا تھا۔ میں نے نہ تو اس کے لہجے پر غور کیا تھا نہ سر اٹھا کر اس کی سمت دیکھا تھا۔ اپنی ہی طرف سے کچھ اخذ کرتے ہوئے بولی تھی۔

''تم بہت بدلتے جا رہے ہو علی حمزہ..... بہت بدل گئے ہو، بہت زیادہ۔ بہت سی برائیاں تھیں تم میں، فطری نوجوانوں کی طرح تم نے بھی بہت معرکے سر کیے۔ بہت سے محاذوں پر فاتح رہے، بہت سی جگہوں پر ہارے بھی..... مجھے سب باتوں کی خبر رہی کیوں کہ تم نے مجھے مطلع کیا۔ بہت برے تھے تم مگر اب نہیں رہے ہو..... تم اچھے ہو گئے ہو علی حمزہ، تبھی تو.....'' میں نے باقی کا جملہ کہیں اندر ہی دبا دیا۔

تبھی علی حمزہ نے اپنا بھاری ہاتھ بڑھا کر میرا نازک ہاتھ تھاما تھا۔ میں نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

''تبھی تو کیا.....؟'' اس کے لبوں پر بڑی مدھم سی مسکراہٹ پھیلی تھی۔ میں نے چونک کر اسے دیکھا تھا، پھر یکدم مسکرا دی تھی۔

''اچھی شے تو اچھی ہی لگتی ہے اور کیا.....؟'' میں کہہ کر پلٹی تھی، جب اپنا ہاتھ اس کی گرفت میں رہ جانے پر واپس مڑنا پڑا تھا۔ وہ کسی خاص زاویے سے مجھے اس گھڑی دیکھ رہا تھا۔ آنکھوں میں شاید کچھ اور تھا، کوئی نیا تاثر..... کوئی نیا رنگ اور میں نے یکدم ہی چہرے پر آ جانے والی لٹ کو کان کے پیچھے اڑس کر سر نفی میں ہلاتے ہوئے اس کی جانب دیکھا تھا۔

''بس بہت ہو گیا۔ تمہیں آنا ہو تو اندر آ جانا'' کسی قدر سرسری انداز میں، میں بولی تھی تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑا تھا اور میں بڑے عرصے بعد اسے اس طرح ہنستے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ جانے کیوں اسے خوش دیکھ کر میرے اندر تک ایک طمانیت سی دوڑتی چلی گئی تھی۔ میں نے اس کے ہاتھ سے ہاتھ چھڑا کر اندر بڑھ جانا چاہا تھا مگر وہ تعرض برتتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

''یاد نہیں، ابھی تھوڑی دیر پہلے کیا کہا تھا؟''

میں نے سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا اور اس کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

''شاہراہ حیات پر ہمیں آگے پیچھے نہیں..... قدم قدم ساتھ چلنا ہے۔''

میں مسکرا دی تھی۔

اور پھر ہم ایک ساتھ چلتے ہوئے اندر کی سمت چل پڑے تھے۔

ختم شد